ابنِ صفی

جلد نمبر
2

جاسوسی دنیا

5- فریدی اور لیونارڈ

6- پُراسرار کنواں

7- خطرناک بوڑھا

8- مصنوعی ناک

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 2

5	فریدی اور لیونارڈ
6	پُر اسرار کنواں
7	خطرناک بوڑھا
8	مصنوعی ناک

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

پیشرس

جب بھی میں جاسوسی دنیا کا کوئی ابتدائی ناول دوبارہ چھاپنے لگتا ہوں تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن یہ سوچ کر باز ہی رہنا پڑتا ہے کہ ایسا کرنے سے میرے پڑھنے والوں کو فریدی اور حمید کے کرداروں میں تدریجی ارتقاء کا اندازہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ آج کے مقابلے میں ان دونوں کے کرداروں کو اس کتاب میں کچھ زیادہ اسمارٹ نہ پائیں، ان میں وہ رچاؤ نہ ملے جو آج ملتا ہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ آج کی جھلکیاں ان میں نہ ملیں، کیونکہ ماضی ہی سے مستقبل بنتا ہے۔

غالباً ان دونوں کرداروں کی مقبولیت کی بھی یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہنی ارتقاء کے ساتھ ہی ساتھ ان میں تبدیلیاں ہوتی گئی ہیں۔

حمید صاحب کے متعلق اب یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ سنجیدہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن آپ آخر یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ فریدی میں بھی تو بہتیری تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ حمید میں بہت زیادہ سنجیدگی آ گئی ہے۔ وہ اب بھی عموماً غیر سنجیدہ ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے مزاج میں اب پھکڑپن نہیں رہ گیا۔ اب وہ بہت جچی تلی بات کہتا ہے اور موقع بے موقع ہنسانے کی بھی کوشش نہیں کرتا۔ پہلے صرف باتیں بناتا تھا اب کام بھی کرنے لگا ہے۔ بہر حال میں اسے کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ فریدی کے تئیں سنجیدگی کا کیا معیار ہے۔ لیکن کیا حمید اس معیار پر پورا اترتا ہے؟

ابن صفی

۱۴/ ستمبر ۵۷ء

ایک دلچسپ اطلاع

محکمہ سراغرسانی کی پُراسرار عمارت صبح کے کہر میں ڈوبی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ آج کئی دن سے سردی شباب پر تھی۔ شمالی ہند میں یونہی سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ لیکن اس دوران میں ژالہ باری ہو جانے کی وجہ سے سردی اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کی دیواریں جو بڑے بڑے چوکور پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی، اپنے استحکام کا اعلان کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ موسم کی شر انگیزیوں سے بے نیاز کہر کی گہری چادر پر طنزیہ ہنسی ہنستی ہوئی کہہ رہی ہوں کہ ہمیں کیا پرواہ ہے، ہم میں تو ایک رخنہ بھی نہیں جس سے اس سردی کی ٹھنڈی لہریں ہمارے اندر پہنچ سکیں۔ ہمارے قلب میں ایسے ایسے راز دفن ہیں جن کی ہوا بھی دنیا کو نہیں لگی۔ دنیا کے سینکڑوں راز ہمارے سینے میں دفن ہونے کے لئے آتے ہیں اور ہم تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اسی عمارت کے کمپاؤنڈ میں کئی شاندار بنگلے کھڑے اپنے مکینوں کی بڑائی کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ انہیں بنگلوں میں سے ایک کے برآمدے میں ایک قبول صورت انگریز عورت کھڑی شائد کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے شب خوابی کے لباس پر اونی لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار برآمدے میں لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انگریز عورت بے تابی کے ساتھ برآمدے سے اتر کر آگے بڑھی۔

ایک ادھیڑ عمر کا توانا تندرست انگریز کار سے اترا۔ اس نے آگے بڑھ کر عورت کی کمر میں

ہاتھ ڈال دیا۔

"اوہ جیکسن ڈارلنگ......!" وہ عورت انگریزی میں بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں پھر توانا و تندرست دیکھ رہی ہوں۔"

انگریز نے جھک کر عورت کی پیشانی چوم لی۔ پھر دونوں بنگلے میں داخل ہوگئے۔ یہ پی ایل جیکسن خفیہ پولیس کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ تقریباً دو ماہ سے ایک سخت تکلیف دہ مرض میں مبتلا تھا۔ اس کی زبان کی جڑ میں ایک پھوڑا نکل آیا تھا جس کی وجہ سے وہ تقریباً گونگا ہو کر رہ گیا۔ کھانے پینے میں بھی دقت محسوس ہوتی تھی، جب تک اس میں قوت برداشت رہی وہ مرض کی طرف سے لاپروائی برتتا رہا تھا، لیکن جب تکلیف ناقابل برداشت ہوگئی تو اسے ہسپتال داخل ہونا پڑا..... جہاں اُس کے پھوڑے کا آپریشن کر دیا گیا۔

آج دو ماہ بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو کر گھر واپس آیا تھا، جو عورت اس کا انتظار کر رہی تھی اس کی بیوی تھی۔

اسی دن دوپہر کی بات ہے کہ دفتر میں حمید فریدی کے کمرے میں ہنستا ہوا داخل ہوا۔ فریدی اخبار دیکھنے میں مشغول تھا۔ اس نے چونک کر حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"شائد آپریشن کے سلسلے میں مسٹر جیکسن کے دماغ کی بھی کوئی رگ کٹ گئی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"چپراسیوں سے لے کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تک کو فرداً فرداً اپنے کمرے میں طلب کر چکے ہیں۔ اسٹاف کی حاضری کا رجسٹر سامنے کھلا رکھا ہے۔"

"کیوں......؟"

"پتہ نہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو سلام دیا ہے۔"

"ہوں...... فریدی نے اٹھ کر سگار کا جلا ہوا ٹکڑا ایش ٹرے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ اخبار موڑ کر اس نے جیب میں رکھ لیا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ یہ اس کی عجیب و غریب عادت تھی کہ وہ دفتر میں عموماً پنجوں کے بل چلا کرتا تھا۔ غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ جوتوں کی آواز سے کسی کے کام میں خلل نہ پڑے۔ وہ پردہ اٹھا کر مسٹر جیکسن کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"ہیلو مسٹر فریدی...... آپ اچھے تو ہیں؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مہربانی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کو آپ کی صحت یابی کی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"شکریہ......!" جیکسن نے کہا۔ "بیٹھئے۔"

فریدی بیٹھ گیا۔

"میں کیا بتاؤں کہ مجھے اپنے سٹاف سے کتنی محبت ہے۔" جیکسن مسکرا کر بولا۔ "میں نے آفس آکر سب سے پہلا کام یہی کیا ہے کہ فرداً فرداً سب کو بلا کر ملاقات کی۔"

"ہم سب آپ کی محبت کی قدر کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف...... اس دوران میں، میں نے کتنی تکلیف اٹھائی ہے۔" جیکسن بولا۔

"تکلیف کی چیز ہی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کی آواز میں بڑی حد تک تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہاں بھئی...... یہ آپریشن ہے ہی ایسی چیز گلے اور زبان کا آپریشن ہوا تھا۔ ایسی صورت میں آواز ہی قائم رہ گئی ہے۔ اس کو ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔"

"واقعی خدا نے بڑا فضل کیا۔" فریدی نے یہ جملہ یونہی رسماً بڑے جبر و اکراہ کے ساتھ ادا کیا۔ اُسے رسمی گفتگو سے سخت نفرت تھی۔ وہ ایک منہ پھٹ اور بے دھڑک حقیقت کا اظہار کر دینے والا آدمی تھا۔

"اس وقت میں نے خاص طور پر ایک اہم معاملے میں مشورہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"فرمائیے۔"

"کل رات ہسپتال میں مجھے انسپکٹر جنرل کی طرف سے ایک اطلاع ملی ہے، جو ہم سب کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے۔ تم نے یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت ہندوستان آیا ہے اور اُس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ہمارے ہی شہر میں قائم کیا ہے۔"

"خبر تو انتہائی دلچسپ ہے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی کہ تم اس میں ضرور دلچسپی لوگے۔" جیکسن نے ہنس کر کہا۔ "تم تو ایسے موقعوں کی تلاش ہی میں رہا کرتے ہو۔ اب مجھے سو فیصدی یقین ہوگیا ہے کہ تم سچ مچ فن سراغرسانی کے دلدادہ ہو۔"

"ہاں......وہ لیونارڈ......!" فریدی نے جیکسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو لیونارڈ خوفناک شخص ہے۔ جس نے سارے یورپ کو ہلا رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے نامور سراغ رساں بھی اسے نہ پکڑ سکے۔"

"جی ہاں...... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک بین الاقوامی بلیک میلر ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے گھرانے اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ اس نے ایک بار اسکاٹ لینڈ یارڈ کے نامور جاسوس پیٹرسن کی اچھی خاصی درگت بنائی تھی۔"

"تم ٹھیک سمجھے۔ میں اسی لیونارڈ کی بات کر رہا ہوں۔" جیکسن نے کہا۔ "مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر وہ ہندوستان کیوں آیا ہے۔"

"یہاں کے راجوں اور نوابوں کو بلیک میل کرنے کے لئے۔" فریدی نے کہا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا...... کیا تم اُس کی موجودگی سے پہلے ہی واقف ہو۔"

"جی ہاں۔"

"وہ کس طرح......!" جیکسن نے کہا۔

فریدی نے جیب سے اخبار نکال کر سپرنٹنڈنٹ کے سامنے میز پر پھیلا کر ایک اشتہار کی طرف اشارہ کیا۔

سپرنٹنڈنٹ پڑھنے لگا۔

"یہاں کا وہ نواب متوجہ ہو، جو آج سے تین سال قبل محض عیاشی کی غرض سے ایک معمولی سیاح کے بھیس میں انگلینڈ گیا تھا۔ وہاں اُس نے ایک کسان کی حسین لڑکی پر ڈورے ڈالے تھے، لیکن اس طرح کامیاب نہ ہونے پر اُس سے شادی کر لی تھی۔ پھر کچھ دن اُس کے ساتھ رہ کر وہ چپکے سے ہندوستان واپس چلا آیا تھا۔ اُس نواب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب اس کی ریاست کا ایک جائز وارث اور پیدا ہو گیا ہے۔ میرے پاس سارے ثبوت شادی کے سرٹیفکیٹ سمیت موجود ہیں، جن کی قیمت پچھتر لاکھ روپیہ ہے۔ اگر وہ نواب اُن ساری چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو اس اخبار کے ذریعے اپنی رضامندی ظاہر کر سکتا ہے، ورنہ یہ سارے ثبوت اس کے نئے وارث کے حق میں استعمال کئے جائیں گے۔"

"دیکھا آپ نے......!" فریدی نے کہا۔

جیکسن نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"مگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لیونارڈ کی حرکت ہے۔"

"میں تقریباً ایک ماہ سے اس قسم کے اشتہارات کے تراشے جمع کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا "اور یہ سب یورپ ہی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے مجھے کوئی بھی اشتہار ایسا نظر نہیں آیا، جو کسی موٹی آسامی سے متعلق نہ ہو۔"

جیکسن نے پھر سر ہلایا۔

"مسٹر فریدی۔" جیکسن بولا۔ "میں اسی لئے تمہاری قدر کرتا ہوں کہ تمہاری نظریں بہت تیز ہیں۔ میں نے ابھی تقریباً سارے آفیسروں سے اس معاملے کے متعلق گفتگو کی ہے لیکن کسی نے بھی ان اشتہاروں کا حوالہ نہ دیا۔"

"ارے اس میں کون سی خاص بات ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ تو ایسی چیز ہے جس نے معمولی سے معمولی دماغ والے آدمی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا ہوگا۔"

"تم نے ابھی اس قسم کے اور اشتہاروں کا تذکرہ کیا تھا۔" جیکسن نے کہا۔ "کیا ان کے تراشے تمہارے پاس موجود ہیں۔"

"جی ہاں...... دو تین یہیں آفس میں موجود ہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھہریئے! میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔"

فریدی انگریزی اخبار کے دو تین تراشے اٹھا لایا اور باری باری انہیں پڑھنے لگا۔

"وہ مہارانی صاحبہ متوجہ ہوں، جو عیاشی کے لئے ہر سال پیرس جاتی ہیں۔ ان کے وہ خطوط میرے پاس موجود ہیں جو انہوں نے اپنے عاشقوں کو لکھے تھے۔ ان خطوط کی قیمت سولہ لاکھ روپیہ ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ خطوط شائع کر دیئے جائیں گے۔ سودا اسی اخبار کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔"

دوسرا اشتہار یہ ہے

"وہ حسین و جمیل نواب زادی متوجہ ہو، جو پچھلے سال اپنے ایک عاشق کو ساتھ لے کر سوئیٹزرلینڈ گئی تھی۔ بظاہر وہ اس کا پرائیویٹ سیکریٹری تھا۔ میرے پاس ان دونوں کی کچھ تصاویر ہیں، جن کا شائع کر دینا انتہائی دلچسپ ثابت ہو سکتا ہے۔ ان تصویروں کی قیمت بیس لاکھ روپیہ

ہے۔ اس سلسلے میں اسی قیمت کے زیورات یا جواہرات قبول کئے جاسکتے ہیں۔ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ تصاویر چھپواکر مفت تقسیم کردی جائیں گی۔ اس اخبار کے ذریعہ رضامندی ظاہر کی جاسکتی ہے۔“

”اسی طرح کے اور بھی اشتہارات ہیں، لیجئے خود آپ ہی پڑھ لیجئے۔“ فریدی نے تراشے جیکسن کی طرف بڑھا دیئے۔

”تعجب ہے کہ پولیس ابھی تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔“ جیکسن نے کہا۔ ”یہ تو کھلا ہوا جرم ہے۔ یہ اخبار گویا بلیک میلنگ کی ہمت افزائی کر رہا ہے، اسے تو فوراً ضبط کر کے اس پر مقدمہ چلانا چاہئے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”لیونارڈیا اس کے شریک کار معمولی آدمی نہیں ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے گرفت میں نہیں آسکتے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”ذرا آج کے اخبار کا ایڈیٹوریل کا یہ حصہ ملاحظہ فرمایئے۔“ فریدی نے اخبار جیکسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

جیکسن پڑھنے لگا۔

”ہم نے اپنے قارئین کی دلچسپی کے لئے ایسے اشتہارات کے نمونے چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جو یورپ میں بلیک میلنگ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ آج کے اخبار میں بھی آپ کو ایسا ہی اشتہار ملے گا۔ ہم آئندہ بھی آپ کی دلچسپی کیلئے ان کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔“

جیکسن پڑھ چکنے کے بعد فریدی کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

”مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے آج تک کسی کا جواب بھی اخبار میں دیکھا یا نہیں۔“ جیکسن نے کہا۔

”ایسی صورت میں جبکہ خود اخبار والے ملے ہوئے ہوں جواب شائع کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن یہ وثوق سے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اخبار والے ملے ہوئے ہیں۔“

”ان خطوط کے بارے میں ایڈیٹوریل نوٹ پڑھ کر قطعی کہا جاسکتا ہے۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ مسٹر فریدی کہ تم باتوں کو بہت ہی گھما پھرا کر سوچنے کے عادی ہو۔“ جیکسن نے کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے خطوط دلچسپی ہی کے لئے شائع کئے جاتے ہوں۔“

”لیکن مجھے تو اس میں کوئی بھی دلچسپی کی بات نظر نہیں آتی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور اگر دلچسپی ہی کے لئے ان کا سلسلہ شروع کیا گیا ہوتا تو دو ایک اشتہارات کافی تھے یا پھر ہر اشتہار میں کوئی نئی بات ہونی چاہئے تھی۔ اب تک تقریباً پندرہ اشتہارات شائع ہو چکے ہیں، لیکن سب ایک جیسے۔ ہر ایک میں ایک نئے ڈھنگ سے روپوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔“

”خیر بھئی یہی ہوگا۔“ جیکسن نے اکتا کر کہا۔ ”مجھے دراصل تمہیں یہ اطلاع دینی تھی کہ لیونارڈ کا پتہ لگانے کے لئے چھ جاسوسوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے، جس میں تمہارا نام ہے۔“

”تو کیا سب کو ایک ہی طریقہ کار پر عمل کرنا پڑے گا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”قطعی......!“ جیکسن نے میز پر جھکتے ہوئے کہا۔ ”یہ لازمی ہے۔“

”لیکن میں اس کا عادی نہیں۔“

”مجبوری ہے۔ یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ تمہیں روزانہ رپورٹ دینی پڑے گی۔“

”آپ جانتے ہیں کہ میں اس پر کبھی کاربند نہیں رہا۔“ فریدی نے کہا۔

”اس بار تو تمہیں اس پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ احکامات اوپر سے آئے ہیں۔“ جیکسن بولا۔

”اور اگر میں انکار کردوں۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا بچپنے کی باتیں کر رہے ہو۔“ جیکسن نے ترش روئی سے کہا۔ ”یہاں رہ کر تمہیں احکامات کا پابند ہونا پڑے گا۔“

”اور اگر فرض کیجئے کہ میں استعفیٰ دے دوں تو۔“

”میں تمہیں اس کی رائے نہ دوں گا۔“ جیکسن لاپروائی سے بولا۔

”لیکن میں اپنے اصول کے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔“

”آخر اس میں تمہارا نقصان ہی کیا ہے۔“ جیکسن جھنجھلا کر بولا۔ ”تمہارے جیسا ضدی آدمی تو میری نظروں سے گزرا ہی نہیں مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں اپنی جان نہ گنوا بیٹھو۔ اگر

ہمیں تمہاری اسکیموں کی خبر نہ ہوگی تو ہم تمہاری حفاظت کیسے کریں گے۔"

"آپ کا فرمانا درست ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اس محکمے میں روٹیوں کے لئے نہیں آیا۔ میری خطر پسند طبیعت نے اسی پیشے میں تسکین کا سامان دیکھ کر مجھے اس طرف آنے پر مجبور کیا ہے۔ میرا اس کام میں دل ہی نہیں لگتا جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ نہ ہو۔"

"ذاتی طور پر یہ چیز تمہارے لئے ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن محکمے کے حق میں نقصان دہ ہے۔"

"لیکن اس سے پہلے تو مجھے اس بات پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی پہلے کی بات اور ہے۔ پہلے تمہارا تعلق صرف مجھ سے تھا لیکن اس بار براہِ راست انسپکٹر جنرل کا معاملہ ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "میں کوشش کروں گا کہ ان کی ہدایات پر عمل کروں۔"

"آج شام تک بقیہ پانچ جاسوس بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں کل اُن سے تمہارا تعارف کرادوں گا۔ یہ سب مختلف صوبوں کے بہترین دماغ ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

پُر اسرار آدمی

مشہور اخبار نیو اسٹار کے دفتر کی عمارت برقی قمقموں کی روشنی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ رات کے تقریباً دس بجے ہوں گے۔ سردی کی زیادتی کی وجہ سے سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت کم ہو گئی تھی۔ رات کے سناٹے میں اخبار چھاپنے والی مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ عجیب انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی فضا میں گونج اٹھتی تھیں۔

نیو اسٹار کے دفتر اور چھاپے خانے میں لوگ تندہی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دفعتاً ایڈیٹر کے کمرے میں شور ہونے لگا۔ قریب کے لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر کمرے کے دروازے پر اکٹھا ہو گئے۔

ایڈیٹر اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا مجمع سے کہہ رہا تھا۔ "جاؤ...... تم لوگ یہاں کیوں اکٹھا ہو گئے۔ جاؤ...... اپنا کام کرو۔"

لوگ آہستہ آہستہ اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ایڈیٹر کمرے میں لوٹ آیا۔ یہاں ایک آدمی آرام کرسی پر بیہوش پڑا تھا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر اس کے کپڑوں کے بٹن کھول رہا تھا۔

"دوڑو...... جلدی کرو...... ڈاکٹر......!" ایڈیٹر نے سب ایڈیٹر سے کہا۔

سب ایڈیٹر بیہوش آدمی کو اُسی حالت میں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ایڈیٹر نے بیٹھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ بیہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔ بیہوش آدمی نے آرام کرسی پر بدستور لیٹے ہی لیٹے آدھی کھلی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا اور ایک ہاتھ السٹر کی اندرونی جیب میں ڈال کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور فرش پر گرا دیا۔ ایڈیٹر نے جھک کر بنڈل اٹھایا اور اپنے جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد بیہوش آدمی کی کرسی سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ گرا۔ ایڈیٹر نے اسے بھی اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ لیا۔ پھر وہ اٹھ کر کمرے کے دروازے پر آیا اور چق اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ وہ باہر نکل کر برآمدے میں کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اسسٹنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر کو لے کر آ گیا۔ اُن دونوں کے پیچھے ایک آدمی اور تھا۔ اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور اپنا ملاقاتی کارڈ گھبرائے ہوئے ایڈیٹر کی طرف بڑھا دیا۔ ایڈیٹر ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب...... ذرا دیکھ لیجئے۔ میں تو سخت پریشان ہوں۔ معلوم نہیں بے چارہ کس کام کے لئے آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔ ڈاکٹر وہیں کھڑا آنے والے کے ملاقاتی کارڈ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب۔" ایڈیٹر نے آنے والے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "فرمائیے کیسے تکلیف کی۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "پہلے آپ اپنے مریض کو دیکھئے پھر بعد میں

باتیں ہوتی رہیں گی۔"

ایڈیٹر کمرے کی طرف بڑھا...... اُس کے پیچھے فریدی بھی۔

"کہئے ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں...... مجھے یہ بیہوشی بہت زیادہ تھکن کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ جلد ہی ہوش میں آجائیں گے۔"

فریدی نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔

"تشریف رکھئے۔" ایڈیٹر نے فریدی سے کہا۔ اُس کے لہجے میں عجیب طرح کا اضطراب تھا۔ جسے خوف ہی کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

فریدی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کمزور اعصاب کے لوگوں پر عموماً سردیوں میں اس قسم کے دورے پڑ جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے۔" ڈاکٹر بولا۔

"یہ ہیں کون صاحب۔" فریدی نے کہا۔

"معلوم نہیں۔" ایڈیٹر نے کہا۔ "انہوں نے چپڑاسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ بھجوایا تھا...... اس کے بعد خود اندر آئے اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ میں اور میرا اسسٹنٹ دونوں یہاں موجود تھے...... ہم نے انہیں اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا اور اسسٹنٹ ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔"

فریدی نے میز پر سے اجنبی کا ملاقاتی کارڈ اٹھا کر دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا۔

"پرنس عدنان آف عراق......!"

فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ میں صورت ہی دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"جی ہاں...... میری پریشانی کا باعث دراصل یہی چیز تھی۔" ایڈیٹر سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "لیجئے شوق فرمایئے۔" اُس نے سگریٹ کیس فریدی کی طرف بڑھایا۔

"جی شکریہ...... میں صرف سگار پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"عجیب مصیبت ہے۔" ایڈیٹر نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اس قسم

خطرناک مرض لاحق ہوتا ہے تو یہ لوگ وقت بے وقت گھر ہی سے کیوں نکلتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اجنبی کو ہوش آگیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انگریزی میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو پریشانی اٹھانی پڑی۔"

"کوئی بات نہیں......" ایڈیٹر نے مسکرا کر کہا۔ "فرمایئے کیسے تکلیف کی تھی۔"

"مجھے پانچ منٹ کی مہلت دیجئے۔" اجنبی بولا۔ "مجھے سوچنا پڑے گا کہ میں کیوں آیا تھا۔ اس قسم کے دوروں کے بعد عموماً میں تھوڑی دیر کے لئے اپنی یاد داشت کھو بیٹھتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"جی ہاں...... یورپ کے تقریباً ہر ملک میں میں نے اپنے اس مرض کا شافی علاج کرانا چاہا لیکن بیکار......!" اجنبی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں آپ کے اس مرض کا خاطر خواہ علاج ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

اجنبی اس کے جملے پر چونک پڑا۔

"جی ہاں......!" وہ مسکرا کر بولا۔ "میں نے بھی یہاں کے معالجوں کے طریقہ علاج کی بہت تعریف سنی ہے۔"

"کہئے کچھ یاد آیا۔" ایڈیٹر نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں......!" اجنبی بولا "میں دراصل آپ کے اخبار میں ایک اشتہار دینے کے لئے آیا تھا۔"

"ہاں ہاں...... شوق سے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"مجھے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو انگریزی اخبار آپ کے لئے بیکار ثابت ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ہندوستان میں شاید ہی کوئی انگریزی پڑھا ہوا پیشہ ور ڈرائیور مل سکے۔"

"لیکن مجھے تو انگریزی ہی جاننے والا چاہئے کیونکہ میں ہندوستانی زبان نہیں سمجھ پاتا۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر کوشش کیجئے۔ شاید کوئی مل ہی جائے۔" فریدی بولا۔

"آپ اپنا پتہ مجھے دے دیجئے...... میں اشتہار شائع کر دوں گا۔" ایڈیٹر نے اجنبی سے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد اجنبی کھڑا ہو گیا۔ اُس نے وہاں سے بیٹھے ہوئے سب آدمیوں سے مصافحہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ہاں تو فرمائیے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" ایڈیٹر نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جناب پہلے یہ فرمائیے کہ کیا آپ کا کمرہ آسیب زدہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں...... کیا بات ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے میں بھی تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو جاؤں گا۔" فریدی نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے......!" ایڈیٹر حیرت سے آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔

"جی ہاں...... ذرا جلدی سے...... ڈاکٹر شائد ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہو گا۔" فریدی کہتے کہتے کرسی پر ایک طرف لٹک گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ زمین پر جھول رہا تھا۔

ایڈیٹر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اُسے آوازیں دے رہا تھا لیکن بے سود۔ فریدی بے ہوش ہو چکا تھا۔ بجائے اُس کے کہ وہ گھنٹی بجا کر کسی کو بلاتا خود باہر کی طرف بھاگا۔ شاید وہ ڈاکٹر کو بلانے جا رہا تھا۔ اُس نے اُسے عمارت کے پھاٹک پر ہی جا لیا۔

"ڈاکٹر...... ڈاکٹر...... فوراً واپس چلو...... دوسرے صاحب بھی بے ہوش ہو گئے۔"

دوسرے دن فریدی اور حمید میں گفتگو ہو رہی تھی۔ نیو اسٹار کا تازہ پرچہ میز پر کھلا ہوا

تھا۔

"دیکھو آج اُن دلچسپ اشتہارات کا سلسلہ نہیں شائع ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"ایڈیٹر نے معذرت بھی کی ہے۔" حمید بولا۔ "یہ دیکھئے لکھتا ہے ہمیں افسوس ہے کہ آج کی اشاعت میں اچانک مسودہ کھو جانے کی بناء پر بلیک میلنگ کا دلچسپ اشتہار شائع نہ ہو سکا۔"

"یہ بات تو اس نے بالکل سچ لکھی ہے۔" فریدی بولا۔ "مسودہ سچ مچ کھو گیا تھا اور غالباً تم یہ بھی جانتے ہو کہ آج کل شہر میں کھوئی ہوئی چیزیں میری جیب سے بر آمد ہوتی ہیں۔"

"کیا مطلب......؟" حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی یہ کہ وہ مسودہ اس وقت میری جیب میں موجود ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "پڑھو۔"

حمید پڑھنے لگا۔

"لندن کی حسین رات کون بھول سکتا ہے، جب پرنس...... نے اپنی کنواری چچازاد بہن کو ایک رات کے لئے اپنی بیوی بنایا تھا۔ لندن کے جیفرز ہوٹل کا کمرہ نمبر ۱۱۵ سہاگ رات کی رنگینیوں سے معمور تھا۔ پرنس کی چچازاد بہن دوسرے ہی دن ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئی۔ واپسی پر تین دن کے اندر ہی اندر اُس نے ایک جاگیردار سے شادی کر لی۔ میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ وہ جس بچے کی ماں بننے والی ہے وہ جاگیردار کا نہیں ہے۔ میں اس پرنس اور اس کی چچازاد بہن سے پندرہ لاکھ روپے کا مطالبہ کرتا ہوں، عدم ادائیگی کی صورت میں یہ راز اُس جاگیردار کو معہ ثبوت بتایا جائے گا۔ خط و کتابت اسی اخبار کی معرفت ہونی چاہئے۔"

"لیکن یہ آپ کو ملا کیسے۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے اُس رات کے سارے حالات بتاتے ہوئے کہا۔ "میرے بیہوش ہوتے ہی ایڈیٹر گھبرا کر ڈاکٹر کو بلانے کے لئے کمرے سے باہر نکل گیا اور میں نے جلدی جلدی اس کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ سب سے پہلے میں نے میز کی درازوں کو کھولا۔ اتفاق سے یہ کاغذ اوپر ہی رکھا ہوا مل گیا۔ اتنا کافی تھا۔ میں نے جلدی سے اُسے جیب میں ڈالا اور پھر بن کر لیٹ گیا۔ اس کاغذ پر دو آدمیوں کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں اور دوسرے نشانات کے بارے میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے جس پر شبہ ہے اس کے پیچھے تمہیں لگانا چاہتا ہوں۔ تم بہ آسانی اس کی

انگلیوں کے نشانات لے سکو گے۔"

"وہ کون ہے۔" حمید نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہی شخص جو رات ایڈیٹر کے کمرے میں بیہوش ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے لئے تمہیں اس کا موٹر ڈرائیور بننا پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا...... ہاں تدبیر تو اچھی خاصی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ نے ہوش میں آنے کے بعد ایڈیٹر کو کیا بتایا تھا کہ آپ اس سے کیوں ملنے گئے تھے۔"

"ارے یہ بھی کوئی خاص بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کل کی اشاعت کے ایک مضمون کے متعلق اس سے گفتگو شروع کر دی تھی جو کچھ حکومت کی مخالفت میں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ نیو سٹار مجھے بہت پسند ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حکومت اس پر کسی قسم کی پابندی لگا دے۔ لہٰذا اس قسم کے مضامین نہ چھاپے جائیں۔"

"بہت خوب......!" حمید نے کہا۔ "اور اس شخص کی اچانک بے ہوشی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ شخص یہ اشتہار ایڈیٹر کو دینے کے لئے آیا ہو گا اور موقع نہ دیکھ کر اس نے یہ چال چلی۔ اسے بیہوش ہوتے دیکھ کر ایڈیٹر نے اپنے اسسٹنٹ کو ڈاکٹر کے لئے دوڑا دیا۔ اس نے اس دوران میں وہ اشتہار ایڈیٹر کو دیا ہو گا۔ جب وہ ہوش میں آیا اس وقت میں وہاں موجود تھا۔ میرے علاوہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہم لوگوں کی موجودگی میں اُس نے یہی ظاہر کرنا مناسب سمجھا کہ وہ ایک موٹر ڈرائیور کے لئے اخبار میں اشتہار دینا چاہتا ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"اس اخبار میں پرنس عدنان کی طرف سے ایک موٹر ڈرائیور کے لئے اشتہار شائع ہوا ہے۔ لیکن اب اسے دھوکا دینا مشکل ہو جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے! ایڈیٹر نے اسے رات ہی میں مطلع کر دیا ہو گا کہ مسودہ گم ہو گیا ہے اور وہ بھی سمجھ گیا ہو گا کہ یہ کام میرا ہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب پرنس عدنان کافی احتیاط سے کام لے گا۔"

"آپ یہ سب اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں، جیسے آپ کو مکمل یقین ہو کہ پرنس

عدنان ہی اصل مجرم ہے۔" حمید نے کہا۔

"اصل مجرم وہ نہیں بلکہ لیونارڈ ہے۔ وہ تو اس کا ایک ایجنٹ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے یک نہ شد دو شد۔" حمید نے کہا۔ "میں تو پرنس عدنان ہی کو لیونارڈ سمجھ رہا تھا۔"

"تم غلط سمجھ رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیونارڈ انگریز ہے اور پرنس عدنان ہندوستانی۔"

"ہندوستانی یا عراقی......؟" حمید نے کہا۔

"سو فیصدی ہندوستانی۔"

"وہ کیسے؟"

"پہلے تم اُسے ایک بار دیکھ آؤ...... پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں کس طرح جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"پیدل......!"

"اونہہ! میرا یہ مطلب نہیں۔" حمید نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔ "میں اُس سے کس حیثیت سے ملوں۔"

"ایک ملازمت کے خواہاں موٹر ڈرائیور کی حیثیت سے۔"

"مگر وہ اب کافی ہوشیار ہو گیا ہو گا۔"

"تب تو مجھے اور بھی زیادہ آسانی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیشہ یاد رکھو کہ مجرم اُس وقت بہت آسانی سے گرفت میں آ جاتا ہے جب وہ حد سے زیادہ محتاط ہو جائے۔ میں تو یہ چاہتا ہی ہوں کہ تمہارے جانے پر اُسے کسی طرح شبہ ہو جائے کہ مقامی جاسوس اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

حمید نے پھر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا۔" فریدی نے کہا۔ "اُس پر یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم انگریزی کافی جانتے ہو۔ گفتگو ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کرنا۔ حتیٰ الامکان اس بات کی کوشش کرنا کہ اُسے شبہ نہ ہونے پائے۔ اگر شبہ ہو ہی گیا تو اس کی فکر نہیں، کیونکہ اس صورت میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لوں گا۔"

"میں اچھی طرح سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "اچھا تو میں کس طرح جاؤں...... کیا بھیس بدلنے کی بھی ضرورت ہو گی۔"

"قطعی...... بغیر بھیس بدلے اس کے سامنے جانا بھی مت۔ ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ آج تین بجے تم اس کے یہاں ضرور پہنچ جانا...... اور ہاں میں ابھی تمہیں ایک تجربہ کار ملٹری ڈرائیور کا سرٹیفکیٹ بھی دے دوں گا۔"

نوک جھونک

خفیہ پولیس کے دفتر میں مسٹر جیکسن کے کمرے میں ملک کے چھ سربر آوردہ جاسوسوں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ فریدی کے علاوہ ہر ایک اپنی رپورٹ مسٹر جیکسن کے سامنے پیش کر چکا تھا۔

"کیوں مسٹر فریدی آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایک ایسے شخص کا پتہ لگانا کتنا دشوار ہے جسے آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو۔ جس کی تصویر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں موجود نہ ہو۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے محض اسی بناء پر اُسے پکڑ نہ سکے کہ اُن کے پاس نہ تو تصویر تھی اور نہ دوسرے ایسے نشانات جن سے وہ پکڑا جاسکے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ناامید ہو جانا چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری گرفت میں آ ہی جائے، لیکن ایسے لوگوں کا پکڑا جانا محض اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی خاص طریقہ کار پر عمل کر کے ایسوں کو گرفتار کر لینا قطعی ناممکن ہے۔"

"بہر حال اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔" جیکسن نے کہا "یہ بتاؤ کہ تم نے اب تک کیا کیا۔"

"میں نے آپ سے اپنے جس شبہ کا اظہار کیا تھا اس کے تحت میں اخبار کے دفتر میں گیا تھا لیکن وہاں تحقیقات کرنے پر مجھے پتہ چلا کہ میں غلطی پر تھا۔ ایڈیٹر نے مجھے بتایا کہ وہ لوگوں کی دلچسپی کے لئے اسی قسم کے دوسرے سلسلے بھی شروع کرنے والا ہے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" مسٹر جیکسن نے مسکرا کر کہا۔

"ارے پھر کہاں آپ کہاں میں۔" فریدی نے انتہائی خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ بہر حال ہم سب کے استاد ہیں۔"

جیکسن ہنسنے لگا۔

"تو پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" جیکسن بولا۔

"میں کسی خاص لائن پر کام نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر ان جاسوسوں کے بنائے ہوئے پلان میں اُن کے شریک کار ہو جاؤ" جیکسن نے کہا۔

"میں اسے وقت برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" ایک جاسوس تیز لہجے میں بولا۔ بقیہ جاسوسوں کے چہروں سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے فریدی کے اس جملے کا بُرا مانا ہے۔

"دیکھئے، جناب یہ شیر کا شکار تو ہے نہیں کہ آپ نے ہانکا کرادیا اور اس کا انتظار کرنے لگے اور ابھی شیر خود بخود سامنے آجائے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ ایک ایسے آدمی کا معاملہ ہے جسے آج تک کسی نے دیکھا ہی نہیں، اور پھر اس نے یہاں کوئی واردات بھی نہیں کی کہ اس کے سہارے کسی خاص نتیجے پر پہنچا جاسکے۔"

"تو اس کا صریحاً یہ مطلب ہے کہ اُسے گرفتار کیا ہی نہیں جاسکتا۔" دوسرا جاسوس بولا۔

"تاوقتیکہ اس کا کچھ پتہ نشان نہ ملے۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"میرا تو خیال یہ ہے کہ جب تک وہ خود ہمارے سامنے آکر یہ نہ کہہ دے کہ وہی لیونارڈ ہے اس کا پکڑا جانا محال ہے۔" ایک جاسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بے شک حالات تو ایسے ہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر نہ گھوڑا دور نہ میدان ہر ایک کے جوہر کھل جائیں گے۔"

"بھئی آخر اس نوک جھونک سے کیا فائدہ۔" جیکسن نے کہا۔

"بہر حال صاحب، ہم لوگوں نے جو پلان تیار کیا ہے اسی کے مطابق کام کریں گے۔" ایک جاسوس بولا۔ "آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ہمارا ساتھ دیں یا نہ دیں۔"

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر معاملے میں میری رائے ٹھیک ہی اترے، لیکن ممکن ہے آپ کا بنایا ہوا پلان ہی مفید ثابت ہو۔ بہر حال مجھ

سے آپ جس وقت جو کام لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ایک بوڑھے جاسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ یہ کام مل جل کر کریں۔" جیکسن نے کہا "کیونکہ مقابلہ ایک انتہائی پراسرار آدمی سے ہے۔"

"قریب قریب ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب مسٹر جیکسن کے کمرے سے اٹھ کر چلے گئے۔ فریدی اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ اُس نے انگلیوں کے وہ نشانات نکالے جو اُس نے اخبار کے دفتر سے چرائے ہوئے کاغذ پر سے حاصل کئے تھے۔ تھوڑی دیر تک انہیں بغور دیکھتا رہا پھر اٹھ کر ریکارڈ روم میں چلا گیا۔ وہاں اس نے دو تین فائل نکالے اور انہیں الٹتا پلٹتا رہا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا..... فائل میں ایک جگہ کسی آدمی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ اپنے حاصل کئے ہوئے نشانات سے اُن کا موازنہ کرنے لگا اور پھر ایک تصویر پر اس کی نظر پڑی۔ اچانک اس کی اونگھتی ہوئی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔ وہ دیر تک اس فائل کے کاغذات کو الٹتا پلٹتا رہا۔ اتنے میں کلاک نے چار بجائے اور اس نے فائل الماری میں رکھ دیا اور اپنے کمرے میں آکر گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

تقریباً آٹھ بجے رات کو حمید لوٹ آیا اور آتے ہی ایک صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"خیریت......!" فریدی نے کہا۔

"میں نے یہ لفظ آج تک نہیں سنا۔"

فریدی سمجھ گیا کہ ضروری کوئی خاص بات ہوئی ہے۔

"کیوں بھئی......!" آخر اتنی بدحواسی کیوں۔

"تھکا تھکا کر مار ڈالا حرام زادے نے۔" حمید نے کہا "اور آخر بعد میں کہہ دیا تم اس کار کی حفاظت نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تم ہمیشہ ملٹری لاریاں چلاتے رہے ہو۔"

"بہت خوب.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تو اس نے تمہارے سرٹیفکیٹ دیکھے تھے۔"

"جی ہاں...... کافی دیر تک۔" حمید بولا۔ "اور پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ٹرائیل لینا چاہتا ہوں...... یہ کہہ کر جو اُس نے مجھے اپنی کار میں جوتا ہے تو اب فرصت ملی ہے۔ کافی گھوم

پھر لینے کے بعد اُس نے مجھے پانچ کا نوٹ ٹکایا اور ٹھنڈے ٹھنڈے رخصت کر دیا۔

"خیر کچھ پرواہ نہیں...... میرا مقصد اتنے ہی میں حل ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "لاؤ وہ سرٹیفکیٹ واپس کر دو۔"

"کیسے سرٹیفکیٹ......" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ تو اسی کے پاس رہ گئے۔"

"کیا کہا......! اُس کے پاس رہ گئے۔ اُس کے پاس کیوں رہ گئے۔"

"تو کیا مجھے واپس لے لینا چاہئے تھے۔" حمید نے بھولے پن سے کہا۔

"عجیب گدھے آدمی ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ قطعی ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں یا تو گدھا ہو سکتا ہوں یا آدمی۔ بیک وقت گدھا اور آدمی ہونا میرے بس کی بات نہیں۔ چاہے پھر نوکری رہے یا جائے۔"

"سیدھی طرح نکالتے ہو سرٹیفکیٹ یا دوں ایک گھونسا۔" فریدی نے کہا۔

"شوق سے دیجئے میں اُسے نہایت احتیاط سے اپنے بکس میں رکھ دوں گا۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"حضور یہ بکواس نہیں فلسفہ ہے۔"

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا فلسفہ دونوں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "لاؤ...... لاؤ سرٹیفکیٹ لاؤ۔"

"لیجئے جناب...... آخر اس قدر ناراض کیوں ہوتے ہیں۔" حمید نے جیب سے سرٹیفکیٹ نکال کر فریدی کو دے دیا اور منہ پھلائے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔

"عجیب گدھا ہے...... نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ وقت۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا عجائبات کے کمرے میں گھس گیا۔

دلچسپ دھمکی

"کیوں بھئی تمہارا منہ سیدھا ہوا یا نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا جو ایک صوفے پر لیٹا

کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔

"تو میرا منہ ٹیڑھا کب تھا۔" حمید نے کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"کتاب بند کرو۔"

"لیجئے......!" حمید نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

"اگر میں لیٹے ہی لیٹے بیٹھا رہوں تو کیا ہرج ہے۔"

"اگر تم دو منٹ کے اندر سنجیدہ نہ ہوئے تو میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ارے حضور! آپ میری ناک بھی اکھاڑ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "آپ کا ماتحت جو ٹھہرا۔"

"اچھا بکواس بند......!"

"لیجئے......بالکل بند۔"

"جانتے ہو میں نے سرٹیفکیٹ میں کیا پایا۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں جانتا ہوں۔"

"کیا......"

"سینما کے ٹکٹ......!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"پھر وہی حرکت۔"

"کون سی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"تو پھر اسی بات پر مجھے تین چار ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"اچھا......!" فریدی نے غصے میں کہا اور پھر کمرے سے جانے لگا۔

حمید نے اٹھ کر اُسے پکڑ لیا۔

"آخر آج کل آپ اتنے چڑچڑے کیوں ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اس وقت ہٹ جاؤ......میں اب تھوڑی دیر بعد تم سے گفتگو کرنے کے قابل ہوں گا۔"

"اور اگر آپ تھوڑی دیر بعد بھی اس قابل نہ ہوئے تو؟" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"او فریدی کے باپ! میں نے اُس سرٹیفکیٹ میں اپنی تصویر ایک بوڑھی عورت کے ساتھ بوس کنار کرتے ہوئے پائی ہے۔" فریدی زور سے چیخا۔

"کیا مطلب......!" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی نے تہہ کئے ہوئے سرٹیفکیٹوں کے درمیان میں سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی۔

حمید دیکھ کر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"میں آپ کو اتنا بدذوق نہیں سمجھتا تھا۔" حمید نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "یہ تو وہی مثل ہوئی......ع توبہ ٹوٹی بھی ٹوٹی ہوئے پیانے سے۔"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہیں اتنا بدتمیز نہیں سمجھتا تھا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"میں نے کیا بدتمیزی کی۔" حمید نے سہم کر کہا۔

"یہ تصویر کہاں سے آئی۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے جس حالت میں اُس نے سرٹیفکیٹ دیئے میں نے جیب میں ڈال لئے تھے اور بالکل ویسے ہی آپ کو واپس کر دیئے تھے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"سمجھا......!" اس نے تھوڑی دیر بعد معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"کیا......!"

"جانتے ہو یہ عورت کون ہے؟" فریدی نے کہا۔

"نہیں......!"

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر رابرٹ کی بیوی۔"

"تو کیا واقعی آپ......!"

"کیا فضول بکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"پھر آخر......!"

"یہ لیونارڈ کی طرف سے میرے لئے ایک خاموش دھمکی ہے۔"

"مگر یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں اتنی ہی عقل ہوتی تو پھر رونا کس بات کا تھا۔"

"کچھ بتائیے بھی تو......!"

"ارے میاں الگ فلموں پر دو تصویریں لے کر انہیں ملا دینا کوئی مشکل کام نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ...... بھئی مان گیا۔ واقعی لیونارڈ کو جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ سرٹیفکیٹ محض اس لئے دیئے تھے کہ ان کے ذریعہ میں پرنس عدنان کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر سکوں گا۔ مگر بے سود، جو شخص اتنا عیار ہو ایسی فاش غلطی نہیں کر سکتا۔"

"اوہ...... ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اُس نے سرٹیفکیٹ لیتے وقت دستانے پہن لئے تھے۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"اُس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کا پیچھا کیا تو وہ اس قسم کی دوسری تصویر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "کیا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی بیوی سے آپ کی جان پہچان ہے۔"

"بالکل نہیں......!"

"واقعی بہت بُرے پھنسے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ...... دیکھا جائے گا۔" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "اب سب سے پہلے پرنس عدنان کو ٹھکانے لگانا چاہیئے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ابھی میں اس کے متعلق کوئی واضح اسکیم نہیں بنا سکا۔ لیکن یہ طے کر لیا ہے کہ اُسے کسی طرح جکڑ لوں۔"

"مگر یہ چیز خطرناک ہوگی۔"

"کیوں......!"

"اس لئے کہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہ خود لیونارڈ نہیں تو آپ خطرے میں پڑ جائیں گے۔ لیونارڈ اس تصویر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حوالے کر دے گا۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

اجنبی حسینہ

رات انتہائی سرد تھی، آسمان میں سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ ہوا تیز تھی۔ کبھی کبھی دل ہلا دینے والی گرج اور چمک سے بڑی بڑی عمارتوں میں ایک عجیب قسم کی جھنکار سی پیدا ہو جاتی تھی۔ ایک بج گیا تھا، لیکن فریدی ابھی تک اپنی خواب گاہ میں ٹہل ٹہل کر سگار پر سگار پھونک رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بارش ہونے لگی۔ فریدی نے کھڑکیاں بند کر دیں۔

ابھی وہ لیٹنے کے ارادے سے پلنگ پر بیٹھا ہی تھا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی برآمدے میں گر پڑا ہو۔ وہ تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ پورٹیکو میں اس کے کتے کھڑے بھونک رہے تھے۔ فریدی نے انہیں ڈانٹتے ہوئے برآمدے کی بجلی روشن کر دی۔

"ارے......!" وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

برآمدے میں ایک عورت اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اُس کی نفیس اور قیمتی ساڑھی پنڈلیوں تک سرک آئی تھی۔ وہ ایک گرم اور خوشنما لبادے میں ملبوس تھی۔ کپڑے قریب قریب بالکل بھیگ چکے تھے۔

فریدی اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ہمت کر کے اُس نے اُسے سیدھا کیا۔ یہ ایک نوجوان عورت تھی۔ اس کی گھنی اور لانبی پلکیں غمازی کر رہی تھیں۔ اُن کے آغوش میں دو جھیل کی طرح اتھاہ گہرائیاں رکھنے والی خوبصورت آنکھیں

سو رہی تھیں۔ سرخ و سپید چہرہ کسلمندی اور اضمحلال کی وجہ سے کچھ اور زیادہ حسین نظر آنے لگا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اُس کے حسین اور صحت مند جسم میں ہاتھ لگاتے وقت فریدی جیسا خشک آدمی بھی ایک بار سر سے پیر تک کانپ اٹھا تھا۔

آخر وہ ہمت کر کے اس بیہوش لڑکی کو ہاتھوں پر اٹھا کر اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور پلنگ پر لٹا دیا۔

اب وہ ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑے کس طرح تبدیل کرائے۔ یہ مسئلہ انتہائی دشوار تھا۔ آخر اس نے اُسے جوں کا توں رہنے دیا۔ صرف اتنا کیا کہ اسے کمبلوں سے چاروں طرف سے ڈھک دیا اور سنٹرل ہیٹنگ سے کمرہ گرم کرنے کا انتظام کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ حمید کو بھی جگا دے۔ لیکن اس کی شوخ طبیعت اور غیر سنجیدگی کا خیال آتے ہی اس ارادے سے باز رہا۔ اُس نے اس کے جوتے اتار دیئے تھے اور اب اُس کے سبک اور نازک پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گھنیری پلکوں کے نیچے آنکھوں میں خفیف سی جنبش ہوئی۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ آنکھیں ذرا سی کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ پھر اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔

"آپ اطمینان رکھیئے۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن میں کہاں ہوں۔" لڑکی بولی۔

"گھبرایئے نہیں...... آپ بُرے لوگوں میں نہیں۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی سر جھکائے سوچنے لگی۔

"آپ ابھی لیٹی ہی رہئے تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔

لڑکی اُسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ اطمینان رکھیئے آپ قطعی محفوظ ہیں۔"

فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ لڑکی پھر لیٹ گئی۔

"آپ کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے

لئے زنانہ کپڑوں کا انتظام نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ کچھ خیال نہ کریں تو اس وقت تک کے لئے مردانے ہی کپڑے پہن لیں جب تک کہ آپ کا لباس خشک نہ ہو جائے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بھیگے کپڑے آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں...... میرے خیال سے تو آپ کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔"

لڑکی بدستور خاموش رہی۔

جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں اُس کا شب خوابی کا لباس تھا۔

"لیجئے کپڑے بدل ڈالئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں جب تک چائے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں...... آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"نہیں تکلیف کی کوئی بات نہیں، اس وقت چائے آپ کے لئے ضروری ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

لڑکی نے اٹھ کر اپنے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے اور فریدی کے کپڑے پہن لئے۔ اُس ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگی تھی۔ کپڑے تبدیل کر چکنے کے بعد اس نے سنٹرل ہیٹنگ کا پلگ نکال دیا۔ پھر پلنگ پر اچھی طرح کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کشتی میں چائے لے کر آ گیا۔ اُس نے اس وقت ملازموں کو جگانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اس لئے اُس نے چائے خود ہی بنائی تھی۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" لڑکی بولی۔

"شرمندگی کس بات کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خواہ مخواہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی بولی۔

"بھئی اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" فریدی نے اس کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ......!" لڑکی نے کہا۔ چائے لیتے وقت اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

فریدی ایک آرام کرسی پر لیٹ کر سگار سلگانے لگا۔

"سگار کے دھوئیں سے آپ کو تکلیف تو نہ ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں...... بالکل نہیں۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"میرے خیال سے آپ ایک کپ اور پیجئے۔"

"جی نہیں بس...... شکریہ۔"

"آپ تکلف کر رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور اس کے کپ میں چائے انڈیلنے لگا۔

"تو آپ بھی پیجئے......!" لڑکی نے کہا۔

"میرے لئے بالکل ناوقت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی چائے پی چکی تھی۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

فریدی آنکھیں بند کئے خاموشی سے سگار پی رہا تھا۔

"مگر...... مگر......" لڑکی نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔"

فریدی آنکھیں کھول کر مسکرایا۔

"اگر آپ ضروری سمجھیں گی تو خود بخود بتا دیں گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"کیا یہ فریدی صاحب کا مکان نہیں ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"سو فیصدی انہیں کا ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کیا فریدی صاحب اس وقت موجود ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"غالباً سو رہے ہوں گے......" لڑکی نے کہا۔ "اگر انہیں اس وقت جگایا جائے تو وہ بُرا تو نہ مانیں گے۔"

"قطعی نہیں......!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "انہوں نے بالکل بُرا نہیں مانا۔"

"تو کیا آپ نے انہیں میرے متعلق بتا دیا ہے۔" لڑکی بولی۔

"بتانا کیسا...... وہ دیر سے آپ کو دیکھ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ...... تو کیا وہ قریب ہی کے کمرے میں ہیں۔" لڑکی بے تابی سے بولی۔ "خدارا مجھے اُن کے پاس لے چلئے۔"

"آخر کیوں......؟"

"یہ میں انہیں سے بتاؤں گی۔" لڑکی نے کہا۔ "معاف کیجئے گا...... بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

"تو بیان کرنا شروع کر دیجئے۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ میں یہ بات صرف انہیں کو بتا سکتی ہوں۔" لڑکی نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ سے کب کہتا ہوں کہ آپ کسی دوسرے کو بتائیں۔"

"تو کیا...... تو کیا...... آپ ہی فریدی صاحب ہیں۔"

"جی......!"

"اوہ...... تب معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں آپ کو بوڑھا سمجھتی تھی۔"

"آپ اب بھی مجھے بوڑھا ہی سمجھئے۔" فریدی نے کہا۔ "فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

لڑکی کچھ سوچنے لگی۔ اس کا چہرہ بار بار شرم سے سرخ ہو جاتا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی تبدیلیوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں دراصل اس لئے حاضر ہوئی......!" لڑکی اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ شرم سے اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔

"کہئے کہئے...... میرا سینہ رازوں کا مقبرہ ہے۔ آپ اطمینان رکھئے۔" فریدی نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے کہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ تو ذرا مشکل چیز ہے...... بھلا میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ آپ کیسے کہیں۔"

لڑکی پھر سوچنے لگی۔

"آپ میرے اوپر پورا پورا اعتماد کر سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی اس کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

"آپ...... روزنامہ اسٹار پڑھتے ہیں۔" لڑکی اچانک بولی۔

فریدی چونک پڑا، لیکن اُس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کچھ ایسا انداز اختیار

کرلیا جیسے اس نے کوئی خاص بات نہ پوچھی ہو۔ اس کے دل میں شبہ جاگ اٹھا کہیں یہ لڑکی لیونارڈ کے گروہ سے تو تعلق نہیں رکھتی۔ کہیں وہ اُسے بدنام کرنے کے لئے کوئی دوسری چال تو نہیں چل رہا ہے۔

"پڑھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے صوبے میں اس کے علاوہ دوسرا اخبار ہے ہی کون سا جو پڑھے جانے کے قابل ہو۔"

"آپ نے اس میں وہ اشتہار نما دھمکیاں بھی پڑھی ہوں گی، جو آئے دن چند نامعلوم ہستیوں کے بارے میں شائع ہوا کرتی ہیں۔"

"اشتہار نما دھمکیاں۔" فریدی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ارے وہی بلیک میلنگ کے اشتہارات کے نمونے۔" لڑکی بولی۔

"اچھا وہ......!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں پڑھے تو ہیں۔"

"ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"خیال......ہاں دلچسپی کے لئے اچھا خاصا سلسلہ ہے۔"

"دلچسپی۔" لڑکی جوش سے بولی۔ "مگر میں ثابت کر سکتی ہوں کہ ان کے ذریعہ سو فیصد بلیک میلنگ ہو رہی ہے۔"

"اچھا......" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"لیکن کیسے......؟"

"اسی اخبار کا یہ تراشہ ملاحظہ فرمائیے۔" لڑکی نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی اُسے پڑھ کر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"وہ بدنصیب نواب زادی میں ہی ہوں۔" لڑکی گلوگیر آواز میں بولی۔

"اچھا......!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن یہ آپ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"اس لئے کہ بالکل اسی قسم کا خط مجھے سوئٹزرلینڈ میں بھی موصول ہوا تھا اور اسی کے ساتھ

ہی ساتھ ایک تصویر بھی تھی۔"

"تو کیا یہ پرائیویٹ سیکریٹری والا معاملہ سچ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر...... نہیں، میں کیوں یہ پوچھ رہا ہوں۔ معاف کیجئے گا۔"

"آپ قطعی پوچھ سکتے ہیں، بلکہ میں آپ کو وہ تصویر بھی دکھا سکتی ہوں۔"

لڑکی جوش میں بولی۔ "جب کر نہیں تو ڈر نہیں۔ میرا ضمیر اس پر مجھے ملامت نہیں کرتا۔"

لڑکی نے ایک تصویر فریدی کی طرف بڑھا دی۔

اس تصویر میں ایک نوجوان آدمی اُسے آغوش میں اٹھائے کھڑا تھا۔

"کیا کہا آپ نے کہ آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہیں کر رہا ہے۔" فریدی نے تعجب اور طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں......!" لڑکی تیز لہجے میں بولی۔ "سوئٹزرلینڈ کی ایک تفریح گاہ میں میں سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میرا پرائیویٹ سیکریٹری بھی میرے ہمراہ تھا...... وہ مجھے اٹھا کر ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا کہ اسی دوران میں کسی نے ہمارا فوٹو لے لیا......اور بس۔"

"اوہ سمجھا......!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔"

"میں بیس لاکھ کہاں سے لاؤں گی۔ خود مختار تو ہوں نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"تو پھر میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کسی طرح سے مجھے اس مصیبت سے نجات دلوائیے۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔ "اگر واقعی یہ تصویر شائع ہو گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گی۔ ایسی صورت میں میرے ضمیر کی صفائی بھی میری مدد نہ کر سکے گی۔ دنیا کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ تو پھر اباجان تو مجھے زندہ ہی دفن کر دیں گے۔"

"اچھا...... آپ نے اس اخبار کے دفتر والوں سے اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت بھی کی۔" فریدی نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "سب سے پہلے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے ملوں۔ ایک دن راجروپ نگر کے نواب وجاہت مرزا اباجان سے آپ کی بہت تعریف کر رہے

تھے۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں اُن سے آپ کا پتہ پوچھا اور یہاں چلی آئی۔"

"کیوں......؟ آپ کے پیچھے آدمی لگ گئے ہوتے......" فریدی آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اچھا......!"

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ یہاں کہاں رہتی ہیں۔"

"میں اس شہر میں نہیں رہتی۔" لڑکی بولی۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ اگر آپ نے اس سے پہلے کچھ خط و کتابت کی ہوتی تو اتنی آزادی سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔"

"نہ میں فی الحال آپ کو اپنا نام بتاؤں گی اور نہ گھر کا پتہ۔"

"میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں کس طرح یقین کرلوں کہ آپ وہی نواب زادی ہیں ممکن ہے کہ آپ اُسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں، جس کے خلاف آپ شکایت لے کر آئی ہیں۔"

"آپ کا اعتراض حق بجانب ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "واقعی ایسی صورت میں اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی کی صاف گوئی اور سادگی کا اندازہ اُسے اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ اس کے بیان کو صحیح تسلیم کر لے۔ اُس کی حسین آنکھوں میں اُسے مکاری کی ذرہ برابر جھلک بھی نہ دکھائی دی۔

"دیکھئے...... مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"آخر آپ کو اپنے متعلق وضاحت کے ساتھ بتانے میں کیا نقصان نظر آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اپنے خاندان کی بدنامی نہیں چاہتی......" لڑکی بولی۔ "اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ میں خودکشی کرلوں۔"

"آپ اطمینان رکھئے کہ یہ چیز مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ نے نواب رشید الزماں کا نام سنا ہے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"اوہ...... تو کہئے آپ غزالہ خانم ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" لڑکی دفعتاً چونک کر بولی۔

"میں نے آپ کے بارے میں نواب وجاہت مرزا کے لڑکے ڈاکٹر شوکت سے سنا تھا۔"

"تو کیا آپ اُن لوگوں کو جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح۔"

"خیر چھوڑیئے...... ان باتوں کو۔" لڑکی بولی۔ "اب بتایئے آپ میرے لئے کچھ کریں گے یا نہیں۔"

"آخر آپ کیا چاہتی ہیں۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی طرح وہ تصویر نگیٹو سمیت مجھے مل جائے۔"

"میں کوشش کروں گا۔ لیکن آپ کو اس وقت تک یہاں ٹھہرنا پڑے گا جب تک کہ آپ کو تصویر واپس نہ مل جائے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"دوسری بات یہ کہ کل ہی آپ اس نامعلوم آدمی کو اسی اخبار کی معرفت ایک خط لکھئے اور اس میں اس سے پوچھئے کہ اُسے اس مطلوبہ رقم کو کس طرح دیا جائے۔ آپ اتنا کر لیجئے بقیہ میں دیکھ لوں گا۔ خط کا جواب آئے تو اُسے میرے پاس بھجوا دیجئے گا۔ میرا آدمی آر لکچو میں آپ سے ملتا رہے گا۔ اب آپ یہاں نہ آیئے گا اور نہ کسی پر یہ ظاہر ہونے دیجئے گا کہ آپ مجھ سے مل چکی ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں حتیٰ الامکان احتیاط برتوں گی۔" لڑکی متشکرانہ انداز میں بولی۔ "میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی۔"

"خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "چلئے میں آپ کو آر لکچو تک چھوڑ آؤں۔"

"اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

"ابھی آپ کے کپڑے خشک نہیں ہوئے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے آپ انہیں کپڑوں پر میرا اوور کوٹ پہن لیجئے۔ حالانکہ آپ مضحکہ خیز ضرور لگیں گی، مگر کیا کیا جائے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" لڑکی بولی۔ "خودنمائی سے زیادہ مجھے اپنے آرام وتکلیف کا خیال رہتا ہے۔"

"یہی ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آپ اس کوٹ کو پہننے میں جاکر گیرج سے گاڑی نکالتا ہوں۔"

راہ میں لڑکی نے محسوس کیا کہ فریدی کے بجائے کوئی اور ڈرائیو کر رہا ہے۔ وہ ٹھٹکی ہی تھی کہ آواز آئی۔

"گھبرائیے نہیں...... میں نے اپنی اصلی شکل وصورت میں آپ کے ساتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔"

لڑکی خاموشی سے سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

آسمان پر ابھی تک کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ بارش کچھ کم ہو گئی تھی۔

دھوکا

رات دیر تک جاگتے رہنے کی وجہ سے فریدی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ اگر حمید آکر جگا نہ دیتا تو شاید وہ ابھی تک سوتا رہتا۔ فریدی نے لیٹے ہی لیٹے ایک طویل انگڑائی لی اور حمید سے سگار کا ڈبہ اٹھانے کے لئے کہا۔

"میں اس طرف نہیں جاسکتا۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

"ادھر کسی نامحرم عورت کے کپڑے رکھے ہیں...... مجھے شرم آتی ہے۔" حمید نے زنانے انداز میں ناک پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

فریدی مسکرانے لگا۔

"اٹھاتے ہو یا اٹھ کر مرمت کردوں تمہاری۔"

"معاف کیجئے گا...... افسری اور ماتحتی دنیا ہی تک ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "جہنم

کی آگ آپ کے غصے سے زیادہ بھیانک ہو گی۔"

"اچھا مولانائے محترم دفان ہو جاؤ یہاں سے ورنہ......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے...... لیجئے نا سگار۔" حمید نے سگار کا ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو اگر وہ ساری خشک ہو گئی ہو تو اُسے تہہ کر کے رکھ دو۔" فریدی بولا۔

"جی......!" حمید زور سے چیخا۔ "قسم ہے اُس خدا کی جس نے مجھے مرد اور آپ کو عورت بنایا...... ارے لاحول ولا...... دونوں کو مرد بنایا...... میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ اب یہاں عیاشی ہونے لگی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر والد صاحب کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے قتل ہی کر دیں گے۔"

"کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے۔"

"سب فضول تو ہے ہی...... رات والی تصویر لیونارڈ کی دھمکی تھی۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "اور یہ ساڑھی...... یہ بلاؤز...... یہ لیڈیز کوٹ...... یہ سب ہی غالباً دھمکی ہے...... توبہ توبہ...... ارے اللہ میاں آخر قیامت کب آئے گی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"ارے بھئی تو کیا میں آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ آدمی کب سے ہو گئے۔" حمید بولا۔ "آپ تو کہا کرتے تھے کہ میں جاسوس ہوں۔"

"گدھے جاسوس نہیں ہوا کرتے۔"

"یہ بات آج ہی سمجھ میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید کو رات کا واقعہ بتائے یا نہ بتائے۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ حمید کو بھی اس سے آگاہ کر دے کیونکہ اُسے اس سے بہت ہی اہم کام لینے تھے۔

حمید ساری داستان سنا چکنے کے بعد کرسی پر سے بلاؤز اٹھا کر سونگھنے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"سونگھ رہا ہوں کہ اس کی عمر کیا ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "رات والی تصویر دیکھنے کے بعد سے میں آپ کی طرف سے قدرے بے اطمینان ہو گیا ہوں۔"

"ابے گدھے کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کر۔" فریدی نے تیزی سے کہا۔

"اگر میں گدھا ہوں تو میری سنجیدگی میں آپ کو شبہ نہ کرنا چاہئے۔"

"اچھا اب بکواس بند کرتے ہو یا تمہارا گلا دبا دوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بس خدا کی قسم ایک جھلک مجھے بھی دکھا دیجئے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"کیوں آپ کیا کریں گے دیکھ کر۔"

"توبہ کروں گا...... کان پکڑوں گا۔ اس کے نہیں بلکہ اپنے۔" حمید نے کہا۔

"توبہ اس لئے کروں گا کہ ابھی تک میں آپ کو بالکل غلط سمجھتا رہا ہوں۔"

"عنقریب تمہارا دماغ خراب ہونے والا ہے۔"

"کھری بات کہنے والے ہمیشہ پاگل سمجھے جاتے ہیں۔"

"اچھا برخوردار...... میرا پیچھا چھوڑو...... تم تو ناشتہ کر چکے ہو گے۔ یہاں بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ عاشقوں کو بھوک لگتی ہی نہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کرو...... ورنہ......!"

"آج ہی شادی کر لوں گا......" حمید نے فریدی کا جملہ پورا کر دیا۔

فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

حمید ساڑھی، بلاؤز اور کوٹ کو بڑی دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں ایک شرارت آمیز چمک پیدا ہو گئی۔ وہ ہنستا ہوا برآمدے میں نکل آیا۔ فریدی برآمدے میں بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"کسی نے ٹھیک ہے کہا ہے۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا ہے بھئی...... کیوں خواہ مخواہ گلا پھاڑ رہے ہو۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ڈاکو اور جاسوس ہمیشہ عورتوں ہی کے چکر میں پڑ کر مارے

جاتے ہیں۔"

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔"

"بکواس نہیں سرکار! آخر آپ بھی عورت ہی کے پھیر میں پڑ کر برباد ہوئے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا اور کوئی جواب دیئے بغیر شیو کرتا رہا۔

"آپ شاید مذاق سمجھ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"شاید تم ہوا سے باتیں کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"میں بھی کوئی حاتم طائی کا گھوڑا ہوں...... جو ہوا سے باتیں کروں گا۔"

"نہیں تم والٹراسکاٹ کے گدھے ہو۔"

"آپ مذاق میں ٹال رہے ہیں، بخدا میں اس وقت سو فیصدی سنجیدہ ہوں، غزالہ آپ کو بیوقوف بنا گئی۔"

"کیا مطلب......؟" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ملاحظہ فرمائیے۔" حمید نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی غزالہ کی اندرونی جیب سے برآمد ہوا ہے۔"

فریدی کاغذ کو پڑھنے لگا۔

"آج رات کو فریدی کے گھر جا کر معلومات بہم پہنچاؤ............

ل"

فریدی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

"اس "ل" سے غالباً لیونارڈ مراد ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن ایک بات تو سوچو کہ اگر واقعی وہ مجھے دھوکا دینے ہی آئی تھی تو پھر اُس نے اتنی بد احتیاطی سے کیوں کام لیا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ اس کاغذ کو جیب میں ہرگز نہ چھوڑ جاتی۔"

"کیا وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں...... ایسی لڑکیاں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تبھی آپ اسے بے گناہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا ذرا جلدی سے کار نکالو۔" فریدی نے تولئے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب......!"

"آخر بات کیا ہے۔"

"یہ پرزہ اس کے جانے کے بعد رات میں کسی وقت کوٹ کی جیب میں رکھا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ناممکن۔" حمید نے کہا۔ "رات میں یہاں کون آنے کی ہمت کر سکتا ہے۔ ہمارے کتے کسی کو زندہ بچ کر نہیں جانے دے سکتے۔"

"یہی تو غلطی کی تھی کہ غزالہ کے آنے کے بعد میں نے سارے کتوں کو بند کر دیا تھا...... اور پھر اس کے بعد انہیں کھولنا بھول گیا تھا۔"

"اوہ..... تب تو پھر آپ ہی کا کہنا درست ہوگا۔" حمید نے برآمدے سے اتر کر گیراج کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے بعد فریدی کی کار تیزی سے آرلکچو ہوٹل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر فریدی کو ایک بیرے کی زبانی معلوم ہوا کہ غزالہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور ابھی ابھی سو کر اٹھی ہے، فریدی سیدھا اس کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اُسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے ابھی تک خمار آلود تھیں اور جن میں پڑے ہوئے لال ڈوروں نے اُس کے حسن میں اضافہ کر دیا تھا۔ زلفیں بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھری ہوئی تھیں۔ چہرے کے سرخ و سپید رنگ میں کچھ کچھ سلونا پن آ گیا تھا۔

"آپ......؟" وہ متحیر ہو کر بولی۔ "آپ نے تو کہا تھا کہ اب ہم لوگ ایک دوسرے سے نہ ملیں گے۔"

"خیال تو یہی تھا...... لیکن اب میں نے اپنی سکیم بدل دی ہے۔" فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

غزالہ نے اُسے اپنی طرف اس طرح گھورتے دیکھ کر شرما کر سر جھکا لیا اور اپنی ساڑھی کا آنچل ٹھیک کرنے لگی۔

فریدی پس و پیش میں پڑ گیا کہ اُسے کیا کہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ اُسے دھوکا ہی دینے کی غرض سے گئی تھی تو اُسے غائب ہو جانا چاہئے تھا اور اگر لیونارڈ نے اس کی طرف سے اُسے مشکوک کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کو شک اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے خود اُسے ہی غزالہ کو غائب کر دینا چاہئے تھا۔ مگر نہیں...... شائد وہ غزالہ کو اسی طرح سزا دینا چاہتا تھا کہ پولیس والے اس پر شبہ کر کے اُسے گرفتار کر لیں۔ بہر حال یہ تو اس پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ لیونارڈ اس کے منصوبوں سے اچھی طرح آگاہ ہو گیا ہے۔

"تو پھر فرمایئے کیسے تکلیف کی۔" غزالہ نے کہا۔

"آپ سے اس بات کا مکمل ثبوت لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ نواب رشید الزماں کی صاحبزادی ہیں۔"

غزالہ چونک پڑی۔ وہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن رات تو آپ مطمئن ہو گئے تھے۔"

"میں نے دھوکا کھایا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" غزالہ نے بے بسی سے کہا۔

"آخر یک بیک آپ کے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ میں آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"بات ہی ایسی ہو گئی ہے۔ اگر آپ یہ نہ ثابت کر سکیں تو مجبوراً مجھے آپ کو حراست میں لینا پڑے گا۔"

حراست کا نام سن کر غزالہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔

"کیا کہا حراست......!" وہ گرج کر بولی۔ "آپ کی اوقات ہی کیا ہے۔ ایک معمولی انسپکٹر...... بدتمیز کہیں کے۔"

"فریدی مسکرانے لگا۔

"شہزادی صاحبہ...... میری اوقات تو اسی وقت آپ کو معلوم ہوگی جب آپ حوالات کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئیں گی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ذرا یہ کاغذ ملاحظہ فرمایئے۔"

"اس کا کیا مطلب؟" غزالہ کاغذ کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر بولی۔

"یہ ٹکڑا شہزادی صاحبہ کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا ہے۔" فریدی نے کہا۔ اچانک غزالہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"لیکن لیکن......!" وہ ہکلانے لگی...... "مجھ...... خدا کی قسم...... مم...... میں نہیں جانتی کہ یہ کاغذ کیسا ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ اور بھی عجیب بات ہے۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" غزالہ بے بسی سے بولی۔

"میری اوقات ہی کیا ہے کہ آپ مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے سے اچانک ایسا ظاہر ہونے لگا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہے۔

"اب آپ مجھے صرف ایک ہی طرح اطمینان دلا سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے......!" غزالہ جلدی سے بولی۔

"ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ راجروپ نگر چلئے...... اگر وہاں نواب وجاہت مرزا یا اُن کے لڑکے شوکت نے آپ کو پہچان لیا تو کیا کہنا ورنہ پھر میں جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔"

"منظور......!" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں چیخی۔

"اچھا تو جلدی سے تیار ہو جائیے۔"

"لیکن ایک شرط پر...... وہ یہ کہ آپ اُن پر یہ بات نہ ظاہر ہونے دیجئے گا کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔"

"اس کے متعلق بعد کو دیکھا جائے گا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے لباس تبدیل کیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔" غزالہ بولی۔

"یہی حال میرا بھی ہے۔ جیسے ہی یہ کاغذ مجھے ملا میں سیدھا آپ ہی کے پاس چلا آیا۔"

"اگر آپ وہیں بتا دیتے تو ہم لوگ ناشتہ کر کے روانہ ہوتے۔" غزالہ نے کہا۔

"خیر...... کوئی بات نہیں۔ پیٹر روڈ پر ایک اچھا ہوٹل ہے ہم لوگ وہیں ناشتہ کر لیں گے۔"

"میں بھی عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔" غزالہ بولی۔ "گئی تھی آپ سے مدد لینے الٹا مجرم خود ہی بن بیٹھی۔"

"گھبرائیے نہیں...... اگر آپ سچی ہیں تو آپ کو بچانے کے لئے میں اپنی جان تک دے دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر وہ سب بعد کی باتیں ہیں ابھی تو میں پریشانیوں میں مبتلا ہو ہی گئی ہوں۔"

"لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔

پیٹر روڈ پر پہنچ کر فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ ماڈھیا ہوٹل کی شاندار عمارت کے سامنے پہنچ کر دونوں کار سے اتر گئے۔

فریدی نے ناشتے کا آرڈر دیا۔ ناشتہ کر چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔

"اے بیرا......!" غزالہ نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بیرے کو آواز دی۔

"جی جناب......!"

"غسل خانہ کدھر ہے۔"

"اوپر صاحب...... زینے پر داہنے ہاتھ۔" بیرے نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"میں ابھی آئی۔" غزالہ نے فریدی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

فریدی بدستور ادھ کھلی آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھتا ہوا سگار کے کش لے رہا تھا۔ پانچ منٹ گزرے...... دس منٹ گزرے...... پندرہ، بیس، اور فریدی یک بیک اچھل پڑا۔ غسل خانے...... اور اتنی دیر...... وہ بے تحاشہ زینے کی طرف جھپٹا۔ غسل خانہ خالی تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے غسل خانے دیکھ ڈالے لیکن غزالہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس نے اُسے ڈھونڈ نکالنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تھک ہار کر وہ آرلیکچو واپس آ گیا۔

یہاں اس نے غزالہ کے کمرے کی تلاشی لی لیکن کوئی مشکوک چیز ہاتھ نہ لگی۔

گھر پر حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی نے واپسی پر اُسے سارا حال بتایا۔

"دیکھئے میرا خیال کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا۔" حمید چہک کر بولا۔

"کیا کہنے ہیں آپ کے......!" فریدی نے جل کر کہا۔

"ایک ڈاکو یا جاسوس ہمیشہ عورت ہی کے چکر میں پڑ کر مارا جاتا ہے۔"

"تمہیں باتیں بنانے کے سوا کچھ اور بھی آتا ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فرمایئے...... میرے لائق کوئی خدمت۔" حمید نے کہا۔

"آپ کے لائق سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ آپ ایسے موقعوں پر خاموش رہ کر مجھے سوچنے دیا کیجئے۔"

"بہت بہتر......!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر کسی مقام پر آپ سوچتے سوچتے ٹھہر جائیں تو مجھے یاد فرما لیجئے گا۔"

"بہت اچھا...... اب آپ تشریف لے جایئے۔"

حمید مسکراتا رہ گیا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے منصوبوں سے کسی کو بھی آگاہ نہ کرے گا۔ اُسے سخت حیرت تھی کہ آخر اس کی بنائی ہوئی اسکیموں سے لیونارڈ کس طرح واقف ہو جاتا ہے۔

نئی اسکیم

حمید فریدی کی عادات واطوار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُسے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اُس نے اور زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فریدی پر اس قسم کی سوچ کے دورے شاذ و نادر ہی پڑا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ ایسے ایسے بھیانک کام کر ڈالتا تھا کہ جن کے تصور ہی سے اچھے اچھوں کو اختلاج ہونے لگے۔

کھانے کے دوران میں بھی اُن دونوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی

دیر آرام کر کے دونوں دفتر روانہ ہو گئے۔

ابھی فریدی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ جیکسن کے یہاں طلبی ہوئی۔

"کیوں بھئی خیریت تو ہے آج تمہارا چہرہ بہت اترا ہوا ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"کیا بتاؤں...... آج بڑی گہری چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس کے بعد اُس نے سارے واقعات جیکسن کو بتا دیئے۔

"تم نے بہت سخت غلطی کی۔" جیکسن نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس لڑکی کو فوراً ہی حراست میں لے لینا چاہئے تھا۔ افسوس بہت اچھا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر وہ گرفتار ہو جاتی تو شاید لیونارڈ بھی نہ بچ سکتا۔"

"میں آپ سے ایک بار پھر عرض کروں گا کہ لیونارڈ کا گرفتار کر لینا ہنسی کھیل نہیں۔"

"خیر میں دنیا میں کسی بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتا۔" جیکسن نے کہا۔

"لیکن صاحب مجھے تو اس کی گرفتاری ناممکن ہی نظر آ رہی ہے۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" جیکسن نے متعجبانہ انداز میں کہا۔ "میں نے کبھی تمہارے منہ سے اتنے مایوسانہ انداز کے جملے نہیں سنے۔"

"پہلے کبھی اتنے بھیانک آدمی سے مقابلہ بھی نہیں ہوا۔"

"وہ کچھ ہی سہی۔" جیکسن نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کم از کم تمہارے منہ سے اس قسم کے جملے کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے۔"

"یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں اسی میں اپنی عاقبت سمجھتا ہوں کہ خاموشی سے بیٹھ رہوں۔"

"کیا مطلب......!" جیکسن نے چونک کر کہا۔ "کیا تم اس کیس سے ہاتھ اٹھانا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر اس پر میرے افسران راضی نہ ہوئے تو مجبوراً مجھے استعفیٰ دینا پڑے گا۔"

"بھئی آج تمہارے منہ سے بڑی عجیب عجیب باتیں سن رہا ہوں۔" جیکسن نے اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "آخر تمہیں خوف کس بات کا ہے۔"

"ذرا یہ تصویر ملاحظہ فرمائیے۔" فریدی نے اس کی طرف ایک تصویر بڑھادی۔

جیکسن تصویر دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی تصویر کی طرف۔

"یہ تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی بیوی ہے...... تو کیا تم......!"

"جی ہاں مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ اس بوڑھی عورت کے ساتھ۔"

"تو پھر اس کا مطلب کیا ہے۔" جیکسن نے حیرت سے کہا۔

"اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر میں نے اس کیس سے ہاتھ نہ اٹھایا تو لیونارڈ اس تصویر کی ایک کاپی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس بھجوا دے گا۔"

"یہ تمہیں ملی کیسے!" جیکسن نے پوچھا۔

فریدی نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پرنس عدنان کو مشکوک سمجھ کر حراست میں لے لینا چاہئے۔"

"یہ کام آسان نہیں...... ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ عراق کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

"کہیں وہی لیونارڈ نہ ہو۔" جیکسن جلدی سے بولا۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"اچھا کیوں نہ ان اخبار والوں کو پکڑ لیا جائے۔" جیکسن بولا۔

"ان کے خلاف بھی ہمارے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں۔"

"واقعی یہ معاملہ بہت ہی پیچیدہ ہے۔"

"اور اسی لئے میں معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" جیکسن نے کہا۔ "بس اس ایک تصویر سے ڈر گئے۔ ارے میاں ایسے معجزے تو ہر اچھا فوٹوگرافر دکھا سکتا ہے۔"

"لیکن ایک شوہر اسے ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر انگریز شوہر اتنے تنگ نظر نہیں ہوتے۔" جیکسن نے فخریہ انداز میں کہا۔

"نہ ہوتے ہوں لیکن اگر اسی طرح کسی ہندوستانی شوہر سے واسطہ پڑ گیا تو پھر میں کہیں کا نہ

رہوں گا۔"

"آخر تم ڈرتے کیوں ہو۔" جیکسن بولا۔ "میں تو موجود ہوں۔"

"نہیں صاحب...... بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنی ملازمت سے کچھ تنگ آ گیا ہوں۔"

"یہ اور بات ہے۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں تمہیں کسی طرح اس کی رائے نہ دوں گا کہ تم اس معاملے کو ادھورا ہی چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ اس سے تمہارے سابقہ کارناموں پر بھی خاک پڑ جائے گی۔"

"صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔

"اپنی تفتیش جاری رکھو۔ اگر تم نے یہ معرکہ سر کیا تو ساری دنیا میں تمہارا نام ہو جائے گا۔"

"یہ لالچ میرے لئے کم نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "خیر میں کوشش کروں گا۔ ویسے مجھے کامیابی کی ایک فیصدی بھی امید نہیں۔"

"تم نواب رشید الزماں سے مل کر اس چیز کی تصدیق کیوں نہیں کرتے کہ کیا تمہیں دھوکا دینے والی درحقیقت اس کی لڑکی ہی تھی۔"

"میرے خیال سے تو یہ بالکل بے سود ہوگا کیونکہ اس قسم کی کوئی بھی لڑکی اپنا صحیح پتہ و نشان نہیں بتا سکتی۔"

"تمہارا یہ خیال بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔" جیکسن نے کہا۔ "پھر آخر اب کیا کرو گے۔"

"نیو اسٹار کے دفتر کی نگرانی۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بات اب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے کہ لیونارڈ اسی اخبار کے ذریعہ اپنا جال پھیلا رہا ہے۔"

"پہلے میں بھی اسے تمہارا شبہ سمجھا تھا۔" جیکسن بولا۔ "لیکن اب مجھے بھی کچھ کچھ یقین آ چلا ہے۔"

"لیکن میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ اس طرح بھی ہم لیونارڈ کو نہ پا سکیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے کچھ ایجنٹ گرفتار ہو جائیں۔ وہ خود معلوم نہیں کس تہہ خانے میں بیٹھا اپنا کام کیا کرتا ہے۔"

"بہر حال کچھ بھی ہو تمہیں ہمت نہ ہارنی چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

"سچ پوچھئے تو میں آپ ہی کے ہمت دلانے پر اب تک ڈٹا ہوا ہوں۔ ورنہ کبھی کا الگ ہو گیا ہوتا۔"

"بات یہ ہے کہ میں تمہیں ساری دنیا میں مشہور دیکھنا چاہتا ہوں۔" جیکسن نے کہا۔

"شکریہ......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اب میں تین چار دن تک آفس نہ آسکوں گا۔"

"کیوں......!" جیکسن نے چونک کر کہا۔

"میں نیو اسٹار کے دفتر کے کونے کونے سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن تم وہاں کس حیثیت سے رہو گے۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ بھی بتا دو تاکہ وہاں تمہاری حفاظت کی جاسکے۔"

"میں وہاں معمولی مزدور کے بھیس میں رہوں گا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"گھنی سفید ڈاڑھی...... پھولی ہوئی ناک اور ماتھے پر گہرے زخم کا نشان۔"

جیکسن نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور فریدی اٹھ کر چلا گیا۔

اُسی دن....رات کو فریدی گھر پر سرجنٹ حمید کو ہدایت دے رہا تھا۔

"میرے بتائے ہوئے حلئے کے بوڑھے کے بھیس میں تمہیں نیو اسٹار کے دفتر میں رہنا ہو گا اور اس وقت تک تم وہاں موجود رہو گے جب تک کہ تمہیں وہاں سے ہلایا نہ جائے۔" فریدی نے کہا۔

اس نے حمید کو اپنی اسکیم کی ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"لیکن میں وہاں کھپوں گا کیسے۔" حمید نے کہا۔ "اگر اس شکل کا وہاں کوئی اور ہو تو۔"

"اگر وہاں اس شکل کا کوئی اور آدمی نہ ہوتا تو میں یہ پروگرام ہی نہ بناتا۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اُس آدمی کو وہاں جانے سے کیسے روکئے گا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی...... وہ سب میں کر لوں گا۔ اچھا تم فوراً تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں اس شخص سے ملانا چاہتا ہوں تاکہ تم اچھی طرح اس کی صورت ذہن نشین کر لو۔"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں شہر کے ایک گھٹیا سے شراب خانے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ شراب خانہ بھی تھا اور ہوٹل بھی۔ باہر سے آئے ہوئے کم حیثیت مسافروں کے لئے یہاں سستے

کمرے بھی مل جاتے تھے۔

فریدی اور حمید کو دیکھتے ہی ہوٹل کا منیجر لیک کر اُن کے قریب آگیا۔

"کہئے حضور خیریت تو ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"میرے کمرے کی کنجی......!" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں فضلو کو بھیج دینا۔"

منیجر نے فریدی کو ایک کنجی لا کر دی۔ فریدی اور حمید زینے طے کر کے ایک بند کمرے کے سامنے آکر رک گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔ فریدی نے دیا سلائی جلا کر ایک طاق پر رکھی ہوئی موم بتی روشن کر دی۔

"یہ آپ کا کمرہ ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں ایسے بہتیرے کمرے میں نے شہر کے مختلف حصوں میں لے رکھے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور مجھے ان کا علم نہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"ہاں......یونہی موقع پڑنے پر تمہیں بھی رفتہ رفتہ ان کا علم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو ہوٹل کا منیجر کون ہے۔"

"نہیں......!"

"ایک بدمعاش......اور نمبر دس کا آدمی۔ مگر ہے بڑے کام کا۔" فریدی نے کہا۔

زینے پر آہٹ سنائی دی اور چند ہی لمحوں کے بعد ایک بوڑھا کمرے میں داخل ہوا اور سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"فضلو تم نیو اسٹار ہی کے پریس میں کام کرتے ہو نا۔" فریدی نے کہا۔

"جی حضور......!"

"اچھا دیکھو تمہیں کچھ دن تک اسی کمرے میں رہنا ہو گا......اور یہ تمہارے بھیس میں تمہارا کام کریں گے۔"

"ارے حضور کوئی خاص کام ہو تو مجھے ہی بتایئے۔" بوڑھا بولا۔

"نہیں تم نہ کر سکو گے۔"

"جیسی حضور کی مرضی۔" بوڑھے نے کہا۔ "ایک گھنٹے کے بعد مجھے کام پر جانا ہو گا۔ آج کل نائٹ ڈیوٹی میں ہوں۔"

"اچھا حمید تم تیار ہو جاؤ...... میں ابھی تمہیں فضلو بنائے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کمرے میں رکھے ہوئے ایک بڑے صندوق کو کھول کر اس میں بھیس بدلنے کا سامان نکالنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے میں ایک ہی شکل کے دو بوڑھے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا باہر چلا گیا اور دوسرا وہیں کھڑا رہا۔

"ہاں تو فضلو جب تک تمہیں میری طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تم یہیں اس کمرے میں رہنا۔ میں نے مناسب انتظام کر دیا ہے۔ تمہاری ضروریات کی ساری چیزیں یہیں پہنچتی رہیں گی۔"

اب فریدی نے بھی بھیس بدلنا شروع کیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد اس کی جگہ پر ایک ادھیڑ عمر کا ملٹری آفیسر کھڑا سگار پی رہا تھا۔

فضلو اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"فضلو مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے پھر کوکین کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب سرکار سے کیا پردہ۔" فضلو نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "پولیس کی نوکری میں اتنا نہیں ملتا جس سے پیٹ پل سکے۔ مہینے میں سو روپیہ تو صرف بال بچوں کے لئے گاؤں بھیج دینا پڑتا ہے۔"

"خیر لیکن...... اس بات کا خیال رکھنا کہ معاملہ میرے ہاتھ تک نہ پہنچنے پائے ورنہ میں مجبور ہو جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ارے نہیں سرکار...... زیادہ نہیں، بس دھیلے دمڑی کا روزگار ہو جاتا ہے۔" فضلو نے سر ہلا کر کہا۔

"خیر تم لوگوں کا دھیلا دمڑی میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔

فضلو دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

"اچھا اب میں چلا...... دیکھو جو کچھ سمجھا دیا ہے اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔"

"مجال ہے سرکار...... اس کے خلاف ہو جائے۔ آپ کے لئے جان بھی جائے تو حاضر ہے۔" فضلو نے کہا۔

فریدی ملٹری آفیسر کے بھیس میں ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکائے باہر آیا اور ٹیکسی کر کے ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

چڑچڑا نواب

دو گھنٹے کا سفر طے کر کے فریدی داراب نگر کے اسٹیشن پر اترا۔ رات کے تقریباً دس بج چکے تھے۔ اسٹیشن پر اسے ایک پھٹیچر سی ٹیکسی دکھائی دی وہ اس میں بیٹھا اور نواب رشید الزماں کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

نواب صاحب ایک بہت بڑے جاگیردار تھے اور پرلے سرے کے کنجوس۔ ان کی بے شمار دولت کی کہانیاں دور دور تک مشہور تھیں۔ بہتیروں کا یہاں تک خیال تھا کہ نواب صاحب نے اتنی دولت جو کی روٹیاں کھا کھا کر جمع کی ہے۔ ان کے اور لواحقین تو شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، مگر خود انتہائی سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ آج دوپہر ہی سے وہ کسی خاص الجھن میں مبتلا تھے۔ بات بات پر لوگوں سے الجھ جاتے تھے۔ اس وقت وہ بے چینی کے ساتھ دیوان خانے میں ٹہل رہے تھے۔

اچانک ایک ملازم طشتری میں کسی کا ملاقاتی کارڈ لایا اور میز پر رکھ کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

"ہوں......!" نواب صاحب نے کارڈ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کرنل ای۔ ایم خان لاحول ولا قوۃ...... یہ بھی کوئی ملنے کا وقت ہے۔ جاؤ بھیج دو۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی کرنل خان کے بھیس میں دیوان خانے میں داخل ہوا۔

نواب صاحب نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ پیدا کر کے خوش اخلاق بننے کی کوشش کی۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تشریف رکھیے۔"

"میں ایک بہت ہی خاص کام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"فرمائیے۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"میں بہت دور سے آیا ہوں...... ذرا دم لے لوں تو عرض کروں۔" فریدی نے آرام کرسی پر تقریباً لیٹتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب کی بھنویں تن گئیں۔ لیکن انہوں نے پھر فوراً ہی اپنے چہرے پر ملائمیت کے آثار پیدا کر لئے۔ انہوں نے گھنٹی بجائی۔ ایک نوکر آیا۔

"کچھ پیجئے گا۔" نواب صاحب نے فریدی سے پوچھا۔

"صرف پانی......!" فریدی نے جواب دیا اور نوکر چلا گیا۔

پانی پی چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا۔

"ہاں اب فرمایئے۔" نواب صاحب بے تابی سے بولے۔

"انہیں پہچانتے ہیں آپ......!" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر نواب صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب نے جیسے ہی تصویر ہاتھ میں لی اُن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ فریدی کو گھورنے لگا۔

"آپ ٹھہریئے...... میں ابھی آکر اس کا جواب دیتا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا اور دیوان خانے سے چلے گئے۔ فریدی سگار کا کش لیتا ہوا دیوان خانے کی دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب واپس آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ فریدی چونک پڑا۔ لیکن اس نے اپنے اطمینان میں فرق نہ آنے دیا۔

"ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "اور تم جیسے بدمعاشوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری موت تمہیں یہاں لائی ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"تم ہنس رہے ہو...... لیکن یاد رکھو اس کے لئے تمہارے گھر والوں کو رونا پڑے گا۔" نواب صاحب نے اسی انداز میں کہا۔

"معلوم نہیں آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تم اس طرح مجھ سے روپیہ نہیں اینٹھ سکتے۔"

"اوہ سمجھا......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔"

"اچھا اب کوئی دوسری چال چلنے والے ہو۔" نواب صاحب چیخ کر بولے۔ "دیکھو یہاں

بڑے بڑے سرکشوں کی لاشیں دفن ہیں۔"

"چلئے یہ دوسری بات معلوم ہوئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اب کی تم ہنسے اور میں نے گولی چلائی۔" نواب صاحب نے جھلا کر کہا۔

"اور پھر کل اس عمارت کا چپہ چپہ پولیس سے بھرا ہوگا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ گیدڑ بھبکی کسی اور کو دینا مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔"

"اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے کرنل خان نہیں کہتے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"وہ تو میں پہلے ہی سے جانتا ہوں۔" نواب صاحب نے تند لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کچھ نہیں جانتے۔" فریدی نے اپنی جیب سے دوسرا کارڈ نکال کر نواب صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا......؟"

"میرا دوسرا ملاقاتی کارڈ......!"

"بس بس رکھے رہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تم اس وقت تک میری قید میں رہو گے جب تک میری لڑکی مجھے واپس نہ مل جائے۔"

"تو کیا آپ کو اطلاع مل گئی۔" فریدی نے کہا۔

"بکو مت......!" نواب صاحب چیخے۔

فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اس سر پھرے کو کس طرح راہِ راست پر لائے۔ نواب صاحب کا غصہ دیکھ کر اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ کہیں سچ مچ گولی نہ چلا دے۔ اچانک وہ لیٹے ہی لیٹے اچھلا اور دوسرے لمحے میں نواب صاحب کا ریوالور اسکے ہاتھ میں تھا اور خود نواب صاحب زمین پر۔

"اگر ذرا بھی آواز نکالی تو خاتمہ ہی سمجھو۔" فریدی نے دبی آواز میں کہا۔ "میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر فریدی ہوں۔"

"یہ جھوٹ ہے...... سراسر جھوٹ۔" نواب صاحب نے کہا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ آہستہ بولئے۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ وہ ابھی تک زمین پر پڑے فریدی کے ہاتھ میں دبے ہوئے

ریوالور کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اٹھ کر بیٹھ جائیے۔" فریدی نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب بدمعاشوں نے آپ کو دھمکی دی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "غزالہ بیچاری پہلے میرے ہی پاس مدد کے لئے گئی تھی۔ بدمعاشوں کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے اسے غائب کر دیا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں کہ تم فریدی ہو۔" نواب صاحب نے مضمحل آواز میں کہا۔

"آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے تو اپنا کام کرنا ہی ہے۔" فریدی نے کہا "اور یہ بھی آپ کو بتادوں کہ خفیہ پولیس کو آپ کی لڑکی پر شبہ ہو گیا ہے کہ وہ مجھے دھوکا دینے آئی تھی۔"

"بھلا وہ کیوں تمہیں دھوکا دینے لگی۔" نواب صاحب نے کہا۔

فریدی نے مختصراً انہیں سارا واقعہ بتادیا۔

"اچھا ہے وہ کم بخت انہیں کی قید میں مر جائے۔ اس نے خاندان کی عزت پر بٹہ لگادیا۔" نواب صاحب بولے۔

"اول تو وہ بے قصور ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اگر اس معاملے کی تہہ میں واقعی کوئی بات ہے تو اس کے سوفیصدی ذمہ دار آپ ہیں۔ آپ نے اُسے کیوں اتنی آزادی دی تھی کہ وہ ایک نوجوان پرائیویٹ سیکریٹری کے ساتھ سوئٹزرلینڈ گئی؟"

"ہاں میرا ہی قصور ہے۔" نواب صاحب نے مضمحل آواز میں کہا۔ "لیکن تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو کہ وہ بے قصور ہے۔"

"وہ تصویر محض روپیہ اینٹھنے کے لئے کھینچی گئی ہے۔ غزالہ ایک تفریح گاہ میں کسی وجہ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ پرائیویٹ سیکریٹری اُسے اٹھا کر گاڑی کی طرف لا رہا تھا کہ کسی نے اسی حالت میں دونوں کی تصویر لے لی۔"

"خدا کرے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" نواب صاحب بے ساختہ بولے۔

"آپ نے یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ کا نام سنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں اس دوران میں اُس کے واقعات اخبار میں دیکھا کرتا تھا۔"

"تو یہ حرکت اسی کی ہے۔ آج کل وہ ہندوستان آیا ہوا ہے اور ہم لوگ اُسے گرفتار کرلینے کی فکر میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ تم فریدی ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "کیونکہ میں نواب وجاہت مرزا کی زبانی سن چکا ہوں کہ فریدی جوان آدمی ہے اور شاید میں نے آپ کی تصویر بھی ڈاکٹر شوکت کے البم میں دیکھی تھی۔"

"یہ بات ہے تو مجھے بہت ہی پوشیدہ مقام پر لے چلئے...... میں آپ کو اپنی شکل بھی دکھا دوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور ریوالور نواب صاحب کو واپس کر دیا۔

نواب صاحب اُسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ۔" نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی ان کے پیچھے چل پڑا۔

ایک چھوٹے سے خوبصورت اور عمدگی کے ساتھ سجائے ہوئے کمرے میں پہنچ کر نواب صاحب نے دروازہ بند کر لیا۔

"ذرا تھوڑا سا پانی منگوایئے۔" فریدی نے کہا۔

"پینے کے لئے۔" نواب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

نواب صاحب خود باہر چلے گئے اتنی دیر میں فریدی نے اپنا میک اپ بگاڑ دیا۔

واپسی پر نواب صاحب دروازے ہی پر ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے......!" ان کی زبان سے نکلا اور فریدی نے بڑھ کر پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"وہی...... بالکل وہی۔" نواب صاحب بڑبڑائے۔ "میں نے تمہاری تصویر غور سے دیکھی تھی۔ واقعی تم فریدی ہو...... بیٹھو...... بیٹھو۔"

فریدی مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

"بھئی معاف کرنا میں نے تمہیں نادانستگی میں کافی بُرا بھلا کہا ہے۔" نواب صاحب نے معذرت کی۔

"اور میں نے بھی تو محض جان جانے کے ڈر سے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے، جس کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں...... کوئی بات نہیں۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔ "جس وقت مجھے بدمعاشوں کا خط اور غزالہ کی تصویر ملی تھی میرے دل میں سب سے پہلے تمہارا ہی خیال آیا تھا کہ کیوں نہ تم سے مدد لوں۔"

"بہر حال میں حاضر ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"مگر واقعی تم بہت دلیر ہو...... جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔"

"سب آپ بزرگوں کی دُعائیں ہیں۔"

"مجھے وجاہت مرزا کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ تم نواب عابد علی خاں مرحوم کے لڑکے ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "مرحوم میرے کلاس فیلو تھے اور میرے دور کے عزیز بھی ہوتے تھے۔ ارے بھئی تم اپنے ہی بچے ہو۔"

"اس رشتے پر مجھے مزید خوشی ہوئی۔" فریدی نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم محض شوق کی بناء پر اس محکمے میں کام کر رہے ہو۔ تمہارے والد مرحوم کو بھی سراغ رسانی کا بڑا شوق تھا...... آخر کیوں نہ ہو انہیں کے تو لڑکے ہو۔"

فریدی کو خوف معلوم ہوا کہ کہیں اب نواب صاحب والد مرحوم کی سراغ رسانی کا کوئی واقعہ نہ سنانے لگیں، اس لئے وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں تو ذرا وہ خط مجھے بھی دکھائیے۔" فریدی نے کہا۔

"میں ابھی لایا۔" کہہ کر نواب صاحب کمرے سے چلے گئے۔

چند منٹ بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ اُس میں ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا اور ایک تصویر ویسی ہی تھی جیسی غزالہ نے فریدی کو دکھائی تھی۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"نواب صاحب!

اپنی بیٹی کے کرتوت ملاحظہ فرمائیے۔ بے شمار تصویروں میں سے ایک روانہ ہے۔ آپ غالباً اس آدمی کو بھی پہچانتے ہوں گے۔ یہ تصویریں سوئٹزر لینڈ میں لی گئی تھیں۔ میں نے ان

تصویروں کی قیمت بیس لاکھ روپیہ رکھی تھی۔ آپ کی صاحب زادی بجائے اس کے آپ سے مشورہ کرتیں، خفیہ پولیس کے پاس جا پہنچیں۔ حالانکہ انہیں اس معاملے میں کافی محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مجبوراً ہمیں انہیں گرفتار کر لینا پڑا۔ اگر آپ اپنی بیٹی کی واپسی ان تصویروں سمیت چاہتے ہیں تو کل رات کے نو بجے مطلوبہ رقم کے ساتھ شہر آیئے اور وکٹوریہ پارک میں وکٹوریہ کے بت کے پیچھے ملئے۔ آپ کو تصاویر مع نگیٹو واپس مل جائیں گی اور آپ کی صاحبزادی بھی رہا کر دی جائیں گی۔ مگر واضح رہے کہ اگر آپ نے بھی کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ کی جان بھی جا سکتی ہے اور آپ کی صاحب زادی کی عزت بھی۔ روپیہ ہمیں کل ملنا چاہئے، ورنہ دیر ہونے کی صورت میں پھر آپ کو موجودہ رقم کا ڈیڑھ گنا ادا کرنا پڑے گا۔ جب آپ مطلوبہ رقم لے کر آئیں تو آپ کو تنہا ہونا چاہئے۔ ایک بار پھر متنبہ کیا جاتا ہے کہ کافی احتیاط سے کام لیا جائے۔"

فریدی خط پڑھ کر کچھ دیر تک خیالات سے الجھا رہا پھر دفعتاً بولا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کو آپ کی صاحب زادی کی بے گناہی پر مبارک باد دیتا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بدمعاشوں کے پاس اس تصویر کے علاوہ اور کوئی دوسری تصویر نہیں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"یہی تصویر مجھے غزالہ خانم نے بھی دکھائی تھی اور یہی تصویر انہیں سوئٹزر لینڈ میں بھی ملی تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ بدمعاشوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی تصویر نہیں اور اس کا سو فیصدی مطلب یہی ہے کہ اس تصویر کے بارے میں غزالہ خانم کا بیان صحیح ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ "مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ غزالہ لاکھ آزاد خیال سہی، مگر وہ اتنا نہیں گر سکتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گلوخلاصی کس طرح ہو۔ بیس لاکھ روپیہ کم از کم میرے بس کی بات نہیں۔"

"کوشش تو یہی کی جائے گی کہ یونہی کام چل جائے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں نے بھی یہ خط دیکھ کر جو اسکیم بنائی ہے اس کے تحت آپ کو کافی محتاط رہنا پڑے گا۔"

"وہ کس طرح۔" وہ بے چینی سے بولے۔

"میں آپ کا بھیس بدل کر جاؤں گا...... اور آپ کو یہاں اس وقت تک بند رہنا پڑے گا جب تک کہ میری طرف سے آپ کو کوئی اطلاع نہ ملے۔ آپ کو یہاں اس طرح چھپے رہنا پڑے گا کہ محل کے کسی فرد کو بھی آپ کی موجودگی کا علم نہ ہو سکے۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

"اچھی طرح سمجھ گیا...... لیکن اگر بدمعاشوں کو اس کا علم ہو گیا تو کیا ہو گا۔ وہ لوگ کافی چالاک معلوم ہوتے ہیں۔"

"اول تو انہیں علم ہی نہ ہونے پائے گا کیونکہ میں اس کے لئے شہر میں اچھا خاصا جال بچھا کر آیا ہوں۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور اگر انہیں علم ہو بھی گیا تو کوئی اور صورت نکل جائے گی۔"

"بہر حال بھئی اب تم جانو...... میں تو کافی مطمئن ہو گیا ہوں۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ جب شہر جاتے ہیں تو کس ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"گرین میں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"تو غزالہ کب تک یہاں پہنچ جائے گی۔" نواب صاحب بولے۔

"اس کے متعلق میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جب آپ کو مبارک باد کا کوئی تار ملے تو سمجھ لیجئے گا کہ غزالہ محفوظ ہے اور میں خود اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔ اس عرصے میں آپ کو قطعی خاموش رہنا پڑے گا۔ آپ شہر آ کر مجھ سے ملنے کی بھی کوشش نہ کیجئے گا۔"

"بہت اچھا...... جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا ہی کروں گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"تو کیا تم صبح ہی جاؤ گے۔"

"جی ہاں......!" فریدی بولا۔ "اور اس وقت میں ساری تیاریاں مکمل کر لوں گا۔ فی الحال آپ مجھے اپنے لباس کے چند وہ جوڑے عنایت فرمائیے جنہیں آپ عام طور پر پہنا کرتے ہیں اور دو بڑے سوٹ کیس بھی۔ ایک میں کپڑے رکھوا دیجئے اور دوسرا خالی رہنے دیجئے۔"

"بہت اچھا...... میں ابھی جا کر انتظام کرتا ہوں۔" نواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ٹھہریئے...... ان انتظامات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے۔"

"ہرگز نہیں...... تم اطمینان رکھو۔"

نواب صاحب چلے گئے اور فریدی نے صوفے پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

شکار

دوسرے دن صبح فریدی نواب رشید الزماں کے بھیس میں محل سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر پہنچ کر اس نے ٹیکسی کی اور گرین ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کا منیجر شاید نواب رشید الزماں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اس نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس بار اس طرح تنہا آنے پر اظہار تعجب کرتے ہوئے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

دن بھر فریدی ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ شام ہوتے ہی وہ پھر ہوٹل واپس آ گیا۔ اس دوران میں اس نے کئی بار محسوس کیا کہ ایک آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور یہ شخص پرنس عدنان تھا۔ فریدی دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ اس چیز سے اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ لیونارڈ کے پاس اس خاص کام کے لئے شاید یہی ایک آدمی ہے۔ اُس نے اس معاملے میں زیادہ راز دار نہیں بنائے۔ اس خیال کے آتے ہی اُسے اپنی کامیابی اور زیادہ یقینی معلوم ہونے لگی۔

تقریباً آٹھ بجے وہ ایک سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے ہوئے ہوٹل کے باہر آیا اور ٹیکسی کر کے وکٹوریہ پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔

پارک میں بالکل سناٹا تھا۔ سردی اتنی پڑ رہی تھی کہ پارک میں اس وقت رکنے کی ہمت کرنا آسان کام نہ تھا۔ فریدی ایک کنج میں گھرے ہوئے وکٹوریہ کے بت کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا اور ایک سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔ تقریباً نو بجے اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دیا اور وہ

سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آنے والے نے اپنے کوٹ کے کالر سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کے انداز سے پتہ لگا لیا کہ وہ پرنس عدنان ہے۔ فریدی یونہی لاپرواہی سے سگریٹ پیتا رہا۔

پرنس عدنان اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔

"لوگوں نے اس پارک کو بھی عیاشی کا اڈہ بنا لیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے اتنی رات گئے یہاں۔"

اس نے یہ سب اس انداز میں کہا جیسے وہ کوئی پولیس آفیسر ہے۔

"کہئے جناب آپ کون ہیں...... اور اس وقت یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"میں ابھی بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟" عدنان نے کہا۔ "یہ اسی وقت تمہاری سمجھ میں آئے گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ ابھی کل ہی یہاں پر ایک نوجوان لڑکی بے ہوش پائی گئی ہے...... کم بختوں نے عیاشی کا اڈہ بنا لیا ہے اس پارک کو۔"

"مم...... میں......!" فریدی ہکلانے لگا۔ "میں...... مم...... مسافر ہوں۔"

"مسافر ہو تو کسی ہوٹل وغیرہ میں جاؤ...... یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔" پرنس عدنان نے کہا۔

"کیا بتاؤں صاحب...... اسٹیشن پر جیب کٹ گئی۔" فریدی نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اس وقت کہاں جاؤں۔"

پرنس عدنان ہنسنے لگا۔

"بہت اچھے نواب رشید الزماں صاحب۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "آپ اپنی لڑکی سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔"

"کہئے رقم لائے ہیں۔"

"میری بیٹی کہاں ہے۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"گھبرائیے نہیں...... وہ آپ تک بحفاظت تمام پہنچ جائے گی۔ تصویریں نگیٹو سمیت میں اپنے ساتھ ہی لیتا آیا ہوں...... لڑکی آپ کو اس وقت ملے گی جب ہم لوگ روپیہ گن کر

اطمینان کر لیں گے۔"

"اگر میری لڑکی کو ذرہ برابر بھی ضرر پہنچا تو یاد رکھنا کہ بیس لاکھ کے بجائے تم لوگوں سے چالیس لاکھ وصول کر لوں گا۔ ابھی تم لوگ مجھے نہیں جانتے۔"

فریدی نے کہا اور سوٹ کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔ پرنس عدنان نے سوٹ کیس ہاتھ میں لے کر تولا اور پھر زمین پر رکھ دیا۔

"اس میں ہزار ہزار کے نوٹ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا...... یہ لیجئے تصویریں......!" پرنس عدنان نے فریدی کے ہاتھ میں ایک لفافہ دے دیا۔ فریدی نے تصویریں نکال کر دیکھیں ان میں نگیٹو بھی موجود تھا۔ اس نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ تم نے ساری تصویریں دے دیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے کہ ہم لوگ معاملے کے پکے ہیں۔" پرنس عدنان نے سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم لوگ کس طرح یقین کر لیں کہ اس سوٹ کیس میں پوری رقم ہے۔"

"اس کا تو تمہیں یقین ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں جب کہ میری لڑکی تم لوگوں کی قید میں ہے میں تمہیں کس طرح دھوکا دے سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ بات قاعدے کی ہے۔" پرنس عدنان نے کہا۔ "اچھا کل شام تک آپ کی لڑکی بحفاظت تمام آپ تک پہنچ جائے گی۔"

پرنس عدنان جانے کے لئے مڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا۔ پرنس عدنان نے اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کی لیکن فریدی نے دو تین بار اس کا سر سنگ مرمر کے اس چبوترے سے ٹکرا دیا جس پر وکٹوریہ کا بت نصب تھا۔

پرنس عدنان بیہوش ہو گیا۔

دو گھنٹے کے بعد فریدی اسی شراب خانے کے ایک تہہ خانے میں نظر آیا۔ جہاں وہ داراب نگر کے لئے روانہ ہوا تھا۔ وہ شراب خانے کے منیجر کی مدد سے بے ہوش پرنس عدنان کو ایک ستون میں باندھ رہا تھا۔

"انسپکٹر صاحب...... واقعی آپ بھی بلا کے آدمی ہیں۔" شراب خانے کا منیجر بولا۔

"اگر میں بلا کا آدمی نہ ہوتا تو شاید تمہارے ہاتھوں مجھے قبر میں سونا پڑتا۔" فریدی نے مُ
کر کہا۔

"اس میں شک نہیں۔" منیجر نے کہا۔ "اگر آپ کی بجائے کوئی اور ہوتا تو اس کا یہی انجا
ہوتا مگر آپ کو تو استاد کہہ ہی چکا ہوں۔"

"اچھا میرے شاگرد...... لیکن تم نے اب بہت بے دردی سے ناجائز شراب بیچنی شر
کر دی ہے۔ ذرا احتیاط سے۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ سوائے آپ کے اور کوئی ایسا نہیں کہہ سکتا۔" منیجر نے سینے پر ہاتھ
مارتے ہوئے کہا۔

"یہی مطلب تھا۔" فریدی نے کہا اور پرنس عدنان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" منیجر نے کہا۔

"معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ سلجھ جانے کے بعد بتاؤں گا...... لیکن تم اس کی اچھی طر
حفاظت کرنا یہ نکل کر نہ جانے پائے ورنہ نتیجہ کے تم ذمہ دار ہو گے۔"

"ارے بھلا ایسی کیا بات ہے...... یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔" منیجر نے کہا۔

پرنس عدنان ہوش میں آ گیا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"نواب رشید الزماں نے مجھے دھوکا دیا۔" پرنس عدنان انگریزی میں بڑبڑایا۔

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔" فریدی نے اردو میں کہا۔

"میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا...... کیا تم انگریزی میں بات نہیں کر سکتے۔" عدنا
نے کہا۔

"میری زبان تو تم ایسی سمجھتے ہو جیسے کہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم کہو تو تمہار
مادری زبان گجراتی میں گفتگو کروں۔"

پرنس عدنان چونک پڑا۔

"چونکو نہیں مسٹر جمشید...... تم دوسروں کی آنکھ میں دھول جھونک سکتے ہو میری آ
میں نہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" عدنان غصے میں بولا۔ "تم عراق کے ایک
شہزادے کی توہین کر رہے ہو۔ تمہاری حکومت کو اس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو مسٹر جمشید۔" فریدی انگریزی میں بولا۔ "ہماری حکومت عرصہ سے
تمہاری تاک میں ہے۔"

"کیا بکواس ہے...... کون جمشید...... کیسا جمشید...... تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"جناب...... مجھے تو عموماً غلط فہمی ہی ہوا کرتی ہے۔ تم سمجھے تھے کہ شاید میں تمہاری اس
تصویر والی دھمکی سے ڈر کر تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔ مجھے فوراً کھول دو، ورنہ اچھا نہ ہو گا۔" عدنان چیخ کر بولا۔

"اگر میں تمہیں یہاں سے رہا بھی کر دوں تو شبے کے تحت تمہیں حوالات میں رہنا پڑے گا۔
تم کیا سمجھتے ہو...... میرے پاس تمہارے سیاہ کارناموں کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور تمہاری
انگلیوں کے نشانات بھی جو میں نے اس کاغذ سے حاصل کئے تھے، جو تم چھپنے کے لئے نیو اسٹار کے
دفتر میں دے آئے تھے۔"

عدنان کے چہرے پر پسینہ پھوٹ آیا۔

"سب بکواس ہے۔" وہ پھر چیخا۔

"خیر بکواس ہی سہی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بتاؤ لیونارڈ کہاں ہے۔"

لیونارڈ کے نام پر پرنس عدنان بُری طرح چونک پڑا اور حیرت سے فریدی کو گھورنے لگا۔

"اس طرح گھورنے سے کام نہ چلے گا۔ یہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس
وقت تم حکومت کی حراست میں نہیں بلکہ ذاتی طور پر براہِ راست میری حراست میں ہو۔ میں اس
راز کو اگلوانے کے سلسلے میں تمہیں قتل کر دینے سے بھی گریز نہ کروں گا۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے سفاکانہ آثار پیدا ہو گئے۔ جنہیں دیکھ کر شراب خانے کا
منیجر کانپ گیا۔

"انگیٹھی میں کوئلے دہکاؤ۔" فریدی نے منیجر کی طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر۔" کہہ کر منیجر چلا گیا۔

"میں لوہا سرخ کر کے تمہارے جسم پر اتنے داغ ڈالوں گا کہ سیاہ ہو کر رہ جاؤ گے۔" فریدی

نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں...... میری حکومت......!"

"چپ رہو حکومت کے بچے۔" فریدی گرج کر بولا۔ "جو میں پوچھتا ہوں اس کا صحیح جواب دو، ورنہ ابھی ساری حقیقت معلوم ہو جائے گی۔"

"میں نہیں جانتا۔" عدنان نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنی دیر میں منیجر دہکتی ہوئی انگیٹھی لے کر آ گیا۔

"اس میں سرخ ہونے کے لئے لوہے کی ایک سلاخ ڈال دو۔" فریدی نے منیجر سے کہا۔

عدنان سر سے پیر تک کانپ اٹھا۔

فریدی سرخ ہوتی ہوئی سلاخ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ سلاخ کے سرخ ہو جانے پر فریدی اُ[سے] انگیٹھی سے نکال کر آہستہ آہستہ عدنان کی طرف بڑھنے لگا۔

"میں مجرم ہوں...... مگر تمہیں اس کا حق حاصل نہیں۔" عدنان خوف زدہ آواز میں چی[خا]

"یہاں اس تہہ خانے میں مجھے ہر طرح کا حق حاصل ہے۔" فریدی نے بے دردی سے اور جلتی ہوئی سلاخ اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ عدنان بلبلا اٹھا اور شراب خانے کا منیجر منہ پھیر[کر] دوسری طرف ہٹ گیا۔

"میں تمہیں اسی طرح داغ داغ کر دوں گا۔"

"لیکن تمہاری یہ حرکت بے ضابطہ ہے۔" عدنان اپنی مادری زبان گجراتی میں چیخا۔

"شاباش میرے بیٹے۔ آخر تم عدنان سے جمشید ہو ہی گئے۔ اب جلدی سے یہ بھی بتا دو کہ لیونارڈ کہاں ہے۔" فریدی نے سلاخ کو دوبارہ انگیٹھی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم......!"

"پھر وہی......!"

"مقدس آگ کی قسم میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"اب میں تمہیں کسی طرح یقین نہیں دلا سکتا۔" عدنان نے جلتے ہوئے نشانات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اس کے احکامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔"

"ٹرانسمیٹر کے ذریعے۔"

"ٹھیک.... اچھا یہ بتاؤ کہ جس عمارت میں تم رہتے ہو، اس میں ٹرانسمیٹر کہاں لگا ہوا ہے۔"

"میرے سونے کے کمرے میں۔"

"تمہارے ملازمین کو تمہاری حرکات کی اطلاع ہے یا نہیں۔"

"صرف ایک کو۔"

"اس کا نام کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"راجو......!"

"تم لوگوں کا اس مکان پر کب سے قبضہ ہے۔"

"تقریباً دس سال سے۔"

"لیونارڈ کے پروگرام سے تمہارے علاوہ کوئی اور بھی واقف ہے۔"

"نہیں......!"

"غزالہ کہاں قید ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم......!"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ لیونارڈ نے اُسے کس طرح غائب کیا ہے اور کہاں رکھا ہے۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ فریدی نے محسوس کیا کہ عدنان بار بار اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا ہے

فریدی نے جھپٹ کر اس کے چسٹر کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے سینے پر کوئی سخت سی چیز بندھی معلوم ہوئی۔ فریدی نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا یہ ایک چپٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔

"اوہ تو یہ کہیے آپ اپنی گرفتاری کی اطلاع لیونارڈ کو دینے جا رہے تھے۔"

فریدی نے ٹرانسمیٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا جرمنی کے جاسوس دوران جنگ استعمال کیا کرتے تھے۔"

عدنان کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب اُسے اپنی زندگی کی کوئی امید نہ رہ گئی ہو۔

"اچھا شاگرد صاحب۔" فریدی نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب میں چلتا ہوں..... اس پر کڑی نظر رکھنا۔"

فریدی اور منیجر عدنان کو تہہ خانے میں چھوڑ کر اوپر آ گئے۔

پُر اسرار مکان

تھوڑی دیر بعد فریدی کمرے سے نکلا اور اس نے اپنا چہرہ چسٹر کے کالر میں چھپا رکھا تھا۔ شراب خانے کے باہر آ کر اس نے چسٹر کے کالر گرا دیئے۔ وہ پرنس عدنان کے روپ میں تھا۔ اس نے فٹ پاتھ پر چند منٹ کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پرنس عدنان کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

پرنس عدنان جس مکان میں رہ رہا تھا وہ ایک بہت پرانی عمارت تھی، اس کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہاں بدروحوں کا سایہ ہے۔ اس سے قبل یہاں ایک بہت ہی مالدار آدمی رہتا تھا۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اس مکان میں رہنے والے بھوتوں ہی کی مدد سے مالدار ہو گیا ہے۔ یہ عمارت دراصل شاہی وقتوں کی تھی اور شہر کے ایک نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ کسی وجہ سے اس خاندان والوں نے اُسے فروخت کر دیا تھا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اس کی فروختگی کا باعث دراصل بھوتوں ہی والا معاملہ تھا۔ جس شخص نے اسے خریدا تھا اس نے اسے کرائے پر اٹھا دیا۔ کرایہ دار جو مکان میں چند نوکروں کے ساتھ تنہا رہتا تھا ایک دن صبح اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس واقعے سے اس مکان کے بھوتوں کی شہرت میں اور اضافہ ہو گا۔

پھر اس مکان کو پرنس عدنان نے کرائے پر لیا اور وہیں رہنے لگا۔ مکان یوں بھی اپنی قدامت کی وجہ سے کچھ پراسرار سا لگتا تھا۔ پھر بھوتوں والے معاملے نے اُسے اور بھی خوفناک بنا دیا۔ پرنس عدنان جب اسے کرائے پر لے رہا تھا تو قرب و جوار کے لوگوں نے اُسے روکنے کی

کوشش کی تھی لیکن اس نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔

فریدی اس عمارت کے سامنے پہنچ کر تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ صدر دروازہ پر ایک بہت زیادہ پاور کا بلب روشن تھا۔ ایک طرف ایک چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آگے بڑھا۔ اس کے قدم ایک ایسے شرابی کی طرح لڑکھڑا رہے تھے جو بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اس نے چوکیدار کے پاس پہنچ کر اُسے ٹھوکر رسید کر دی وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"سور کا بچہ سوتا ہے۔" فریدی بگڑے ہوئے ہندوستانی لہجے میں چیخا۔

"نہیں تو حضور......!" چوکیدار نے سہم کر جواب دیا۔

"حضور کا بچہ...... اُلو کا پٹھا۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

اب اس نے بھدی اور بے ہنگم آواز میں ایک انگریزی گانا شروع کر دیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی آواز سے ساری عمارت گونج رہی ہو۔ شور سن کر دو توانا اور تندرست آدمی اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا بات ہے سردار......!" ایک آدمی نے گجراتی زبان میں پوچھا۔

"تمہارا سر......!" فریدی نے بھی گجراتی زبان میں جھلا کر کہا۔

"آیئے...... میں آپ کو آپ کے سونے کے کمرے میں پہنچا دوں۔" پہلا آدمی بولا۔

"ابے او گدھے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔" فریدی جھومتا ہوا بولا۔ "میں مرغی کا بچہ ہوں کیا سمجھا...... مجھے میرے ڈربے میں پہنچا دے۔"

دونوں آدمیوں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"اچھا تم دونوں مسکراتے ہو۔" فریدی نے جیب سے پستول نکال کر کہا۔ "ہینڈز اپ"

دونوں گڑگڑاتے ہوئے اس کے قدموں پر گر پڑے۔

فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پستول جیب میں رکھ لیا۔

"اٹھو......!" وہ گرج کر بولا۔ "تم دونوں میرے باپ ہو۔"

وہ دونوں کھڑے ہو کر کانپنے لگے۔

"جاؤ...... راجو کو بلا لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"راجو......!" دونوں نے بیک وقت کہا اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے لگے۔

"ہاں......ہاں......راجو......!" فریدی جھومتا ہوا بولا۔

"کون راجو......!" ایک نے کہا۔

"تم راجو کو نہیں جانتے...... تب تم کالی بلی کی اولاد معلوم ہوتے ہو، جاؤ اُسے فوراً بلالاؤ......ورنہ میں تم دونوں کو ختم کردوں گا۔"

"سردار......ہم نہیں جانتے راجو کون ہے۔" ایک بولا۔

فریدی سوچ میں پڑ گیا کہ پرنس عدنان نے صرف راجو والی بات جھوٹ کہی تھی۔ اگر وہ شرابی کا رول نہ کررہا ہوتا تو اس وقت شامت ہی آگئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں ٹرانسمیٹر والی بات بھی غلط نہ ہو۔

"تم لوگ بالکل گدھے ہو، جو راجو کو نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔ "راجو میری جان میری محبوبہ ہے۔ ابھی وہ آرلکچو میں میرے ساتھ شراب پی رہی تھی۔"

"یہ بات ہے۔" ایک مسکرا کر بولا۔ "آپ ہمیں اس کے گھر کا پتہ بتائیے...... ہم ابھی اُسے اٹھالاتے ہیں۔"

"وہ جنت میں رہتی ہے۔" فریدی نے لڑکھڑا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ گر پڑا۔

"سردار......سردار......!" دونوں اس پر جھکتے ہوئے بیک وقت چیخے۔

"بیہوش ہوگئے۔" ایک نے کہا۔

"کبھی اتنی نہیں پیتے تھے...... معلوم نہیں کیا بات ہے۔" دوسرا بولا۔

"کوئی عورت ساتھ تھی نا۔" پہلا مسکرا کر بولا۔ "چلو انہیں اٹھا کر ان کے سونے کے کمرے میں ڈال آئیں۔"

دونوں فریدی کو اٹھا کر سونے کے کمرے میں لائے اور کوچ پر لٹادیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد فریدی اٹھا اور کمرہ اندر سے بند کرلیا۔ یہ ایک مغربی طرز پر آراستہ کیا ہوا کمرہ تھا۔ سونے کے پلنگ کے قریب ایک چھوٹی سی میز پر ایک ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ فریدی کو ٹرانسمیٹر کی تلاش تھی۔ اس نے کمرے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ٹرانسمیٹر کا کہیں پتہ نہ

چلا۔ وہ سوچنے لگا...... خیر کچھ پرواہ نہیں۔ اب تو پرنس عدنان اس کی قید ہی میں ہے۔ اگر وہ آج سیدھی طرح نہیں بتا سکا تو کیا ہوا کل اس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ یک بیک میز پر رکھے ہوئے ریڈیو میں ہلکی ہلکی سی کھرکھراہٹ پیدا ہونے لگی۔ وہ چونک پڑا۔ ریڈیو خود بخود کیسے چلنے لگا۔ وہ جھپٹ کر ریڈیو کے قریب پہنچا۔ اب ریڈیو میں سے کسی آدمی کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ بولنے والا انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

"تم نے ابھی تک مطلع نہیں کیا...... تیسری بار تمہیں مخاطب کررہا ہوں...... جواب دو...... کہ کیا ہوا...... دوپہر کو تم نے اطلاع دی تھی کہ وہ آگیا ہے۔"

فریدی غور سے ریڈیو کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک جگہ پڑا اور ایک کھٹکے کے ساتھ ریڈیو میں ایک خانہ سا کھل گیا جہاں فریدی کا ہاتھ لگا تھا۔ وہاں ایک چھوٹا سا اور سرسری طور پر دیکھنے پر نظر نہ آنے والا ایک سوئچ لگا ہوا تھا۔ فریدی نے سوئچ دبایا اور خانہ پھر بند ہوگیا۔ اس نے خانے کو پھر کھولا اور منہ لگا کر کہنے لگا۔

"میں نے زبردست دھوکا کھایا...... کم بخت نے سادے کاغذوں کے اوپر کچھ نوٹ جما رکھے تھے...... نوٹوں کی گڈیوں میں اوپر نیچے نوٹ اور درمیان میں سادہ کاغذ تھا۔"

"تصویروں کا کیا ہوا......!" ریڈیو سے آواز آئی۔

"نگیٹو سمیت لے گیا۔" فریدی نے کہا۔

"تم نرے احمق معلوم ہوتے ہو۔" ریڈیو سے آواز آئی۔ "کیا لڑکی بھی واپس کردی۔"

"نہیں......!" فریدی نے کہا۔ "یہ میری پہلی غلطی ہے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کردیں گے۔"

"خیر جانے دو......!" ریڈیو سے آواز آئی۔ "لڑکی کو احتیاط سے رکھنا اور اگر ممکن ہو تو اس گدھے کو بھی اڑالاؤ......اور ہاں فریدی سے ہوشیار رہنا۔"

"وہ بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے......اگر حکم ہو تو اُسے قتل کردیا جائے۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس کی فکر مت کرو...... میں اس کا معقول انتظام کررہا ہوں۔" ریڈیو سے آواز آئی۔

فریدی نے مسکرا کر سر ہلایا اور بولا...... "کل دن میں آپ سے گفتگو نہ کرسکوں

گا..... میرا ارادہ ہے کہ اس نواب کے بچے کو ایک اچھا سبق پڑھاؤں۔"

"اسے سبق دینے کا سب سے آسان طریقہ تمہیں بتاتا ہوں۔ ریڈیو سے آواز آئی۔ لڑکی تمہارے قبضے میں ہے ہی، کسی کے ساتھ اس کی تصویر کھینچ کر اسے رہا کر دو اور تصویر کی ایک ایک کاپی اس کے ہر عزیز کے پاس بھجوادو۔"

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ عدنان نے کہا تھا کہ اُسے لڑکی کے اغواء کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں۔ لیونارڈ نے براہِ راست اُسے غائب کر دیا تھا اور اسی نے اسے کہیں رکھا بھی تھا۔

"آپ کی یہ تدبیر بہت عمدہ ہے۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور کوئی حکم۔"

"نہیں اب بس کل رات کو پھر گفتگو ہو گی۔" ریڈیو سے آواز آئی اور کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ فریدی نے خانہ بند کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر غزالہ کا پتہ کیسے لگائے۔ اگر وہ اسی مکان میں کسی جگہ قید ہے تب تو آسانی سے پتہ چل جائے گا اور اگر یہاں نہ ہوئی تو اس کے لئے اسے دوبارہ عدنان کے ساتھ سختی کرنی پڑے گی۔ اس نے عدنان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا وہ اسے قطعی پسند نہ تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس قسم کے لوگ تشدد ہی کے ذریعہ قابو میں آتے ہیں اور بعض اوقات تو تشدد بھی انہیں راہ راست پر لانے کے لئے بیکار ثابت ہوتا ہے۔

فریدی رات بھر جاگتا رہا۔ جب مکان کے سارے لوگ سو گئے تو وہ اٹھا اور مکان کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر غزالہ کا سراغ نہ ملا۔

فریدی پاگل ہو گیا

دوسرے دن صبح فریدی اپنے گھر پہنچا۔ اُس نے حمید کو پہلے ہی اطلاع بھجوادی تھی اور اب اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کی عدم موجودگی میں گھر اُسے کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر پہنچ کر بھی اس نے حمید کی کمی شدت سے محسوس کی۔

"کیوں بھئی..... یہ بنگالی رس گلے کہاں سے آئے تھے۔" فریدی نے میز کی قریب

کھڑے ہوئے نوکر سے پوچھا۔ اُسے بنگالی رس گلے بے حد مرغوب تھے۔

"چیف صاحب نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں۔" نوکر نے جواب دیا۔

فریدی نے رس گلا اٹھایا۔ لیکن پھر فوراً ہی رکھ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر بولنے والے کے الفاظ اب تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور پھر آج سے پہلے کبھی چیف انسپکٹر صاحب نے اتنی مہربانی نہ کی تھی۔ فریدی نے ایک رس گلا اٹھا کر قریب بیٹھے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا۔ کتا اسے کھا کر دوبارہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی نے ایک اور ڈال دیا۔ رفتہ رفتہ اس نے سارے رس گلے اُسے کھلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد کتا اونگھنے لگا۔ فریدی چائے کے گھونٹ لے کر بغور اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد دفعتاً کتا چونکا اور قد آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس پر جھپٹا..... وہ آئینے کے سامنے اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے کسی دوسرے کتے سے لڑ رہا ہو۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ وہ اٹھا اور کمرے سے نکل آیا۔ دو نوکروں نے کتے کے شور کے متعلق اس سے پوچھا۔ لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس نے ایک چوہا پکڑ لیا ہے۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر پستول نکالا اور پھر کمرے میں لوٹ آیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا پاگل ہو گیا ہو۔ فریدی نے پستول چلا دیا۔ کتے نے ایک جست لگائی اور زمین پر آ رہا۔ گولی چلنے کی آواز سن کر کئی نوکر کمرے کی طرف دوڑ آئے۔ فریدی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سرخ سرخ آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا اور انہیں بھی گولی مار دینے کی دھمکیاں دینے لگا۔

سارے نوکر خوفزدہ ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ فریدی طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہوا اچھل کود کر رہا تھا۔

اتنے میں حمید آ گیا، فریدی کو اس حالت میں دیکھ کر اُسے بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"کیوں بے الو کے پٹھے تو ہنس کیوں رہا ہے۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ فریدی نے آج تک اس سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کی تھی۔

"ابے بولتا کیوں نہیں۔" فریدی پھر چیخا۔

اس بار حمید سر سے پیر تک لرز گیا۔ اس نے فریدی کی آنکھوں میں ایک بہت ہی بھیانک قسم کی چمک دیکھی۔

"ابے بول......!" فریدی پھر گرجا۔

"کیا بولوں......!" حمید نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ابے وہی بول جو تجھے شیطان کی خالہ نے سکھایا ہے۔" فریدی چیخا۔ "ابے بول بندر کی اولاد کوڑیالے سانپ کے بھانجے۔"

حمید کو پھر ہنسی آگئی اور فریدی نے جیب سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ گولی حمید کے داہنے کان کے قریب سے نکل گئی۔

حمید بدحواس ہو کر بھاگا...... فریدی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ حمید نے غسل خانے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ فریدی دروازہ پیٹنے لگا۔

"ابے او ٹماٹر کے خالو...... دروازہ کھولو...... ورنہ کچا کھا جاؤں گا۔" فریدی چیخا۔

گھر کے سارے ملازمین اس کی یہ حالت دیکھ کر ادھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔

"اچھا بیٹا...... نہ کھولو...... دفتر سے لوٹ کر تمہاری مرمت کروں گا۔" فریدی نے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

اس نے پائجامہ اور قمیض پر ٹائی باندھی، ایک پیر میں کالا جوتا پہنا اور دوسرے میں کتھئی اور سر پر گاندھی کیپ رکھ کر دفتر کی طرف پیدل ہی چل دیا۔

راستے بھر لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنستے رہے...... اور وہ انہیں منہ چڑھاتا رہا۔

دفتر میں گھستے ہی اس نے ہلڑ مچانا شروع کر دیا۔

"آئی ایم دی مانرک آف آل آئی سروے۔" وہ چیخ چیخ کر گا رہا تھا۔

دفتر کا سارا عملہ اس کے گرد اکٹھا ہو گیا تھا۔ گاتے گاتے اس نے ایک ہاتھ کمر پر رکھا اور دوسرا سر پر اور انگریزی گانا گاتا ہوا ہندوستانی انداز میں ٹھمک ٹھمک کر ناچنے لگا۔

لوگ کھڑے ہنس رہے تھے۔ بہتیروں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید اس نے سراغ رسانی کے سلسلے میں کوئی نیا بہروپ بھرا ہے۔

یہ سلسلہ جاری تھا کہ حمید بھی دفتر پہنچ گیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے۔

"نہیں قطعی نہیں...... یہ بہروپ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔ "ابھی ابھی انہوں نے مجھ پر پستول سے وار کیا تھا...... اگر میں ایک طرف نہ ہو جاتا تو کھوپڑی صاف ہو گئی تھی۔"

یہ سن کر بہتیرے لوگ ڈر کر فریدی کے پاس سے اٹھ گئے۔

"تم آگئے میرے بیٹے۔" فریدی حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "بھائیو میرے پہلے شوہر کی اولاد ہے۔"

پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید جھینپ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

آخر کار یہ ہلڑ اس قدر بڑھا کہ مسٹر جیکسن کو اپنے کمرے سے باہر نکل آنا پڑا۔

لوگ اسے دیکھ کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

"ول مسٹر فریدی کیا بات ہے۔" جیکسن نے اسے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"دل میری جان تمہارے عشق میں یہ حال ہو گیا ہے۔" فریدی نے اس کی طرف بڑھ کر اُسے لپٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" جیکسن اُسے ہٹاتے ہوئے گرج کر بولا۔

"مار ڈالو مری جان بس اسی ادا پر جان جاتی ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ارے اسے کیا ہو گیا۔" جیکسن نے بے بسی سے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے عشق......" فریدی اتنے زور سے چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی۔

جیکسن نے لوگوں کو پکارا...... وہاں پھر مجمع لگ گیا۔

"شاید اس نے بہت زیادہ پی لی ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"نہیں صاحب...... شاید ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ایک آدمی بولا۔

"اچانک دماغ کیسے خراب ہو گیا۔" جیکسن نے پوچھا۔

"مجھے نوکروں کی زبانی معلوم ہوا کہ صبح ناشتے کے وقت اچانک ان پر اس قسم کا دورہ پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔ "پہلے انہوں نے ایک کتے کو ہلاک کر دیا اور پھر مجھ پر بھی گولی چلائی۔"

"ارے......!" جیکسن نے کہا اور خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اب بھی کھڑا وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔

جیکسن نے لوگوں کو اشارہ کیا۔ دو تین لوگ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر بعد اُسے بے بس کر دیا اور پھر اسے ایک کرسی میں باندھ دیا گیا۔

فریدی کو جتنی بھی زبانیں آتی تھیں وہ ان میں یکے بعد دیگرے بے تحاشہ گالیاں بک رہا تھا۔

"کچھ یہ بھی بتا سکتے ہو کہ انہوں نے ناشتے میں کھایا کیا تھا۔" جیکسن نے کچھ سوچتے ہوئے حمید سے کہا۔

"میں نے اس کے بارے میں نوکروں سے پوچھا تھا۔" حمید بولا۔ "توسٹ، انڈے، جیلی مکھن اور کچھ خشک میوے...... اور ہاں بنگالی رس گلے جو چیف انسپکٹر صاحب نے بھجوائے تھے۔"

"میں نے......!" چیف انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو نہیں بھجوائے تھے۔"

"جی......!" حمید نے چونک کر کہا۔

"ہاں بھئی میں نے نہیں بھجوائے تھے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے...... یہ سب انہیں رس گلوں کی کرامت ہے۔ یہ ضرور ان کے کسی دشمن کی حرکت ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا ان رس گلوں میں سے کچھ بچا بھی ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"انہیں فوراً ہسپتال لے چلنا چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

اس دوران میں فریدی بیہوش ہو چکا تھا۔

لوگوں نے اسے کرسی سے کھولا اور اسٹریچر پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے چلے۔ چونکہ ہسپتال نزدیک ہی تھا اس لئے ان لوگوں نے پیدل ہی جانا مناسب سمجھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ فریدی اسٹریچر پر سے کود کر بھاگا...... لوگوں نے اس کا پیچھا کرنا چاہا لیکن اس نے انہیں پیچ در پیچ گلیوں میں ایسے ایسے چکر دیئے کہ انہیں تھک ہار کر لوٹ ہی جانا پڑا۔

نئی دریافت

فریدی دن بھر ادھر اُدھر چھپتا پھرا۔ اندھیرا ہوتے ہی وہ اسی شراب خانے میں پھر جا پہنچا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح پرنس عدنان سے غزالہ کا پتہ معلوم ہو جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تھک ہار کر اس نے اپنے مقبوضہ کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اس نے پرنس عدنان کا بھیس بدلا اور اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج اس نے شرابیوں کی نقل نہیں کی۔ پھاٹک ہی پر اُسے وہی دونوں آدمی دکھائی دیئے، جو اسے گذشتہ رات اٹھا کر لے گئے تھے۔

"سردار......!" ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔ "اس لڑکی نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا اور شام کو دیوار سے اپنا سر ٹکرا کر زخمی ہو گئی۔"

لڑکی کا تذکرہ سن کر فریدی کے کان کھڑے ہو گئے۔

"اچھا چلو......! چل کر دیکھتا ہوں۔" فریدی نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دور چلتا رہا پھر اچانک چیخ مار کر گر پڑا۔ دونوں اس کی طرف لپکے۔

"کیا ہوا سردار......!"

"چلتے وقت پیر مڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا پیر کھینچو...... شاید کوئی رگ چڑھ گئی ہے۔"

ایک نے اس کا پیر پکڑ کر دو تین جھٹکے دیئے...... فریدی بدقت تمام کھڑا ہوا اور لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگا۔

"ارے آگے چلو...... بھئی تم کب تک میرے پیچھے رینگتے رہو گے۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

"میرے خیال سے تو اس وقت آرام کیجئے، صبح دیکھی جائے گی۔" ایک نے جھلا کر کہا۔

"فضول مت بکو۔" فریدی نے کہا۔ "چلو چل کر اسے دیکھیں کہیں وہ خودکشی نہ کر بیٹھے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔"

وہ دونوں آگے آگے چل رہے تھے اور فریدی ان کے پیچھے لنگڑاتا جا رہا تھا۔

ایک کمرے میں پہنچ کر دونوں نے فرش پر بچھی ہوئی قالین ہٹائی اور اس جگہ پر جڑ
ہوئے تختے کو اٹھانے لگے۔ تختہ ہٹتے ہی ایک تہہ خانے کا راستہ نظر آیا...... دونوں سیڑھیو
کے ذریعہ نیچے اترنے لگے۔ فریدی بھی آہستہ آہستہ کراہتا ہوا ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ زینے ط
کر کے وہ ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچے، جہاں چاروں طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے کمر
بنے ہوئے تھے۔ دونوں میں ایک نے بڑھ کر ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں بجلی کا بلب
روشن تھا۔ دونوں دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور پرنس عدنان لنگڑاتا ہوا کمر
میں داخل ہوا۔ ایک عورت زانوؤں میں سر دیئے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر اپنا
اٹھانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ فریدی پھر دروازے کی طرف واپس لوٹا اور ان دونوں کو چلے
جانے کا اشارہ کر کے پھر واپس آ گیا۔ اس نے آہستہ سے عورت کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل کر
کھڑی ہو گئی۔ یہ غزالہ تھی۔

"خبردار مجھے ہاتھ مت لگانا۔" وہ بپھر کر بولی۔ "اس کی پیشانی کے زخم پر خون جم گیا تھا
بال الجھے ہوئے...... چہرہ ویران تھا۔ آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں کی طرح معلو
ہو رہی تھیں۔"

"یہ تم نے اپنا سر کیوں پھوڑ لیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تجھ سے مطلب......!" وہ گرج کر بولی۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا۔"

"میری خوشی......!"

"آخر اس طرح بگڑ کیوں رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جا کر اپنا کام کرو...... میں بیکار باتیں نہیں کرنا چاہتی۔"

"اُف کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

"اچھا یہ کب سے۔" غزالہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"جس دن سے تمہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا تو کان کھول کر سن لو...... اگر اب تم نے اس قسم کی گفتگو کی تو خودکشی کر لوں گ

تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔"

"حسن غصے میں بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔"

"دور ہو جاؤ...... یہاں سے کمینے کتے کہیں کے۔" وہ گرج کر بولی۔

"دیکھو...... میرا کہنا مان لو...... میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

"ایسی آزادی پر میں موت کو ترجیح دیتی ہوں۔"

"تمہارے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں...... تم بہت
جلد رہا ہو جاؤ گی۔"

غزالہ حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگی۔ یہ چیز اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ پرنس عدنان میں
یک بیک تبدیلی کیسے ہو گئی۔

"میں عدنان نہیں فریدی ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "عدنان میری قید میں ہے۔"

"اوہ تو اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔" غزالہ تلخ لہجے میں بولی۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ
تم مجھ پر کسی طرح فتح نہیں پا سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ اس نے اسے مختصر ساری داستان سنا دی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے سن
رہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا کہ ان کم بختوں نے والد صاحب کو بھی اس سے مطلع کر دیا......!"
غزالہ بولی۔

"لیکن تم اطمینان رکھو...... میں نے انہیں تمہاری پاک دامنی کا اچھی طرح یقین
دلا دیا ہے۔"

"مگر میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ پرنس عدنان نہیں ہیں۔" غزالہ بے اعتباری
سے بولی۔

"یہ لو وہ تصویریں جو میں نے پرنس عدنان سے حاصل کی ہیں۔" فریدی نے جیب سے ایک
لفافہ نکال کر غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

وہ لفافے سے تصویریں نکال کر دیکھنے لگی۔

"اب لاؤ... میں انہیں جلا دوں۔" فریدی نے اس کے ہاتھ سے تصاویر لے کر جلا دیں۔

"کہو اب یقین آیا۔"

غزالہ نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر مجھے یہاں سے چھٹکارا کب ملے گا۔" وہ بولی۔

"بہت جلد..... ذرا وہ شخص قبضے میں آجائے، جو اس سارے گورکھ دھندے کا خالق ہے" فریدی نے کہا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم اس دن ہوٹل سے یک بیک غائب کس طرح ہو گئی تھیں"

"یہ بھی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ جیسے ہی غسل خانے سے نکلی مجھے والد صا دکھائی دیئے، میں پریشان ہو گئی۔ میں دراصل ان سے یہ کہہ کر آئی تھی کہ میں خالہ جان یہاں دہلی جا رہی ہوں۔ انہوں نے وہاں میری موجودگی کا سبب پوچھا جس کا میں کوئی تشفی جواب نہ دے سکی۔ انہوں نے مجھ سے واپس چلنے کے لئے کہا اور میں ان کے ساتھ ہولی۔ ٹیکسی کھڑی تھی۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے اپنے دوست کے یہاں لئے جا رہے ہیں اور پھر مجھے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ میں اس قید خانے کس طرح پہنچی۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

"اور یہی وجہ ہے کہ اب جلدی سے کسی بات پر یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا۔" غزالہ بولی

"لیکن میری باتوں پر یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔ "اپنا میک اپ بگاڑنا نہیں چاہتا، ورنہ ابھی اپنی اصلی صورت بھی دکھا دیتا۔"

غزالہ بدستور خاموش رہی۔ سر سے زیادہ خون نکل جانے اور دن بھر بھوکی رہنے کی اسے نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"آؤ میں تمہارا زخم دھو کر پٹی باندھ دوں۔" فریدی نے کہا۔

غزالہ کچھ نہیں بولی۔ فریدی نے اسٹول پر رکھا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور اپنا رومال تر کر زخم دھونے لگا۔ غزالہ آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے کر رخساروں پر بہہ چلے۔

"ارے..... تو تم روتی کیوں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں..... تمہیں صرف دو ایک دن اور رہنا پڑے گا۔"

غزالہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔

"ٹھہرو..... میں پٹیاں اور ٹنکچر آئیوڈین لیتا آؤں۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ ابھی وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ دفعتاً اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی انگریزی میں کچھ کہہ رہا ہو۔ وہ پلٹ پڑا...... جس کمرے سے آواز آ رہی تھی اس نے دروازے کے شیشوں سے جھانک کر دیکھا ایک شخص اس کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا مگر باہر سے تالا بند تھا۔ فریدی نے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا کہ وہ کوئی انگریز ہے۔

فریدی تہہ خانہ سے نکل کر ان دونوں آدمیوں کو تلاش کرنے لگا۔ دونوں ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔

فریدی کو دیکھتے ہی دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی غیر متوقع طور پر کمرے میں پہنچ گیا ہو۔

"آج جی بھر کر پیو میرے شیرو..... آج میں بہت خوش ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن پہلے ذرا ایک کام کر دو۔"

"کہئے.....!" ایک بولا۔

"فرسٹ ایڈ بکس لاؤ"۔ فریدی نے کہا۔ "نمبر بارہ کی کنجی۔"

ان میں سے ایک باہر چلا گیا اور دوسرے نے ایک کنجی نکال کر فریدی کو دی۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر گئے ہوئے آدمی کا انتظار کرنے لگا۔

چند منٹوں کے بعد وہ واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں مرہم پٹی کا سامان رکھنے والا ایک بکس تھا۔ فریدی بکس لے کر تہہ خانہ کی طرف چلا گیا اور دونوں پھر بیٹھ کر شراب پینے لگے۔

فریدی نے غزالہ کی مرہم پٹی کی اور دوسرے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی اور اس کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا۔

اندر بیٹھا انگریز جیکسن تھا۔ وہ حد درجہ دبلا اور کمزور نظر آ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔

"تو میرا شبہ صحیح نکلا.....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کہئے مسٹر جیکسن کیسے مزاج ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہوں۔" جیکسن نے مردہ دلی سے کہا۔

جیکسن اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ یہاں کس طرح آئے۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس وقت پرنس عدنان کے بھیس میں تھا۔

"کیا مطلب......!" جیکسن نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیوں میرا مذاق اڑانے کی کوش کر رہے ہو۔"

"میں فریدی ہوں۔" فریدی نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

"ارے......!" جیکسن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں۔"

"مگر تم...... مگر تم......!"

"جی ہاں...... میں پرنس عدنان کے بھیس میں ہوں اور وہ میری قید میں ہے۔" جیک بے اختیار فریدی سے لپٹ گیا۔

"میں سچ کہتا ہوں مسٹر فریدی کہ خدا کے بعد مجھے صرف تمہاری ذات سے اس کی ا تھی۔" جیکسن گلوگیر آواز میں بولا۔

"لیکن آپ یہاں کس طرح۔" فریدی نے کہا۔

"ہسپتال سے رخصت ہونے میں کچھ ہی دن باقی تھے کہ اچانک ایک دن میں نے خو یہاں اس کوٹھری میں پایا اور اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں جانتا۔"

"آپ کچھ بتا سکتے ہیں کہ آپ کس کی قید میں ہیں۔"

"نہیں...... بالکل نہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"آپ لیونارڈ کی قید میں ہیں۔"

"لیونارڈ......!" جیکسن اچھل کر بولا۔ "وہ یہاں کہاں۔"

"وہ یہاں کے نوابوں اور راجاؤں کو بلیک میل کرنے کے لئے یہاں آیا ہے اور آج کل کا رول بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔"

"کیا مطلب......!"

"وہ آپ کے بھیس میں محکمہ سراغرسانی کے سپرنٹنڈنٹ کے فرائض انجام دے رہا ہے۔"

جیکسن حیرت سے فریدی کا منہ تکنے لگا۔

"مسٹر فریدی اگر تم نے اُسے گرفتار کر لیا تو تم نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری برٹش امپائر کے بہت بڑے آدمی ہو گے۔" جیکسن نے فریدی کا ہاتھ دباتے ہوئے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"اچھا اب تھوڑی دیر ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اسی وقت آپ کو لے چلوں گا...... اور آج ہی رات کو لیونارڈ کو گرفتار کرنے کی کوشش کروں گا، ورنہ معلوم نہیں کل کیا ہو۔ وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔"

فریدی تہہ خانے سے نکل کر سیدھا پرنس عدنان کی خواب گاہ میں گیا اور ٹرانسمیٹر کھول کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کہو کیا بات ہے۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"سب ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "لڑکی کی دوسری تصویریں لے لی گئی ہیں...... آج وہ دیوار سے سر ٹکرا کر کافی زخمی ہو گئی ہے۔"

"ان سب باتوں کی پرواہ نہ کرو......" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "یہ بتاؤ کسی اور نے بھی خط و کتابت کی یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اچھا کل میں تمہیں ایک تدبیر بتاؤں گا......" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "اور ہاں ایک نئی خوشخبری سنو...... فریدی پاگل ہو گیا۔"

"واقعی......!" فریدی چہک کر بولا۔

"ہاں...... میری اسکیم کامیاب ہو گئی...... اب یہاں تمہیں کسی سے خوف نہ کھانا چاہئے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"کل رات کو ٹھیک نو بجے آپ کمرے میں موجود رہنا۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی اور پھر بند ہو گئی۔ فریدی ٹرانسمیٹر بند کر کے اس کمرے میں آیا جہاں دونوں شراب پی رہے تھے۔ وہ دونوں زمین پر اوندھے پڑے تھے اور قریب ہی تین چار خالی بوتلیں پڑی ہوئی تھیں۔

فریدی جیکسن اور غزالہ کو لے کر سیدھا کلکٹر کے بنگلے پر پہنچا۔ رات کے تقریباً گیارہ بج گئے تھے۔ کلکٹر سو چکا تھا لیکن فریدی کے کہنے پر نوکروں نے اسے جگا دیا۔

فریدی اور جیکسن کی داستان سن کر کلکٹر اچھل پڑا۔

اسی وقت ایک گھنٹے کے اندر اندر مسٹر جیکسن کے بنگلے پر چھاپہ مارنے کا انتظام کیا گیا۔ لیونارڈ پر اچانک اس وقت پولیس ٹوٹ پڑی جب وہ جیکسن کے بھیس میں اس کی خواب گاہ میں پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اسی وقت فریدی سے پرنس عدنان کو بھی شراب خانے سے لائے جانے کا انتظام کیا۔ پھر دونوں حوالات میں بند کر دیئے گئے۔

فریدی نے اُسی رات کو نواب رشید الزماں کو تار دلوایا۔ دوسرے دن صبح وہ بھی پہنچ گئے۔ غزالہ شرمندگی کی وجہ سے سر نہیں اٹھا رہی تھی۔ رشید الزماں اُس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"مگر جناب۔" حمید فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "اگر اُس دن کہیں میں آپ کے پستول کی نذر ہو گیا ہوتا تو اس وقت آپ کی کامیابی پر تالیاں کون بجاتا۔"

"اچھا تو کیا آپ مجھے اتنا اناڑی نشانہ باز سمجھتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں، میں نے پاگل پن کا اتنا عمدہ مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"ارے تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔"

"ذرا کان ادھر لائیے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی سر جھکا کر سننے لگا۔

"غزالہ کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسا جڑ دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 6

پُراسرار کنواں

(مکمل ناول)

پیشرس

پراسرار کنواں پیش خدمت ہے۔ اس کہانی میں آپ کو کئی دلچسپ کردار ملیں گے۔ طارق جس کی آنکھیں خطرناک تھیں جس کے پاس ایک عجیب وغریب نیولا تھا، جو پل بھر میں بڑے بڑے شہتیر کاٹ کر پھینک دیتا تھا۔ پرویز ہے ایک چالیس سال کا بچہ جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا۔ فیڈر سے دودھ پیتا تھا اور ملازمین اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ غزالہ ہے جو حالات سے پریشان ہو کر فریدی سے مدد طلب کرتی ہے۔

وہ عمارت جس کی دیواروں سے درندوں کی آوازیں آتی تھیں اور پوری عمارت کسی جنگل کی طرح گونجنے لگتی تھی اور ایک کنواں جس سے انگاروں کی بوچھاڑیں نکلتی ہیں۔

بہرحال میرے ابتدائی ناولوں میں یہ ناول بھی بے حد پسند کیا گیا ہے اور آج بھی آپ ہی کے بے حد اصرار پر دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

ابن صفی

انگاروں کی بارش

موسم گرما کی ایک خوشگوار رات تھی۔ تقریباً گیارہ بجے تھے۔ نواب رشید الزمان نے اپنے نوآمدہ مہمان کے ساتھ ہی باغ میں کھانا کھایا تھا اور کھانے کے بعد سے اب تک بیٹھے اس کے سفر کی داستانیں سن رہے تھے۔ ان کا مہمان طارق ادھیڑ عمر کا ایک تندرست آدمی تھا۔ اس نے سفید پتلون اور آدھی آستینوں کی سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ گٹھے ہوئے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیاں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ وہ ایک مشقت پسند آدمی ہے۔ سرخ وسفید چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی ہوئی مونچھیں اس کی شخصیت میں ایک بارعب اضافہ تھیں۔ آنکھیں چھوٹی اور غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ آج ہی نواب صاحب کے یہاں کے بہتیرے افراد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنا آسان کام نہیں۔ وہ خود زیادہ تر اپنی نظریں نیچی ہی رکھتا تھا۔ وہ ایک سیاح تھا اور سیاحی کی وجہ ہمیشہ پردہ راز میں ہی رہی تھی۔ وہ نواب صاحب کا جگری دوست تھا لیکن انہیں بھی اس کی سیاحی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اس موضوع پر جب بھی کوئی بات آتی وہ ہمیشہ بات کاٹ کر کوئی اور تذکرہ چھیڑ دیا کرتا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قدیم خزانوں کی تلاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ اچھے خاصے دولت مند کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن اس کا ذریعہ آمدنی کسی کو معلوم نہ تھا۔

نواب صاحب سے اس کی پہلی ملاقات بھی عجیب وغریب حالات میں ہوئی تھی۔ سات آٹھ سال قبل نواب صاحب مشرقی ممالک کی سیر کے لئے تقریباً دو سال کا پروگرام بنا کر نکلے تھے۔ ایران کی سرزمین انہیں اتنی پسند آئی کہ تقریباً چھ ماہ تک انہوں نے وہاں قیام کیا۔ ایران کی

پر فضا پہاڑیاں سرسبز اور حسین مرغزاران کے پیروں میں بیڑیاں بن کر رہ گئے تھے۔ ایران کے آثار قدیمہ نے بھی ان کو بڑی حد تک اپنی طرف متوجہ کیا۔ زمانہ قدیم کی یادگاروں سے انہیں پہلے بھی انس تھا وہ جہاں جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے تہذیب حاضرہ ہی کے کارناموں سے دل نہ بہلایا تھا بلکہ پرانے انسانوں کی محنت اور ان کی کاری گری کے نمونوں میں بھی اپنا بیشتر وقت صرف کیا تھا۔ ایران کے آثار قدیمہ تو پھر انہیں کے اسلاف کی یادگار تھے۔

ایک شام جب وہ ایران کے ایک پرانے بادشاہ کے محلات کے کھنڈروں سے واپس آرہے تھے انہیں ایک جگہ پتھروں کے ڈھیر سے ایک انسانی ہاتھ نکلا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے گھبراہٹ میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کیا جائے۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد انہوں نے پتھر ہٹانے شروع کئے۔ تھوڑی ہی دیر کی محنت کے بعد ان کے سامنے ایک بیہوش آدمی پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ وہ بیہوش آدمی کو اٹھا کر اس کے کنارے لے گئے۔

اور پھر تقریباً آدھ گھنٹہ کی جان فشانیوں کے بعد اسے ہوش آگیا۔ یہ طارق تھا۔ اس نے بتایا کہ اچانک ایک پرانی دیوار کے گر جانے کی وجہ سے وہ دب گیا تھا وہ نواب صاحب کو اپنی جائے رہائش پر لے گیا۔ نواب صاحب کو اس کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور وہ اس سے قریب ہوتے گئے۔ نواب صاحب ایران سے ترکی جانے لگے تو طارق بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد دونوں ساتھ سیاحت کرتے رہے۔

طارق کی شخصیت بہت ہی عجیب و غریب تھی۔ وہ نسلاً عرب تھا۔ لیکن دنیا کی کوئی شائد ہی ایسی زبان ہو جو وہ نہ جانتا ہو۔ کئی زبانوں پر تو وہ اتنی قدرت رکھتا تھا کہ اس زبان کے بولنے والے بھی اس کے لہجے میں اجنبیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں پاتے تھے۔ جب وہ نواب صاحب سے اردو میں گفتگو کرنے لگتا تو وہ یہی محسوس کرتے تھے وہ یوپی کا باشندہ ہو۔ دو سال کے عرصے میں نواب صاحب اس کے بہت زیادہ گرویدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان آتے وقت انہوں نے اس سے کہا کہ وہ کسی موقع پر ہندوستان آکر کچھ دن نواب صاحب کے ساتھ ضرور گذارے گا۔

اور اس وقت وہ ان کے پائیں باغ میں بیٹھا انہیں اپنے سفر کی داستانیں سنا رہا تھا۔ اس کی گود میں ایک نیولا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ایسا عجیب و غریب نیولا کم از کم نواب صاحب اور ان کے متعلقین کی

نظروں سے آج تک نہ گذرا تھا۔ وہ قد اور لمبائی میں ہندوستانی بلی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور پیٹھ پر تین چار لمبی لمبی دھاریاں تھیں۔ بڑی سی گنجان دم کرسی سے لٹک رہی تھی۔

نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بہت دیر سے بے چین نظر آرہی تھی۔ وہ اس نیولے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کی باتوں کا سلسلہ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد غزالہ نے محسوس کیا کہ جیسے وہ بولتے بولتے تھک گیا ہو۔ اسے خاموش پاتے ہی وہ جھٹ سے بول پڑی۔ "میں اس نیولے کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"ہاں......ہاں......!" طارق مسکرا کر بولا

"میں نے آج تک اتنا خوفناک نیولا نہیں دیکھا۔"

"ہاں یہ کم یاب ہے......اور ایشیا میں تو اس کا وجود ہی نہیں۔ میں نے اسے برازیل کے جنگلوں میں پکڑا تھا۔ یہ اس وقت بچہ تھا۔"

"تو کیا برازیل میں اس قسم کے نیولے ہوتے ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں...... یہ وہاں بھی کمیاب ہے۔" طارق نے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس میں ایک بہت بڑی صفت ہے۔"

"وہ کیا......!"

"اسے کوئی چیز سنگھا کر اگر تم پاتال میں چھپا آؤ تو یہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔"

"اچھا تو پھر ہمیں یہ تماشہ آپ کب دکھائیں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"جب کہو۔"

"تو لیجئے میرا رومال اسے سنگھائیے...... میں اسے کہیں چھپا آؤں۔"

طارق نے ہنس کر رومال لے لیا اور نیولے کی ناک پر رکھ کر پھر غزالہ ہی کو واپس کر دیا۔

غزالہ کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی۔

"اچھی طرح چھپا دیا ہے نا......!" طارق ہنس کر بولا۔

"خوب اچھی طرح......!"

طارق نے نیولے کو زمین پر اتار دیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "جار شی۔"

نیولا دوڑتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ سب لوگ متحیر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند منٹوں کے بعد وہ لوٹا۔ اس کے منہ میں غزالہ کا رومال تھا۔

"ارے......!" سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ طارق ہنسنے لگا۔ غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"میں اس رومال کو اپنی کتابوں کی الماری میں بند کر کے تالا لگا آئی تھی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"تالا اس کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا" طارق نے کہا۔ "لیکن اس نے تمہاری خوبصورت الماری برباد کر دی۔"

"وہ کیسے۔"

"اس میں کم از کم اتنا بڑا سوراخ ضرور ہو گیا ہو گا جس میں سے یہ آسانی سے گذر سکے۔"

"اتنی جلدی اتنا بڑا سوراخ کر دینا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"الماری کے تختے زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ انچ موٹے ہوں گے۔" طارق بولا۔ "یہ تو اچھے خاصے شہتیر منٹوں میں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔"

"آپ کی ہر چیز عجیب و غریب ہے۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

طارق مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سارے باغ میں روشنی ہو گئی۔ غزالہ نے پلٹ کر دیکھا اور چیخ مار کر اچھل پڑی۔

پرانے اندھے کنوئیں سے انگاروں کا فوارہ سا چھوٹ پڑا تھا۔ شعلے کافی بلندی تک اٹھ رہے تھے۔ ایک عجیب قسم کی زناٹے دار آواز سے سارا باغ گونج رہا تھا۔

"یہ کیا تھا۔" طارق جلدی سے بولا اور اس کے نیولے نے بھی اتنی بھیانک چیخ ماری کہ سب کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ سب کے سب پتھر کے بتوں کی طرح خاموش تھے۔

آہستہ آہستہ انگاروں کی بوچھاڑ کم ہوتی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باغ کی فضا پر پہلا سا سکوت طاری ہو گیا۔

"یہ کیا تماشہ تھا۔" طارق نے سکوت توڑا۔

غزالہ مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" نواب صاحب مردہ آواز میں بولے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ہم

پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔"

"کیا مطلب......!" طارق چونک کر بولا۔

"میں نے والد صاحب مرحوم کی زبانی سنا تھا کہ ایک بار دادا مرحوم کے زمانے میں بھی اس کنوئیں سے انگارے نکلے تھے اور پھر خاندان میں پے در پے موتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔"

"عجیب بات ہے۔" طارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔" نواب صاحب نے اٹھ کر اُسے کر روکتے ہوئے کہا۔ "ادھر مت جاؤ۔"

"کیوں......!"

"معلوم نہیں کیا ہو۔"

طارق ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا نیولا ایک پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

"ذرا ایک ٹارچ تو منگواؤ۔" اس نے کنوئیں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بھئی میں کہتا ہوں لوٹ آؤ۔" نواب صاحب چیخے۔

"ٹارچ۔" طارق چیخا......اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

نواب صاحب نے ایک نوکر سے ٹارچ منگوائی۔

"رشید الزماں......یہاں آؤ۔" طارق ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں ڈالتے ہوئے بولا۔

رشید الزمان بادل خواستہ آگے بڑھے۔ غزالہ نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے اسے روک دیا۔

"وہ دیکھو......کیا ہے۔" طارق نے انہیں کنوئیں میں جھانکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رشید الزمان چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

"کیا ہے ابا جان۔" غزالہ ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"جاؤ جاؤ....!" نواب رشید الزمان پلٹ کر چیخے۔ "تم اندر جاؤ.....جاؤ......چلی جاؤ۔"

خوفناک آوازیں

نواب صاحب کا لہجہ اتنا ڈراونا تھا کہ غزالہ بے اختیار کوٹھی کی طرف مڑ گئی۔

"اب کیا کیا جائے۔" طارق بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"میرے تو ہوش ٹھکانے نہیں۔" نواب صاحب کنوئیں کی جگہ کے قریب زمین پر بیٹھے ہوئے بولے۔

"آخر معاملہ کیا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا آپ کی یادداشت میں اس کنوئیں سے کبھی چنگاریاں نہیں نکلیں۔"

"نہیں......!" نواب صاحب بولے۔ "یہ والد صاحب کے بچپن کی بات ہے۔"

"تو آپ نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ واقعہ دیکھا ہے۔"

"ہاں......!" نواب صاحب کے لہجے میں ناخوشگواری تھی۔ وہ اس وقت کسی قسم کے سوال وجواب کے موڈ میں نہ تھے۔

دفعتاً کوٹھی کے اندر ایک عجیب وغریب قسم کے شور کی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا......!" طارق چونک کر بولا۔

نواب صاحب بھی متحیر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار گیدڑ کتے اُلو اور نہ معلوم کون کون سے جانور بیک وقت چیخ رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ دونوں بے تحاشہ کوٹھی کی طرف لپکے۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ آوازیں درودیوار سے نکل رہی ہوں۔ اس قدر شور تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ کوٹھی کے سارے افراد کمروں میں بند ہو کر طرح طرح کی خوفزدہ آوازیں نکال رہے تھے۔

"یہ اتنے جانور یہاں کیسے گھس آئے۔" طارق نے کہا۔ اس کا نیولا اچھل کر اس کے سینے سے چمٹ گیا تھا۔

نواب صاحب اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں رعشے کی بیماری ہو گئی ہو۔

"نہ......نہ...... جج...... جانے...... کک کیا بات ہے۔" نواب صاحب ہکلاتے ہوئے بولے۔

طارق ایک ایک کونہ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ لیکن چیخنے والے جانوروں کا کہیں پتہ نہیں چل

رہا تھا۔

دفعتاً نواب صاحب کا عجیب الخلقت سوتیلا بھائی اچھلتا کودتا ہوا آگیا۔ وہ ان آوازوں کو سن کر وحشت ناک قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی عمر چالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی لیکن اس نے اپنی وضع قطع بالکل شیر خوار بچوں کی سی بنا رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی۔ جب وہ اچھل کود کر تھک جاتا تو شیشی کا دودھ چوسنے لگتا۔ اس کے گلے میں ایک پیڈ بندھا ہوا تھا بالکل ویسا ہی جیسا اکثر صفائی پسند مائیں اپنے بچوں کے گلے میں اس لئے باندھ دیتی ہیں تاکہ ان کے کپڑے منہ سے بہنے والی رال سے محفوظ رہ سکیں۔

"بھائی صاحب تماشہ ہو لہا ہے۔" وہ تالیاں بجاتا ہوا تتلا تتلا کر بولا۔

"چپ رہو......!" نواب صاحب چیخ کر بولے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ پھر شیر خوار بچے کی طرح سہم کر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا ایک کمرہ میں گھس گیا۔

آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جارہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بالکل سکوت چھا گیا۔ طارق اور نواب صاحب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ پراسرار شور اب ختم ہو چکا تھا کمروں میں چھپے ہوئے لوگوں میں اب بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر نکل آتے۔

"کیوں بھائی طارق تمہیں کچھ بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"تو کیا شور بھی پہلے پہل......!"

"ہاں ہاں۔" نواب صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "بالکل پہلے پہل۔ کسی خاندانی روایت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا ہو۔"

"تب تو واقعی حیرت کی بات ہے۔"

"مگر اب کرنا کیا چاہئے۔" نواب صاحب نے انتہائی پریشان کن لہجے میں کہا۔

"کر ہی کیا سکتے ہو۔" طارق بولا۔ "مجھے تو یہ آسیبی خلل معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر وہ کنواں۔" نواب صاحب نے دبی زبان سے کہا۔

"ایسے معاملات میں سب کچھ ممکن ہے۔"

"تو پھر پولیس کو اطلاع کرنی چاہئے۔" نواب صاحب ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"پولیس اس معاملہ میں کیا کر سکتی ہے۔" غزالہ نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ شور ختم ہونے

کے چند لمحوں کے بعد وہ انہیں دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جاؤ...... جاؤ...... تم سو جاؤ۔" نواب صاحب مضطربانہ انداز میں بولے۔

"کیا آج کی رات کسی کو نیند آ سکتی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔" طارق نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔ "کوئی ایسی خا بات نہیں۔"

"اچھا تو تم یہیں غزالہ کے پاس ٹھہرو۔" نواب صاحب نے طارق سے کہا۔ "میں تھا جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کسی اور کو بھیج دیجئے میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" غزالہ نے کہا۔ "آ بیکار تھانے جا رہے ہیں۔ پولیس اس معاملے میں کچھ نہ کر سکے گی۔"

"طارق ہیں تو تمہارے پاس..... ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میں ابھی فوراً واپس آتا ہوں"

"تو کسی اور کو بھیج دیجئے نا۔"

"اوہ تم نہیں سمجھتیں میرے گئے بغیر کام نہیں بنے گا۔" نواب صاحب نے کہا اور باہر نکا گئے۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ ابا جان تھانے کس لئے گئے ہیں۔" غزالہ نے طارق سے کہا

"کوئی بات نہیں تم جا کر سو جاؤ۔" طارق نے کہا۔

"اگر کل بھی یہی ہوا تو کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں ہو گا...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو تم اپنے کمرے میں چلو۔"

وہ غزالہ کا بازو پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

اس کا نیولا اب اس کے کاندھے پر بیٹھا اپنی چمکیلی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب تم لیٹ کر سو جاؤ...... میں یہیں بیٹھا ہوں۔" طارق اسے اس کے پلنگ پر بٹھا ک خود ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نیند نہیں آئے گی۔" غزالہ نے کہا۔

"آئے گی کیسے نہیں...... میں ابھی تمہیں سلائے دیتا ہوں۔"

غزالہ نے خوف زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈرو نہیں۔" طارق ہنس کر بولا۔ "میں تمہیں ہپناٹزم کے ذریعے سلا دوں گا۔"

"اوہ تو کیا آپ ہپنوٹائز کر سکتے ہیں۔"

"ہاں...... لیٹ جاؤ ہاں اس طرح ٹھیک۔ میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں دیکھو سو جاؤ...... تم سوتی جا رہی ہو، تمہیں نیند آ رہی ہے۔ تمہاری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔"

غزالہ کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آنکھوں سے برقی لہریں نکل کر اس کے جسم میں سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ ذہن سست ہوتا جا رہا ہے...... پلکیں بوجھل...... تاریکی...... اور اب اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آواز بہت دور سے آ رہی ہو۔ "تمہاری نیند گہری آتی جا رہی ہے۔ تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔" اور آہستہ آہستہ آواز آنی بند ہو گئی۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ گہری نیند سو گئی تھی۔

طارق تھوڑی دیر تک بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں آنکھوں کی کوروں کے قریب کنپٹیوں پر پڑی ہوئی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

کمروں میں گھسے ہوئے لوگ اس طرح سرگوشیاں کر رہے تھے جیسے وہ تہہ خانوں میں دبکے ہوئے متوقع بمباری کا انتظار کر رہے ہوں۔ طارق پھر پائیں باغ میں آ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کنوئیں کے قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پھر کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد نواب صاحب ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس لوٹے۔ کنوئیں میں کئی ٹارچوں کی روشنی بیک وقت پڑی اور نواب صاحب کے منہ سے حیرت سے چیخ نکل گئی۔ سب انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تو کیا سچ مچ میں پاگل ہو جاؤں گا۔" نواب صاحب اس طرح بولے جیسے وہ خواب میں بڑبڑا رہے ہوں۔

"آپ نے تو کہا تھا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہاں میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔" نواب صاحب بے چارگی کے ساتھ بولے۔ "اور آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا اور نواب صاحب کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"آپ نے تو فرمایا تھا عورت کی لاش......!" سب انسپکٹر نے کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" نواب صاحب بولے۔ "صرف میں نے ہی نہیں بلکہ میرے ایک مہمان نے بھی دیکھی تھی۔"

اتنی دیر میں دو تین نوکر بھی آ گئے تھے، لاش کا تذکرہ سن کر بُری طرح کانپنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر انہیں کئی عجیب و غریب باتوں سے واسطہ پڑا تھا۔

"ذرا طارق صاحب کو بلاؤ۔" نواب صاحب نے ایک نوکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

طارق کو دیکھ کر سب انسپکٹر نے عجیب سا منہ بنایا۔ طارق سے زیادہ وہ اس کے سیاہ نیولے کو گھور رہا تھا جو ابھی تک طارق کے کاندھے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ نے بھی عورت کی لاش دیکھی تھی۔" نواب صاحب نے طارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کو کیا بیان دوں۔" طارق نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"کیوں......!"

"اس لئے کہ میں نے نواب صاحب کے جانے کے بعد ایک بار پھر اس کنوئیں میں جھانکا تھا اس بار میں نے عورت کے بجائے مرد کی لاش دیکھی۔"

"ارے......!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جی ہاں۔"

"اور اب وہاں کچھ بھی نہیں۔" نواب صاحب نے بے تابی سے کنوئیں کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا......!" طارق نے کہا اور کنوئیں کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔

طارق نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور سب لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"غزالہ تمہیں پہلے ہی منع کر رہی تھی۔" طارق بولا۔ "بھلا آسیبی معاملات میں پولیس کیا کر سکتی ہے۔"

کیا اسی کنوئیں سے چنگاریاں بھی نکلیں تھیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"تب تو یہ کھلا ہوا معاملہ ہے۔ ہم لوگ بھلا اس میں کیا کر سکیں گے۔ اور کچھ آواز کا بھی تو آپ نے تذکرہ کیا تھا۔"

"جی ہاں......وہ کوٹھی کے اندر سنائی دی تھیں۔" طارق بولا۔

"شاید میں آپ سے پہلی بار شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔" سب انسپکٹر نے اس کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔"

سب انسپکٹر اب تک نیولے کو گھورے جا رہا تھا۔

"یہ میرا پالتو نیولا ہے۔"

"بہت ہی عجیب و غریب ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "اچھا تو نواب صاحب اب اجازت چاہوں گا۔"

"کیا بتاؤں بھئی میں نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔" نواب صاحب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں، البتہ اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

پولیس والے نواب صاحب کی کار پر رخصت کر دیئے گئے۔

نواب صاحب، طارق اور چند نوکر ابھی تک کنوئیں کے پاس کھڑے ہوئے تھے چونکہ لاش کے متعلق باتیں نوکروں کے سامنے ہوئی تھیں۔ اس لئے چند ہی لمحوں میں یہ خبر ساری کوٹھی میں پھیل گئی۔

"بھائی طارق...... میری عقل کام نہیں کرتی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میں خود حیرت میں ہوں۔" طارق نے کہا۔ اس کی آنکھوں کی پُراسرار چمک دفعتاً پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

"ایک بار میں بھی مصر میں ایسے ہی حادثات سے دو چار ہوا ہوں۔" طارق پھر بولا۔

"اگر واقعی یہ آسیبی ہی معاملہ ہے تو اس سے کس طرح گلوخلاصی حاصل ہو سکے گی۔"

"نہایت آسانی سے۔" طارق بولا۔ "کیا آپ کو کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا، جو بدارواح کو بھگانے کا عمل جانتا ہو۔"

نواب صاحب کچھ سوچنے لگے۔

"سخت الجھن میں ہوں۔" نواب صاحب بولے۔ "بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں مگر واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ کچھ کہنے سننے نہیں بن پڑتی۔"

"نہیں آپ کو ان چیزوں کا قائل ہونا چاہئے کیونکہ بدارواح کا وجود ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتارتے ہوئے کہا۔

چالیس سال کا بچہ

اس رات کے بعد سے نواب صاحب کی کوٹھی میں روزانہ نئی وارداتیں ہونے لگیں۔ تقریباً ہر رات کو کنوئیں سے چنگاریاں نکلا کرتی تھیں اور جانوروں کی بھیانک آوازوں سے کوٹھی کا چپہ چپہ گونج اٹھتا تھا۔ نواب صاحب کے سوتیلے بھائی پرویز کی حالت اس وقت قابل دید ہوتی تھی جیسے ہی جانوروں کی آوازیں سنائی دیتیں وہ اچھل کود مچا دیتا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بھی ان چیخنے والے جانوروں میں سے کوئی ایک ہے۔ طارق کا خیال تھا کہ پرویز پر بھی کسی بہت بڑے جن کا سایہ ہے۔ بعض اوقات تو وہ یہاں تک کہہ دیتا تھا کہ خود پرویز ہی ان ساری مصیبتوں کی وجہ ہے۔ لیکن نواب صاحب اس طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ ہر چند کہ پرویز ان کا سوتیلا بھائی تھا لیکن وہ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ واقعی انہیں کا دل گردہ تھا کہ وہ ایک پاگل آدمی کی جا بیجا خواہشات کا بھی احترام کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے تین پہلوان ملازم رکھے گئے تھے جو اسے گود میں اٹھائے پھر

کرتے تھے۔ وہ شروع ہی سے ایسا نہ تھا بلکہ آج سے آٹھ سال قبل اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ایک بار وہ چھت سے گر پڑا...... سر میں کچھ ایسی چوٹ آئی کہ اچھے ہو جانے پر بھی دماغی توازن ٹھیک نہ ہو سکا۔ صحت یاب ہو جانے کے بعد ایک عرصہ تک وہ بولا ہی نہیں، بس کبھی کبھی نوزائیدہ بچے کی طرح صرف غوں غاں کر لیا کرتا تھا۔ جس طرح بچے آہستہ آہستہ بولنا سیکھتے ہیں اسی طرح پھر سے وہ بھی بولنا سیکھ رہا تھا۔ اب تقریباً آٹھ سال گذر جانے کے بعد وہ اس قابل ہوا تھا کہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں تتلا تتلا کر دوسروں کو اپنی باتیں سمجھا سکتا تھا۔ نواب رشید الزماں نے اس کے علاج میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا لیکن اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہوئی۔

پہلے حادثات کے بعد ہی دن بھر پرویز رات کی باتیں رٹتا رہتا تھا۔ وہ ہر کس و ناکس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح ان واقعات کو دہراتا۔ دوسری رات جب اس نے کنوئیں سے چنگاریاں نکلتے دیکھیں اس وقت اس کی وہی کیفیت ہوئی جو کسی بچے کی آتش بازی دیکھ کر ہوتی ہے اور پھر تو وہ ان تماشوں کے انتظار میں کافی رات گئے تک جاگتا رہتا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر تھی وہ یہ کہ وہ طارق اور اس کے نیولے سے بُری طرح خائف رہا کرتا تھا۔ طارق کے سامنے وہ اسی طرح دم سادھ لیتا تھا جیسے کوئی نٹ کھٹ بچہ کسی بہت ہی غصہ ور بزرگ کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ اس کے اس رویہ کو بہت ہی تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ محض اسی بناء پر گھر کے بہتیرے نوکروں کا خیال تھا کہ طارق ہی ان سب مصیبتوں کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے اپنے خیال کے مطابق پاگل اور شیر خوار بچوں کو بھوت پریت دکھائی دیتے ہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ ان واقعات کا ظہور اسی دن سے ہونا شروع ہوا تھا جس دن سے طارق نے کوٹھی میں قدم رکھا تھا۔ وہ طارق کو ایک بہت ہی ناپاک قسم کا جادوگر سمجھنے لگے تھے جس کے قبضے میں بد روحیں تھیں۔ وہ سب کے سب طارق سے بُری طرح خائف تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے لیکن کوئی بھی کھل کر اپنی نفرت کا اظہار نہ کرپاتا تھا کہ وہ نواب صاحب کا معزز مہمان تھا۔ کس میں ہمت تھی کہ وہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا۔ کوٹھی میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق قرب وجوار میں کافی شہرت ہو گئی تھی اور نواب صاحب کا نو آمدہ مہمان بھی لوگوں کا خاص موضوع بحث بن کر رہ گیا تھا۔

بہتیرے لوگوں نے نواب صاحب کو رائے دی کہ وہ فی الحال کوٹھی چھوڑ کر کہیں اور

سکونت اختیار کرلیں، لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔ ان کی مضبوطی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی ابھی تک جمے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کا استقلال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ ہوا یہ کہ اچانک ایک دن اصطبل میں نواب صاحب کا ایک بیش قیمت گھوڑا مردہ پایا گیا۔ دوسرے دن ایک اچھی نسل کا کتا تیسرے دن ایک گائے مرگئی اور پھر تو اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً روزانہ کسی نہ کسی طرح کے پالتو جانور کی لاش ملتی۔ ان واقعات کے بعد کئی نوکر چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔ انہیں غالباً یہ ڈر تھا کہ کہیں جانوروں کے بعد آدمیوں کا نمبر نہ آجائے۔ لیکن نواب صاحب کا استقلال ابھی تک قائم تھا اب انہیں بھی قریب قریب یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ کنوئیں کے اندر پائی جانے والی لاش کے متعلق انہوں نے بعد میں یہ سوچ کر تسلی دے لی تھی کہ شاید وہ نظر کا دھوکا ہو لیکن جانوروں کی سلسلہ وار موتیں کسی طرح نظر انداز نہ کی جاسکیں۔ اس دوران میں بہتیرے عاملوں اور سادھو مہاتماؤں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ کسی طرح کوٹھی پر قبضہ کر لینے والی بدارواح کو بھگائیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

طارق ابھی تک ان کا مہمان تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت کی بناء پر نواب صاحب کو بھی اس پر کچھ کچھ شبہ ہونے لگا تھا لیکن وہ اس سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح چلا جائے لیکن وہ ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اکثر وہ نواب صاحب سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں جائے جب تک کہ نواب صاحب ان مصیبتوں سے گلو خلاصی نہ حاصل کر لیں گے۔ نواب صاحب نے دو ایک بار دبی زبان سے کہا بھی تھا کہ محض اس کی وجہ سے وہ تکلیف نہ اٹھائے لیکن طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع میں غزالہ کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ لیکن عاملوں اور سادھوؤں کے تھک ہار جانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ انسانی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس نے نواب صاحب سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور بہت دیر تک اس کے امکانات پر بحث کرتی رہی لیکن نواب صاحب نے اس کی باتیں ہنسی میں اڑادیں۔

"آخر یہ چیزیں انسانی سازش کا نتیجہ کیسے ہو سکتی ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"ایسے بہتیرے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جنہیں مافوق الفطرت سمجھا گیا لیکن بعد کو ان میں انسانی ہاتھ نظر آیا۔"

"وہ اور واقعات ہوں گے...... بھلا کوئی انسان درودیوار سے جانوروں کی آوازیں کس طرح پیدا کرسکتا ہے۔"

"فی الحال میں اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"میرا اشارہ اس کی طرف نہیں۔" غزالہ نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ وہی اس ساری مصیبتوں کا باعث ہو۔ ہمیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ وہ رہنے والا کہاں کا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کئی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ میں نے اس کا پنجہ نرم والا واقعہ آپ سے بتایا تھا۔"

"کسی کی طرف سے خواہ مخواہ بدگمان ہونا درست نہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ بدگمانی کہہ رہے ہیں۔" غزالہ بولی۔ "مجھے سو فیصدی یقین ہے۔"

نواب صاحب خاموش ہوگئے۔

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اس معاملہ میں فریدی صاحب کی مدد حاصل کی جائے۔"

نواب صاحب کے کمہلائے ہوئے چہرے پر یک بیک شگفتگی آگئی۔

لیکن پھر فوراً ہی اس پر ناامیدی کی گرد آلود تہیں چڑھ گئیں۔

"بھلا فریدی اس معاملہ میں کیا کرسکے گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"خواہ مخواہ اسے بلانے سے کیا فائدہ۔"

"اگر وہ کچھ نہ کرسکے تو کم از کم کوئی معقول رائے ہی دے سکیں گے۔"

"مگر وہ آئے ہی کیوں لگا۔"

"آئیں گے کیوں نہیں...... میں نے سنا ہے کہ آجکل وہ اور ان کا اسسٹنٹ تین ماہ کی چھٹی پر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سے استدعا کروں گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"خیر کوشش کرو اگر آجائے تو اچھا ہی ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی مدد نہ کرسکے گا۔"

"خیر اگر کچھ نہ ہوسکا تو کم از کم اتنا ہی ہو جائے گا کہ اگر اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے تو وہ کچھ

دنوں کے لئے اپنی حرکتیں شاید چھوڑ ہی دے۔"

"آدمی کا ہاتھ۔" نواب صاحب تنگ آ کر بولے۔ "بھلا کوئی آدمی در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں کیسے نکال سکتا ہے...... اور پھر یہ کہ آئے دن جانوروں کی موت کیا معنی رکھتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن مجھے سو فیصدی امید ہے کہ فریدی صاحب اس معاملہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالیں گے۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

تاریک رات اپنے سیاہ پر پھیلائے آہستہ آہستہ مغرب سے مشرق کی طرف تیر رہی تھی۔ تقریباً دو بج چکے تھے۔ آج بھی حسب دستور کنوئیں سے چنگاریاں نکلیں تھیں اور جانوروں کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں لیکن اس کوٹھی کے لوگ کچھ اس طرح ان چیزوں کے عادی ہو گئے تھے جیسے یہ ان کے لئے کوئی بات ہی نہ ہو، ویسے ان کے دلوں کو ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کہ دیکھیں صبح کسی جانور کی لاش سے سابقہ پڑتا ہے یا آدمی کی لاش سے۔

نواب صاحب غزالہ کے کمرے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ غزالہ نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آ سکی۔ آخر کار وہ تھک ہار کر کھڑکی کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے کمرے میں نیلے رنگ کا بلب روشن تھا۔ کمرے کی خاموش فضا میں نیلے رنگ کی بوجھل روشنی کچھ عجیب سی معلوم ہو رہی تھی۔ غزالہ جس کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اس کا رخ باغ کی طرف تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے دفعتاً چونک پڑی۔ ایک تاریک سایہ آہستہ آہستہ کنوئیں کی طرف رینگ رہا تھا۔ غزالہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ شور کر کے گھر والوں کو جگا دے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی۔ وہ انسانی سایہ کنوئیں کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے اپنے کاندھے سے کوئی چیز اتاری اور کنوئیں کی جگت کی قریب جا کر رک گیا۔

کنوئیں کی جگت کے قریب اُگے ہوئے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کوئی چیز کنوئیں میں پھینکی۔ اب وہ کنوئیں میں سر لٹکائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ٹارچ کی روشنی میں وہ کچھ دیکھنے لگا۔ قریب تھا کہ غزالہ کے منہ سے چیخ نکل جائے لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ٹارچ کی روشنی میں اُسے اس پراسرار آدمی کے چہرے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ یہ طارق کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ شاید درخت کے تنے سے رسی باندھ کر اسی کے سہارے کنوئیں میں

اترنے جا رہا تھا۔ غزالہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا حلق بند ہو گیا ہو، اور اب وہ کبھی نہ بول سکے گی۔ طارق کنوئیں میں اتر گیا۔ غزالہ محسوس کر رہی تھی جیسے اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہو رہی ہے۔ اسے طارق کی خوفناک آنکھیں یاد آ گئیں اور اس وقت وہ کتنی بھیانک ہو گئی تھیں جب وہ اسے عمل تنویم کے ذریعہ سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزالہ کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ ایک عجیب طرح کی سنسناہٹ اسے اپنے سارے جسم میں دوڑتی محسوس ہونے لگی، جسم میں جنبش کرنے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی۔ وہ وہیں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری نیند سو گئی۔ نہ جانے وہ کب تک اسی حال میں سوتی رہی۔ دفعتاً شور کی آواز سن کر وہ جاگ اٹھی۔ صبح ہو گئی تھی، لیکن سورج ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ مشرقی افق میں سرخیاں پھوٹ چلی تھیں۔ شور کی آواز باغ کی طرف سے آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ کنوئیں کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ غزالہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئی ہو گی کہ اس نے دیکھا دو نوکر پرویز کو اٹھائے ہوئے کوٹھی کی طرف لا رہے تھے ان کے پیچھے نواب صاحب اور طارق تھے۔

"کیا ہوا......؟" غزالہ بے اختیار بولی۔

"نہ جانے کب سے کنوئیں کے قریب بے ہوش پڑا تھا......!" نواب صاحب گھبراہٹ کے لہجے میں بولے۔

دفعتاً غزالہ کو رات کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ بے اختیاری میں کچھ کہنے والی تھی کہ طارق نے اپنی جھکی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ غزالہ لرز گئی۔ طارق سے آنکھیں ملتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی زبان پکڑ لی ہو۔ اس کے سارے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ اس کی بدلتی ہوئی حالت کا احساس قریب قریب سب کو ہو گیا۔

گھبراؤ نہیں............ ابھی یہ ہوش میں آ جائے گا۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔' طارق اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

یک بیک اس کے جسم کی تھرتھری ہٹ گئی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی ہو۔ حتیٰ کہ اسے اپنے دل کی دھڑکن پر بھی شبہ ہونے لگا کہ کہیں اچانک بند تو نہیں ہو گئی۔ وہ شانہ جس پر طارق نے ہاتھ رکھا تھا بالکل سن ہو کر رہ گیا تھا

طارق کے کاندھے پر اس کا عجیب و غریب نیولا بیٹھا ایک اخروٹ کتر رہا تھا۔

پرویز کو ایک صوفے پر لٹا دیا گیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں ضرور آ گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ فوراً ہی ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے اطمینان دلایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ چند معمولی تدابیر اختیار کرنے پر وہ بولنے کے قابل ہو گیا۔

"پرویز میاں......!" نواب صاحب بولے۔ "تم کنوئیں کے پاس کیوں گئے تھے۔"

"تتلی پکڑنے......!" پرویز تتلا کر بولا۔ "اس کے پلو میں چاند ستارے ٹکے ہوئے تھے۔"

"یا اللہ! اس کے حال پر رحم کر۔" نواب صاحب آبدیدہ ہو کر بولے۔

"منگادیجئے بھائی جان میلی تتلی۔" پرویز بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

"ہاں ہاں منگادیں گے۔" طارق مسکرا کر بولا۔ "تم چپ چاپ لیٹے رہو۔"

طارق کی آواز سن کر غزالہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نفرت کی بجائے خوف جھانک رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ وہ رات کا واقعہ بیان کر دے لیکن ہمت نہ پڑی۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سی پراسرار طاقت تھی جو ہر بار اس کی زبان روک دیتی تھی۔

ابھی تک سب پرویز کے صوفے کے گرد کھڑے تھے۔

''میلی دودھ پینے کی چھی چھی۔'' پرویز اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی منگوائے دیتا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

پرویز کی دودھ پینے کی شیشی کنوئیں کی جگت کے قریب ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔

"تم کس وقت وہاں گئے تھے۔" طارق نے پرویز سے پوچھا۔

''جب تالی بلی پر اونت بیٹھا پانی پی لہا تھا۔'' پرویز نے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے رات انہیں خبیث ارواح نے گھیرا تھا۔" طارق کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"انے گجالا اسے یہاں سے ہٹادو۔" پرویز نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے غزالہ سے کہا۔ "نہیں تو یہ مال ڈالے گا۔"

غزالہ کے رہے سہے شبہات بھی پرویز کے اس جملے پر رفع ہو گئے اور اسے پورا یقین ہو گیا

کہ ان شیطانی حرکتوں میں طارق کا ہاتھ ہے جس طرح وہ ایک ان جانے خوف کے ماتحت اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح شاید پرویز بھی ڈرتا ہے۔

اسی دن شام کو غزالہ کچھ ایسے انتظامات میں مشغول نظر آئی جیسے اسے سفر کرنا ہے۔ نواب صاحب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے ماموں کے یہاں شہر جا رہی ہے۔ نواب صاحب نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ وہ کچھ دن کے لئے کسی عزیز کے یہاں چلی جائے، انہوں نے اس سے کہا بھی تھا لیکن وہ اس پر تیار نہ تھی۔

غزالہ سات بجے شام کی گاڑی سے شہر روانہ ہو گئی۔

روانگی

غزالہ اسٹیشن سے ٹیکسی کر کے فریدی کے گھر پہنچی۔ فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ سرجنٹ حمید ریڈیو پر پکے گانے سن رہا تھا۔ غزالہ کو دیکھ کر اس نے ریڈیو بند کر دیا اور گھبراہٹ میں اس نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ آخر وہ خود ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔" غزالہ نے پوچھا۔

"کہیں گئے ہیں۔"

"شہر سے باہر۔"

"جی نہیں۔"

"کب تک لوٹیں گے۔"

"یہ بتانا ذرا دشوار ہے۔"

"خیر میں ان کا انتظار کروں گی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

"آپ نے ریڈیو کیوں بند کر دیا۔" غزالہ مسکرا کر بولی۔ "آپ کو پکے گانوں سے بڑی دلچسپی

معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں کچھ یوں ہی سی۔" حمید نے دوبارہ ریڈیو کی سوئی گھماتے ہوئے کہا۔

"کیا فریدی صاحب آج کل چھٹی پر ہیں۔"

"جی ہاں......!"

"اور آپ بھی۔"

"جی......!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد حمید اٹھا۔

"تو آپ بھی کہیں جارہے ہیں۔"

"ذرا چائے کے لئے کہہ دوں۔"

"اوہ تکلیف نہ کیجئے۔"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔"

حمید کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے میز پر رکھی ہوئی کتابیں الٹنی پلٹنی شروع کردیں۔ وہ اس وقت فریدی کی لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں لگی ہوئی تھیں۔ لائبریری کا کمرہ فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ غزالہ جس میز کی کتابیں دیکھ رہی تھی وہ اسی دیوار سے ملی ہوئی تھی جیسے ہی اس نے ریک میں لگی ہوئی کتابوں سے ایک کتاب اٹھائی اسے دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ دکھائی دیا اور ساتھ ہی سانپ کے پھنکارنے کی آواز آئی۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آواز پھر سنائی دی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ آواز دوسرے کمرے سے اس سوراخ کے ذریعے آرہی ہے۔ اس نے کتابیں ہٹا کر بے اختیار اپنی آنکھیں سوراخ سے لگادیں۔ دوسرے کمرے میں ایک بہت زیادہ طاقت والا بلب روشن تھا۔ پھنکار کی آواز سنائی دی اور غزالہ بے اختیار چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک بڑا سا کالا سانپ زمین پر بچھے ہوئے قالین پر رینگ رہا تھا۔

"حمید صاحب، حمید صاحب۔" وہ بے اختیار چیخنے لگی۔

"کیا بات ہے۔" حمید کمرے میں بے تحاشہ داخل ہو کر بولا۔

"وہ......وہ......کمرے میں سانپ" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے۔" غزالہ سوراخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

غزالہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"وہاں ایک نہیں سینکڑوں ہیں۔"

"جی......!" غزالہ کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"جی ہاں، وہ فریدی صاحب کا عجائب خانہ ہے۔ اتفاق سے اس وقت اس کمرے کی کنجی انہیں کے پاس ہے ورنہ میں آپ کو وہاں کی سیر کراتا۔"

"کیا انہوں نے سانپ بھی پال رکھے ہیں۔"

"جی ہاں سینکڑوں کی تعداد میں۔"

غزالہ خاموش ہوگئی۔ فریدی کی شخصیت اسے طارق کی شخصیت سے بھی عجیب معلوم ہونے لگی۔ جو اپنے کاندھے پر نیولا اٹھائے پھرتا ہے۔

"فریدی صاحب ساڑھے نو بجے تک واپس آجائیں گے کیونکہ یہ ان سانپوں کے دودھ پینے کا وقت ہوتا ہے۔"

"دودھ کون پلاتا ہے انہیں۔" غزالہ نے پوچھا۔

"خود فریدی صاحب۔"

غزالہ اسے پھر پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آیئے دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں، جیسے جیسے ان کے کھانے کا وقت قریب آتا جائے گا ویسے ویسے ان کی دھاچوکڑی بڑھتی جائے گی۔" حمید نے دیوار کے سوراخ کو کتابوں سے ڈھانکتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد چائے آگئی۔

"آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔" غزالہ بولی۔

"تکلیف......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ بھی کمال کرتی ہیں۔"

اس نے چائے بنا کر غزالہ کے آگے بڑھا دی۔

برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اس کی محبوبہ شہناز دروازہ میں کھڑی غزالہ کو گھور رہی تھی۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"آؤ...... آؤ۔"

شہناز اندر آکر بیٹھ گئی۔

"چائے......!" حمید نے اس کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں پی کر آئی ہوں۔" شہناز نے خشک لہجہ میں کہا۔

"آپ سے ملئے آپ غزالہ خانم ہیں۔ آپ شہناز بانو۔"

شہناز اور غزالہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے دو چار رسمی جملے دہرائے اور پھر خاموشی سے ایک دوسری کو دیکھنے لگیں۔

"بھئی چائے تو ہر وقت پی جا سکتی ہے۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"ضروری نہیں کہ میں بھی آپ کے اصول پر عمل کروں......!" شہناز نے اس انداز میں کہا کہ حمید جھینپ گیا۔ اب اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر شہناز غزالہ کو دیکھ کر کسی شبہ میں مبتلا ہو گئی ہے ایسی صورت میں اسے چھیڑنا یقیناً خطرناک بات تھی۔

"آپ فریدی صاحب سے ملنے آئی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوں......!"

حمید کے اس فضول جملے پر غزالہ سمجھ گئی کہ حمید شہناز کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ خود بھی فریدی کے متعلق گفتگو کرنے لگی۔

"معلوم نہیں فریدی صاحب کب آئیں گے۔ ان سے میرا ملنا ضروری ہے۔" غزالہ بولی۔

شہناز اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی انگریزی سروں میں سیٹی بجاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"ارے غزالہ خانم خیریت۔" فریدی نے دروازے میں رک کر کہا۔

سب لوگ کھڑے ہو گئے۔

"کب آئیں۔" فریدی نے غزالہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اسٹیشن سے اتر کر سیدھی ادھر ہی آئی ہوں۔"

"اور حمید صاحب آپ کو محض چائے پر ٹال رہے ہیں۔ بیٹھئے بیٹھئے۔"

پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ارے بھئی کھانے کے لئے کہو۔"

"نہیں نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے ایک عزیز کے یہاں جانا ہے۔"

"عزیز تو میں بھی ہوں۔ کیا نواب صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔

"بتایا تھا...... لیکن......!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں......!" فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حمید......!"

"خیر کھا لوں گی...... لیکن پہلے وہ کام ہونا چاہئے جس کے لئے میں آئی ہوں۔"

"کیا بات ہے کوئی خاص پریشانی......!"

"جی ہاں۔"

"بیان کیجئے۔"

"میں...... ہاں...... جی...... ابھی آپ کہیں سے تھکے ہوئے آرہے ہیں...... ذرا آرام کر لیجئے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ وہ شہناز کی موجودگی میں کچھ کہتے ہوئے ہچکچاتی ہے۔

"آیئے میں آپ کو اپنا گھر دکھاؤں......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

غزالہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"نہیں عجائب خانہ ضرور دکھایئے گا...... ابھی آپ کی لائبریری سے ایک سانپ دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا......!" فریدی نے کہا۔ "خیر آیئے۔"

دونوں ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔

"تم کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"نہیں تو......!"

"پھر چائے کیوں نہیں پی۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔"

"یقیناً چائے اچھی ہے تم پی کر تو دیکھو۔"

"چھوڑیئے..... آپ تو خواہ مخواہ جملوں کو توڑنے مروڑنے لگتے ہیں۔" شہناز نے تنگ آکر کہا۔

"لیکن آج تک کسی جملے نے مجھ سے اس کی شکایت نہیں کی۔"

"بس اب چل پڑا چرخہ......!" شہناز منہ بنا کر بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ وعدہ کرنے کے باوجود بھی کل کیوں نہیں آئے۔" شہناز نے کہا۔

"یہ فریدی صاحب سے پوچھو، ان کے چکر میں پڑنے کے بعد اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔"

"آج کل کون سا چکر..... چھٹی پر ہیں نا......!"

"جس پر ہر وقت کام کرنے کا بھوت سوار رہتا ہو اس کے لئے کیسی چھٹی اور کیسی مشغولیت، غزالہ کا اس وقت آنا مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"کیوں......!"

"کوئی غیر معمولی بات۔"

"تو آپ کو کس بات کی پریشانی ہے۔"

"پریشانی یوں ہے کہ کہیں یہ چھٹیوں کا زمانہ یوں ہی برباد نہ ہو جائے۔ اگر وہ کسی معاملے میں فریدی صاحب سے مدد لینے آئی ہے تو پھر چھٹیوں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

"یہ غزالہ کون ہے۔"

"داراب نگر کے جاگیر دار نواب رشید الزماں کی لڑکی۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

"دراصل میں یہ کہنے آئی ہوں کہ پرسوں میری سالگرہ ہے۔"

"تو کیا کھلاؤ گی مجھے۔"

"لیمن ڈراپس......!" شہناز نے کہا اور ہنسنے لگی۔

"نہیں ہم تو......!" وہ شہناز کے گال کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آپ شیطان ہیں۔" شہناز نے آہستہ سے کہا اور شرما کر سر جھکا لیا۔

"اچھا جی، ہم شیطان ہیں۔"

شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"جاؤ نہیں بولتے۔" حمید نے روٹھ جانے کی ایکٹنگ کی۔

"اس کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے آپ کو۔" شہناز بولی۔

"گانا آتا ہے..... بجانا آتا ہے..... مگر شرط یہ ہے ہاتھ میرے سر دوسرے کا ہو۔ تیرنا آتا ہے فن شہسواری کا ماہر ہوں۔ بچپن میں خود ہی گھوڑا بن جاتا تھا۔ کھانا پکا نہیں سکتا لیکن کھانا آتا ہے۔ والد بزرگوار اکثر فرماتے ہیں کہ......!"

"بس بس......!" شہناز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پھر چل پڑا چرخہ۔"

"اچھا اسے جانے دو......" حمید سنجیدہ ہو کر بولا۔ "تم پھولوں سے زیادہ حسین ہو۔ کنول سے زیادہ نازک، تمہاری آواز نہیں شہد کی بوند ہے جب تم مسکراتی ہو تو کلیاں کھل جاتی ہیں، جب چلتی ہو تو قیامت اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے اور جب نہیں چلتی ہو تو قیامت اپنا ارادہ بدل کر...... اوہ وہ...... بدل کر...... کیا کرنے لگتی ہے...... جانتی ہو...... تم نہیں جانتیں۔ اچھا میری آنکھوں میں دیکھو...... کیا دکھائی دیتا ہے۔"

"کلیوں کا تبسم، پھولوں کا نکھار" شہناز حمید کے لہجے کی نقل کرتی ہوئی بولی۔

"چتوں کی جوانی، بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج وغیرہ وغیرہ۔"

"تب تو تم ضرور اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میری آنکھوں میں صرف دیدے ہیں...... دیدے...... کیا سمجھیں۔"

"اپنا سر!" شہناز جھینپ کر بولی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کھانے کی اطلاع دی۔

"انسپکٹر صاحب اور مہمان کھانے کی میز پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں تو چلی......!" شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"واہ چائے نہیں پی تو کھانا بھی نہ کھاؤ گی۔" حمید نے کہا۔

کھانے کی میز پر زیادہ تر خاموشی ہی رہی، فریدی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر حمید کا ماتھا ٹھنکا۔ فریدی کا اس طرح سوچ میں ڈوب جانا خاص ہی خاص موقعوں پر دکھائی دیتا تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر غزالہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا تو میں چلتی ہوں...... اسٹیشن پر تین بجے آپ لوگوں کا انتظار کروں گی۔"

"بہت اچھا......!" فریدی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور بیٹھ گیا۔ وہ اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ غزالہ کو رخصت کرنے کے لئے برآمدے تک بھی نہ گیا۔

حمید اور شہناز اسے پھاٹک تک پہنچا کر لوٹ آئے۔

"تو کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں ایک ضروری کام ہے۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے...... میں آپ لوگوں کو مدعو کرنے آئی تھی۔"

"مگر تم نے اس وقت مدعو کیا جب میں نے ایک دوسرے سے وعدہ کر لیا۔ پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔"

"موقع ہی کہاں مل سکا۔" شہناز نے کہا اور حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"واپسی کب تک ہو گی۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔"

شہناز تھوڑی دیر منہ لٹکائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

حمید کو فریدی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ وہ شہناز کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

"بھئی بتاؤ اب میں کیا کروں۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

شہناز کوئی جواب دیئے بغیر سڑک پر ہو لی اور حمید لوٹ آیا۔

"ایک بہت دلچسپ کیس......!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے چھٹیوں میں اس قسم کی دلچسپیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"بکو نہیں، تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"حکم حاکم مرگ مفاجات۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"یہ بات نہیں پیارے..... چلو بس مزہ آ جائے گا۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

حمید خاموش رہا۔

"بھئی تمہارے عشق سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کرے کہ آپ کو بھی کسی سے ہو جائے۔" حمید جل کر بولا۔

"اسی دن خودکشی کر لوں گا برخوردار۔" فریدی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تو تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ آپ کو عشق ہو گیا۔"

"اف فوہ اس قدر عاجز آ گئے ہو مجھ سے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر خیر جا کر اپنا سامان درست کرو۔ ہمیں تین بجے کی گاڑی سے داراب نگر جانا ہے۔"

حمید خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور فریدی نے سگار سلگا کر ٹہلنا شروع کر دیا۔

لائبریری میں لاش

غزالہ دونوں کا اسٹیشن پر انتظار کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید وقت پر پہنچ گئے۔ ان کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا گیا۔

ٹرین پر غزالہ نے پھر وہی گفتگو چھیڑ دی۔ حمید کو اس بارے میں ابھی تک کچھ بھی معلوم نہیں تھا چونکہ اس کو طوعاً و کرہاً جانا پڑ رہا تھا اس لئے اس نے اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے کے لئے فریدی سے یہ بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ آخر داراب نگر جانے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ٹرین پر جب اس کا تذکرہ ہونے لگا تو اس کی دلچسپی بھی بڑھ گئی اور وہ خلاف عادت بشاش نظر آنے لگا۔ اس کی فطرت بھی عجیب تھی۔ کام کے موقعوں پر وہ ہمیشہ ایسی گفتگو کرنے لگتا تھا جیسے وہ انتہائی نکما اور کام چور قسم کا آدمی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ جب وہ کسی کام میں لگ جاتا تھا تو اسے پوری پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ خطرناک موقعوں پر بظاہر وہ ایک ڈرپوک قسم کا

مسخرہ نظر آتا تھا لیکن خود اس کی دل کی گہرائیوں میں خوف کی ایک ننھی سی لہر بھی نہ ہوتی تھی۔

فریدی اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

غزالہ نے طارق اور اس کے عجیب و غریب نیولے کا ذکر چھیڑ رکھا تھا۔ معلوم نہیں کیوں فریدی کی موجودگی میں اسے طارق کی خوفناک آنکھیں نہیں یاد آئیں۔

"میں نے بھی ایسا نیولا آج تک نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً وہ ایک نایاب چیز ہے اور بہتیری غیر معمولی خصوصیات کا حامل بھی۔ برازیل کے قدیم باشندے اسے شاکی کہتے ہیں اور بہت ادب سے اس کا نام لیتے ہیں کیونکہ وہ ان کا ایک دیوتا ہے۔ ایک خاص تہوار کے موقع پر وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یقیناً طارق کو اسے حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ فریدی سگار کا کش لے کر خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اس کے بارے میں طارق سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔

"کیا یہ وہی طارق تو نہیں، جو دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا ہے۔"

"ہاں...... لیکن کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور ٹرین کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔

حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی ایسے موقعوں پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا جب وہ کسی گہری سوچ میں ہو۔ اس لئے اس نے غزالہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

وہ اس سے واقعات کی تفصیل پوچھتا رہا۔

فریدی پھر چونکا۔

"حمید کیا تمہیں دھرم پور کے جنگلوں کے بھوت یاد نہیں۔"

"یاد ہیں، لیکن یہ معاملہ اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں...... !"

"اس لئے کہ ہم یہ سارے واقعات شاید اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ بھلا در و دیوار سے

جانوروں کی آوازیں آنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر جانوروں کی موتیں۔ کنوئیں سے چنگاریوں کا نکلنا تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"جانوروں کے بعد اب آدمی کا نمبر آیا ہی چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار کا ایک طویل کش لے کر کہا۔

غزالہ بے اختیار چونک پڑی۔

"کیا مطلب...... !"

"گھبرائیے نہیں...... آپ بالکل ٹھیک وقت پر میرے پاس پہنچیں۔" فریدی نے کہا۔

"نواب صاحب پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ ان کا ذہن بھوتوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ کیا جانیں کہ سائنسی دور میں ایک معمولی آدمی بھی اس قسم کے معجزے دکھا سکتا ہے۔"

"خیر یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ سائنس کا کرشمہ ہے۔ البتہ یہ ضرور یقین رکھتی ہوں کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے، جو اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے رہا ہے۔"

"غالباً آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس گفتگو کے بعد پھر خاموشی چھا گئی اور فریدی خلاء میں گھورنے لگا۔ کچھ ملگجا سا سماں تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت انگیز جھونکے صبح کی آمد کا پیام دے رہے تھے۔ حمید اونگھنے لگا تھا۔ غزالہ کی خوبصورت آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی کے چہرے پر بس تازگی نظر آ رہی تھی۔ جیسے وہ رات بھر سوتے رہنے کے بعد سورج نکلنے سے قبل اٹھ گیا ہو۔ تھکن کی ایک شکن بھی اس کی پیشانی پر نہ تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

تقریباً چھ بجے وہ لوگ داراب نگر پہنچ گئے۔ کوٹھی کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی غزالہ کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ پورٹیکو میں دو تین کانسٹیبل کھڑے تھے اور کچھ اس قسم کی پریشان کن آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔

غزالہ فریدی اور حمید کو پیچھے چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگی۔

وہ دونوں ٹیکسی پر سے سامان اتروا ہی رہے تھے کہ غزالہ دوڑی ہوئی واپس آئی۔

"لاش، لائبریری میں لاش۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کس کی لاش......!" فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اباجان کے پرائیویٹ سیکریٹری کی۔"

"اور آخر وہی ہوا...... جس کا کھٹکا تھا۔" فریدی نے سامان وہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ غزالہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیز قدموں سے کوٹھی کی طرف جارہی تھی۔

متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ لائبریری کے برآمدے میں پہنچے۔

یہاں گھر کے سارے نوکر اکٹھا تھے اور دونوں کو آتا دیکھ کر وہ ادھر اُدھر ہٹ گئے۔

لائبریری میں دو سب انسپکٹر ایک ہیڈ کانسٹیبل، طارق اور نواب صاحب کھڑے تھے۔

کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی کرسی کے پاس ایک آدمی اس طرح پڑا تھا جیسے وہ اسی کرسی پر بیٹھے بیٹھے زمین پر لڑھک گیا ہو۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک کرسی ہی پر تھا۔

"ارے فریدی میاں......!" نواب صاحب بے ساختہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "بھئی ٹھیک وقت پر آئے۔"

"یہ واقعہ کب ہوا۔"

"معلوم نہیں...... لیکن صبح مجھے ایک نوکر نے آکر اس کی اطلاع دی۔"

"ہوں......!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا بتاؤں کہ میں کن مصیبتوں میں پھنس گیا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"مجھے غزالہ صاحبہ کی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تو کیا غزالہ تمہارے ہی پاس گئی تھی۔" نواب صاحب بولے۔ "اس نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ میری تو عقل ہی ماری گئی تھی۔"

"آپ کی تعریف......!" ایک سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"ارے آپ انہیں نہیں جانتے۔" نواب صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محکمہ سراغرسانی کے انسپکٹر فریدی ہیں۔"

"اوہ......!" سب انسپکٹر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تب تو پھر ہم لوگوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔"

"آپ لوگ خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کوئی زخم نہیں...... کوئی نشان نہیں۔ گردن بھی ہم نے بغور دیکھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کیسے واقع ہوئی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ذرا میں بھی دیکھ لوں۔" فریدی نے لاش کے قریب جھکتے ہوئے کہا، وہ بڑی دیر تک اپنے محدب شیشے سے لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی نے سب انسپکٹر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"کوئی نشان نہیں، آپ نے ابھی تک کسی ڈاکٹر کو نہیں بلوایا۔"

"آ ہی رہا ہو گا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"کیا یہ رات میں باہر بیٹھا کرتا تھا۔" فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"نہیں...... کل ہی میں نے اسے ایک کتاب تلاش کرنے کے لئے یہاں بھیجا تھا اور مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ کتاب تلاش کر کے اپنے کمرے میں آ گیا ہو گا۔"

"غالباً وہ اس کرسی پر بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اچانک کوئی خوفناک چیز دیکھ کر دل کی حرکت بند ہو گئی۔" طارق نے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"اور وہ خوفناک چیز کیا ہو سکتی ہے......!" فریدی نے ایسے لہجے میں کہا کہ طارق گڑبڑا گیا۔

"ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ آپ کو سب حالات معلوم ہو چکے ہیں۔" طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ شاکی آپ کو کہاں سے ملا۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

"اوہ......!" طارق نے چونک کر کہا۔ "تو آپ اس کا نام جانتے ہیں۔"

"ان دیوتا مہاراج کو کون نہ جانے گا۔"

طارق فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

"آپ معائنہ کر سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہم لوگ دیکھ بھال کر چکے ہیں۔"

ڈاکٹر کافی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"موت واقع ہوئے تقریباً چار یا پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔

"موت کی وجہ......!" فریدی نے پوچھا۔

"اچانک قلب کی حرکت بند ہو گئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھا آپ نے......!" طارق بے ساختہ بولا۔

"کیا دل کی کسی بیماری میں مبتلا تھا۔" فریدی نے طارق کی بات کو نظر انداز کر کے نواب صاحب سے پوچھا۔

"ہاں......اسے عرصہ سے اختلاج قلب کی تکلیف تھی۔"

"تب تو میرے خیال سے ہمیں واپس ہی چلنا چاہیئے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ٹھہریئے۔ ابھی شبہات رفع نہیں ہوئے۔" فریدی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

وہ کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"نواب صاحب...... کیا یہاں روز رات کو کوئی بیٹھا کرتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں خود بلاناغہ دو تین گھنٹے یہاں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔"

"ٹھیک......!" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی کشتی نما ٹوپی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ غالباً اسی کی ٹوپی ہے۔"

"نہیں میری ہے۔"

"آپ کی......!" وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں......اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔" نواب صاحب حیرت سے بولے۔

"آپ کون سا تیل استعمال کرتے ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" نواب صاحب اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جھینپتے ہوئے بولے۔

"معاف کیجیے گا......ایک بہت ضروری سوال تھا۔" فریدی نے میز پر ٹوپی رکھتے ہوئے کہا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے دوسروں کی موجودگی کو قطعی فراموش کر دیا ہو۔

حیرت انگیز انکشافات

فریدی کی آنکھیں دبے ہوئے جوش کا اظہار کر رہی تھیں۔ ایک بار رک کر اس نے سگار سلگایا اور دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد پھر ٹہلنے لگا۔ کھڑکی کے قریب جا کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور نواب رشید الزماں کے سامنے کھڑا ہو کر انہیں گھورنے لگا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اتنی رات گئے تک کتاب کیوں ڈھونڈھتا رہا۔ کیا اس کے بارے میں آپ کا کوئی سخت حکم تھا۔"

"بالکل نہیں۔" نواب صاحب بولے۔ "میں نے اس سے شام کو کہا تھا کہ کسی وقت کتاب ڈھونڈھ لے گا۔ میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ رات ہی کو ڈھونڈھ لے۔"

"کیا آپ کل حسب دستور یہاں آئے تھے۔"

"نہیں......جب سے یہ واقعات رونما ہونے شروع ہوئے ہیں میں نے رات میں یہاں بیٹھنا قریب قریب ترک کر دیا ہے۔ اگر کبھی آتا بھی ہوں تو دس بجے سے پہلے پہلے اٹھ جاتا ہوں۔"

"کل رات آئے تھے یا نہیں۔"

"کل شام ہی سے میری طبیعت بھاری تھی......اسلئے میں نے پڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ٹھیک......!" فریدی نے کہا اور ٹہلنے لگا۔

"آپ بے کار پریشان ہو رہے ہیں، یہ کھلا ہوا آسیبی معاملہ ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

فریدی نے اسے ہاتھ اٹھا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

پولیس والے مسکرا کر رہ گئے۔ صرف حمید اور غزالہ خاموشی کے ساتھ فریدی کی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ طارق کے ہونٹوں پر اس کی پراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

فریدی کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ اسی کرسی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔"

"ہاں......!"

"قریب قریب ہمیشہ۔"

نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔ وہ فریدی کے الٹے سیدھے سوالات سے کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آرہے تھے۔

"ایک بات اور...... کیا آپ پڑھتے وقت ایک بار پانی پینے کے عادی ہیں۔"

"ہاں......!" نواب صاحب حیرت سے بولے۔ "لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے ایک بار پھر کھڑکی کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

اس نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر ادھر اُدھر دیکھا اور نواب صاحب کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"ذرا دو منٹ کے لئے اس کرسی پر بیٹھ جائیے۔" فریدی نے اس لاش کے قریب والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔

"امید ہے آپ بُرا نہ مانیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔"

نواب صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اور اب یہ ٹوپی پہن لیجئے۔" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی ٹوپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔ نواب صاحب بھی خفیف ہوئے لیکن فریدی کی کڑی نظروں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے چہروں پر ایک بار پھر سنجیدگی پھیلا دی۔

نواب صاحب نے ٹوپی پہن لی۔

"میں ایک منٹ آیا۔" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری کی پشت پر آکر کھڑے ہوگئے۔

"دیکھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑکی سے صرف نواب صاحب کی ٹوپی دکھائی دے رہی ہے اور ان کی پیٹھ ہماری طرف ہے اور اس کھڑکی کی اونچائی بھی تم دیکھ رہے ہو۔"

"تو کیا......!" حمید کی آنکھوں سے حیرت کی جھلکیاں دکھائی دیں۔

"تم یہیں ٹھہرو...... اور ان کا خیال رکھنا۔" فریدی نے کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ایک

ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ان پر کڑی نظر رکھنا کوئی انہیں چھونے نہ پائے۔" فریدی نے کہا اور لائبریری میں چلا گیا۔ نواب صاحب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"اب اٹھ جائیے...... یہاں کا کام ختم۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب اٹھ گئے۔ ہر ایک کی حیرت زدہ نگاہیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"اب اگر آپ لوگ ایک دلچسپ تماشہ دیکھنا چاہیں تو میرے ساتھ آیئے۔" فریدی ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ کر بولا۔ "دیوان جی آپ یہیں لاش کے پاس ٹھہریئے۔"

ہیڈ کانسٹیبل کے علاوہ اور سب لوگ فریدی کے ساتھ لائبریری کی پشت پر آگئے۔ حمید ابھی تک کھڑا ٹھیکروں کی نگرانی کر رہا تھا۔ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک کمرے کی کھڑکی میں لٹکے ہوئے پیتل کے بڑے سے حلقے میں ایک سفید رنگ کا بھاری بھر کم طوطا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے ایک پیر میں سنہرے رنگ کی ایک سبک سی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ زنجیر کا دوسرا سرا حلقے میں لٹکا ہوا تھا۔

"بہت خوبصورت طوطا ہے۔" فریدی نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب اس کا منہ دیکھنے لگے۔

"کیا آپ اسے یہاں منگوا سکتے ہیں۔" فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔

"کیوں نہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔ لیکن ان کی نظروں میں حقارت کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی نے اسے محسوس کیا لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔

نواب صاحب کے اشارے پر ایک نوکر طوطے کو کھڑکی سے اتار لایا۔

فریدی کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ٹھیکروں کی طرف بڑھا۔ ایک بڑا سا ٹھیکرا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اٹھا کر طوطے سے قریب لایا اور اس کی چونچ سے لگا دیا۔ طوطا پانی پینے لگا۔ ابھی وہ پانی پی ہی رہا تھا کہ طارق کا نیولا اچھل کر فریدی کے ہاتھ پر آرہا۔ ٹھیکرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

فریدی نے مسکرا کر طارق کی طرف دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے جناب۔" طارق نے معذرت کرتے ہوئے نیولے کو پکڑ لیا۔

"کھیل واقعی بڑا دلچسپ ہے۔" نواب صاحب طنزیہ انداز میں بولے۔

"دیکھتے جائیے، اصل کھیل تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا......!" نواب صاحب کا طنزیہ انداز بدستور قائم رہا۔

"ذرا ایک خالی بوتل منگوائیے۔" فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔

فریدی نے طوطے کا حلقہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی تیز نگاہیں طوطے کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔

"حمید! بقیہ ٹھیکروں کا پانی احتیاط سے اس بوتل میں ڈال لو۔" فریدی نے بوتل نوکر کے ہاتھ سے لے کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہر چند کہ معاملات بہتوں کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ لیکن ہر ایک کی نظر طوطے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ یک بیک طوطے نے پر پھڑپھڑانے شروع کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے حلقے سے لڑھک کر زنجیر میں جھول گیا۔

"ارے......!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا اور انہوں نے جھپٹ کر حلقہ فریدی کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ارے یہ تو مر گیا۔" نواب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

فریدی ان کی بات سنی ان سنی کر کے سب انسپکٹر پولیس کی طرف مڑا۔

"داروغہ جی...... آپ سکریٹری کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ...... یہ مردہ طوطا بھی۔"

"تو کیا...... تو کیا......!" سب انسپکٹر اس کے آگے نہ کہہ سکا۔

"جی ہاں...... جس زہر نے طوطے کی جان لی، وہی سکریٹری کی موت کا بھی باعث ہے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"زہر......!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جناب والا......!" فریدی نے قدرے جھکتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی واضح رہے کہ زہر دینے والے کا نشانہ خود آپ تھے وہ تو یہ کہئے سکریٹری کی قضا آئی تھی۔"

"میں......!" نواب صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں......!"

"مگر کیسے۔"

"بہت ہی معمولی بات ہے۔ آیئے لائبریری میں چل کر آپ کو سمجھاؤں۔"

فریدی نے طارق کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

سب لوگ پھر لائبریری میں چلے آئے۔ فریدی کی گفتگو سن کر غزالہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"سکریٹری کی موت کا باعث غالباً آپ کی ٹوپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو، جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔" نواب صاحب نے اکتا کر کہا۔ "میں اختلاج قلب کا مریض ہوں۔"

"ٹھہریئے...... ابھی آپ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کوئی تیل استعمال نہیں کرتے، لیکن ذرا اس ٹوپی کا اندرونی حصہ سونگھئے۔" فریدی نے ٹوپی نواب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب نے ٹوپی کو لے کر سونگھا اور سر ہلانے لگے۔

"ایسی ہی خوشبو اس کے سر میں بھی موجود ہے۔" فریدی نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رات پڑھتے وقت شاید اس نے آپ کی ٹوپی پہن لی تھی۔ میں نے آپ کو یہ ٹوپی پہن کر اس کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ باہر جا کر دیکھا تو ادھر سے صرف آپ کا سر نظر آرہا تھا اور پشت میری طرف تھی۔ زہر دینے والا سمجھا شاید آپ ہی لائبریری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ سے پڑھتے وقت بار بار پانی کے متعلق پوچھا تھا...... میرا خیال صحیح نکلا۔ میں اس کھڑکی پر بے شمار دائرے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہاں صراحی رکھی جاتی ہے اور یہ دائرے اس کی بھیگی ہوئی پینڈی کے نشانات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہو سکتے۔ قاتل شاید آپ کی اس عادت سے واقف تھا۔ اس نے پیچھے ہی سے ہاتھ بڑھا کر یہاں رکھی ہوئی صراحی میں زہر ڈال دیا۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہی ہے زہر کتنا زود اثر ثابت ہوا ہے۔ صرف دو منٹ میں طوطے کی جان نکل گئی۔ آپ کا سکریٹری بھی غالباً کثرت سے سگریٹ پیتا تھا۔ جیسا کہ میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے سے ظاہر ہوتا ہے اور گرمیوں میں سگریٹ پینے کے بعد پیاس ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مرحوم نے صراحی کا پانی پیا اور...... پھر تو آپ جانتے ہی ہیں...... قاتل بعد میں اپنی اس حرکت کا نتیجہ دیکھنے آیا اور

جلدی میں صراحی کو ہاتھ مار کر نیچے گرا دیا۔ اس کی یہ جلدی اور بوکھلاہٹ کسی غلطی کے اچانک احساس ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ صراحی کے ٹوٹنے کی آواز سن کر زیر کے لوگ جاگ بھی سکتے ہیں۔"

فریدی رک کر سگار سلگانے لگا۔

"لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والا اس وقت بھی یہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا جب زہر دینے والے نے باہر سے دیکھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس کے متعلق وثوق سے میں نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"بہر حال نواب صاحب کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایک سیکریٹری کی جان لینے کے لئے اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"اودھم سے کیا مطلب......!" نواب صاحب بولے۔

"جانوروں کی موتیں، وحشی درندوں کی آوازیں اور آگ اگلتا ہوا کنواں۔" فریدی نے کہا اور سامنے کی دیوار پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

طارق اپنے نیولے کو کاندھے پر بٹھائے بے تابانہ ٹہل رہا تھا۔

غزالہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عنقریب بیہوش ہونے والی ہے۔

"داروغہ جی......اس بوتل کو سیل کر دیجئے۔" فریدی نے بوتل حمید کے ہاتھ سے لے کر سب انسپکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسی بوتل میں حمید نے ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کا پانی جمع کیا تھا۔"

فریدی نواب صاحب کی طرف مڑا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر اتنی رات گئے تک وہ لائبریری میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق تقریباً دو ڈھائی بجے اس کی موت واقع ہوئی۔ کیا وہ آپ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات سے خائف نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں رات کو تو کوئی اپنے پلنگ سے اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا ہوگا۔"

"تمہارا خیال قطعی درست ہے۔" نواب صاحب بولے۔

فریدی پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

غزالہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بتا دے کہ اس نے ایک آدمی کو ایک رات کنوئیں میں اترتے دیکھا تھا۔ لیکن طارق سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس سے آنکھیں ملتے ہی اسے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے یہ بات فریدی کو بھی نہ بتائی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا خیال آتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی۔ اس نے اس وقت طارق کے نیولے کو فریدی کے ہاتھ سے ٹھیکرا گراتے بھی دیکھا تھا۔ اس چیز نے اس کے شبہات کو اور زیادہ تقویت دے دی۔

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا ٹہل رہا تھا۔ دفعتاً سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر بولا۔

"داروغہ جی میرے خیال سے اب لاش اٹھوانے کا انتظام کیا جائے۔ بہر حال اب آپ کو دوسری رپورٹ لکھنی پڑے گی۔"

"فریدی صاحب در حقیقت آپ جادوگر ہیں۔" سب انسپکٹر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

سب انسپکٹر لاش اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد لائبریری میں صرف حمید، فریدی اور غزالہ نواب صاحب اور طارق رہ گئے۔ فریدی ابھی تک خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔

"آپ کی لائبریری بہت شاندار ہے۔" وہ نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ ناشتہ کب کریں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"ہاں بھئی نو بج گئے۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"اگر ناشتہ یہیں منگوا لیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

غزالہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

فریدی ٹہلتا ہوا پھر کھڑکی کے پاس آ گیا۔

"یہ کیا تماشہ ہے۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے چونک کر بولا۔

نواب صاحب اور حمید کھڑکی کے قریب آ گئے۔ نواب صاحب کا سوتیلا بھائی پرویز ایک پہلوان کی گود میں چڑھا ہوا دودھ دانی سے دودھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تتلا تتلا کر کچھ کہتا بھی

جارہا تھا۔

"یہ تماشہ نہیں میری بدنصیبی ہے۔" نواب صاحب سرد آہ بھر کر بولے۔

"کیا مطلب......!"

"میرا چھوٹا بھائی پرویز...... تقریباً آٹھ سال ہوئے سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کبھی مجھے اس پر فخر تھا۔ آج بھی جب میں اس کی لائبریری میں جاتا ہوں تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اتنا قابل اور پڑھا لکھا اور اس کا یہ انجام۔ برلن یونیورسٹی سے اس نے فلسفے میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ اب بالکل بچوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔"

فریدی بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اچانک حمید بے اختیار ہنسنے لگا۔ پرویز پہلوان کی گود سے اتر کر ایک تتلی کے پیچھے گھٹنوں کے بل دوڑنے لگا تھا۔

حمید کے اس ہنسنے پر فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نواب صاحب کی دل شکنی ہو۔

"آپ نے انہیں کسی سائیکو انیلیسٹ کو بھی دکھایا۔" فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"سب کچھ کر کے تھک ہار گیا ہوں۔"

"واقعی بڑی افسوس ناک بات ہے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ناشتے کا سامان آ گیا۔ سب لوگ ایک بڑی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ زہر کس نے دیا۔" نواب صاحب بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن احتیاط ضروری ہے۔ آپ اور غزالہ کافی محتاط رہئے...... مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ یہ حملہ آپ ہی پر ہوا تھا۔"

"آخر کیوں...... اور وہ کون ہو سکتا ہے۔" نواب صاحب بے چینی سے بولے۔

"وہی جس نے یہ سب سوانگ رچایا ہے۔ اس خیال میں نہ رہئے کہ یہ کوئی آسیبی خلل ہے۔ غزالہ نے جس وقت جانوروں کی موت کے متعلق بتایا تھا اسی وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ اب کسی آدمی کا نمبر آنے والا ہے۔"

نواب صاحب حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

"جناب والا آپ کا نیولا مجھے بہت پسند ہے۔" فریدی طارق سے بولا۔

"شکریہ......!" طارق مسکرا کر بولا۔

"جس وقت یہ اچھلا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ضرور اس پانی میں زہر ملا ہوا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" طارق چونک کر بولا۔

"اس کی اسی خصوصیت پر شداگا قبیلے کے لوگ اسے دیوتا سمجھتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے خطرات کی بو سونگھ لینا اس کی ایک ادنیٰ خصوصیت ہے۔"

"کیا آپ کبھی برازیل گئے ہیں۔" طارق بولا۔

"ہاں...... ایک زمانے میں مجھے پرانے دفینوں کی تلاش کا خبط تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا......!" طارق دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"اسی سلسلے میں برازیل بھی جانا ہوا تھا۔" فریدی لاپروائی کے ساتھ بولا۔

"لیکن افسوس ہے کہ ماناؤز سے سو میل بھی آگے نہ جا سکا۔"

"ماناؤز...... ماناؤز......!" طارق بے چینی سے بڑبڑاتا ہوا کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

"ماناؤز سے سو میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف...... دریائے آمیزن کے اتری کنارے پر سیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ...... جہاں......؟ مگر یہ سب کیوں بک رہا ہوں۔"

"کوئی ہرج نہیں...... میں کافی دلچسپی لے رہا ہوں۔" طارق نے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا...... کیا آپ کو بھی دفینوں سے دلچسپی ہے۔"

"نہیں کوئی ایسی خاص دلچسپی تو نہیں...... البتہ مجھے سیاحت کا ضرور شوق ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر یہ شوق بھی برا نہیں۔" فریدی نے نواب صاحب کی طرف اچانک مڑتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے مرحوم سیکریٹری کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"کس قسم کی معلومات......!" نواب صاحب نے پوچھا۔

"پہلی بات یہ کہ وہ آپ کے یہاں کتنے دن سے ملازم تھا۔"

"اس کی پرورش ہی اس گھر میں ہوئی تھی۔"

"اس کا کوئی عزیز......!"

"کوئی نہیں.... قحط کے زمانے میں خریدا گیا تھا۔ اس وقت اسکی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔"

"ہوں.....!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کا کوئی دشمن۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک انتہائی خوش اخلاق اور بے ضرر آدمی تھا۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔"

"یہ بتانا دشوار ہے۔"

"آپ نے کونسی کتاب ڈھونڈھنے کے لئے اسے بھیجا تھا۔"

"ایک قلمی نسخہ جو اسی عمارت کے متعلق تھا۔"

فریدی یک بیک اچھل پڑا۔

"اس عمارت کے متعلق...... کیا آپ نے اسے پڑھا تھا۔"

"ہاں ایک بار دو ایک صفحات پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔"

"کوئی خاص بات تھی اس میں۔"

"ظاہر ہے کہ اگر کوئی خاص بات ہوتی تو دو ہی ایک صفحے پڑھ کر کیوں رہ جاتا۔"

"اوہ...... خاص بات ضرور تھی...... مگر خیر...... یہ بتائیے کہ اچانک آپ کو اسے تلاش کرانے کی کونسی ضرورت پیش آگئی۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب پھر کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

"ان سوالات کا حادثے سے کیا تعلق۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بہت بڑا تعلق ہے...... بظاہر میرے سوالات آپ کو قطعی بے ربط اور غیر متعلق معلوم ہو رہے ہیں لیکن میرا طریقہ کار کچھ اسی قسم کا ہے۔"

"میں نے اس کتاب کا تذکرہ طارق سے یونہی دوران گفتگو میں کیا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اُسے کیوں دیکھنا چاہتے تھے۔" فریدی اچانک طارق کی طرف مڑ کر بولا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے پرانی عمارتوں سے دلچسپی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔ "میں نے سوچا ممکن ہے اس میں کوئی بات میری معلومات میں اضافہ کرنے والی ہو۔"

"وہ کتنی پرانی رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہرو...... میں ابھی دکھاتا ہوں۔" نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیکار...!" فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اب یہاں موجود نہیں۔"

"کیا مطلب......!"

"میرا خیال غلط تھا۔" فریدی نے کہا۔ "دراصل وہ کتاب ہی آپ کے سیکریٹری کی موت کا باعث بنی ہے۔"

فریدی طارق کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فریدی کو گھور رہا تھا۔ آنکھیں ملتے ہی وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ وہ کتاب اسی عمارت کے متعلق تھی۔" فریدی نے نواب صاحب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ اندازاً بھی اس کی تاریخ مجھے نہیں بتا سکتے۔"

"وہ کتاب تین سو سال سے کسی طرح کم پرانی نہ رہی ہوگی۔" نواب صاحب بولے۔

"تین سو سال......!" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ عمارت تو جدید طرز کی ہے۔"

"جس حصے میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اسے بنے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ پرانی عمارت تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ اس کے کچھ کھنڈرات ابھی تک پچھلے حصے میں باقی ہیں۔"

"اوہ...... تب تو میں سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سیکریٹری کی موت کتاب ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔"

"مگر کیسے......؟" نواب صاحب بے چینی سے بولے۔

"اس کتاب میں اس عمارت کے متعلق کوئی گہرا راز تحریر تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ وہ نڈر ہو کر رات کے اس حصے میں بھی لائبریری میں بیٹھا رہا جب کہ دوسرے اپنے کمروں سے نکلنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت اور کون کون موجود تھا جب آپ نے اسے کتاب تلاش کرنے کی ہدایت دی تھی۔"

"غالباً میرے اور طارق کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔"

"ہوں......!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ راز کیا ہو سکتا ہے۔"

"وہ راز......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر وہ راز آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ کے گھر میں ہونے والے واقعات آپ کی نظروں میں کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے۔"

"یعنی......!"

"ابھی فی الحال میں اس چیز پر زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن آپ اطمینان رکھئے یہ سب حقیقتاً کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن ان کی بے چینی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"چلئے! میں آپ لوگوں کو آپ کے کمرے دکھا دوں۔" غزالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔" نواب صاحب بھی اٹھتے ہوئے بولے۔

"اب یہ سب آپ مجھے سمجھنے دیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے تمہاری ذات سے ایسی ہی امید ہے...... خدا ہماری پریشانیاں دور کرے۔"

نواب صاحب نے کہا اور باہر چلے گئے۔

خون کی بوچھاڑ

سیکریٹری کی موت کی وجہ سے ساری کوٹھی پر ایک عجیب قسم کا ماتمی سکوت طاری تھا لوگ اس طرح چل پھر رہے تھے جیسے انہیں کسی کے جاگ اٹھنے کا خوف ہو۔ البتہ کبھی کبھی پرد کے بچکانے قہقہے اس سکوت کو توڑ دیتے تھے۔

نواب صاحب دن بھر لائبریری کی کتابیں الٹتے پلٹتے رہے لیکن گمشدہ کتاب نہ ملی۔ فرید کے دلائل کی بناء پر وہ مان گئے تھے کہ سیکریٹری کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے لیکن آسیبی خلل کا خیال بدستور ان کے ذہن میں جما ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید بھوتوں کی آڑ لے کر کو

سیکریٹری پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اس کی موت کی وجہ سے انہیں پریشانی ضرور تھی ایک تو یہ کہ وہ ان کے گھر کا پالک تھا اور پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پولیس والے اب آئے دن خواہ مخواہ آ کر ان کا دماغ چاٹیں گے۔

لائبریری سے واپس آنے کے بعد فریدی اور حمید نے اپنے اپنے کمروں میں جا کر لباس تبدیل کئے۔ غزالہ نے ہر چند فریدی سے آرام کرنے کو کہا لیکن اس نے ٹال دیا اور اس کے ساتھ پرانی عمارت کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک دونوں وہاں رہے لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ وہاں سے لوٹ کر وہ آگ اگلنے والے پر اسرار کنوئیں کی طرف آئے۔ فریدی بڑی دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنوئیں کی گہرائی میں دیکھتا رہا لیکن دن کے وقت بھی اس میں اتنی تاریکی تھی کہ تہہ نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس میں پانی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

"جی ہاں، اس میں پانی نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اور اس کے اندر چھائی ہوئی تاریکی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیر معمولی طور پر گہرا ہے۔"

"اس کی گہرائی کا اندازہ آج تک نہیں لگایا جا سکا۔" غزالہ بولی۔

"لیکن میں نے......!"

"ہاں کہئے رک کیوں گئیں......!" فریدی نے کہا۔

"کچھ نہیں......!"

"لیکن آپ نے کسی کو اس میں اترتے دیکھا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"آپ کے جملے کے انداز اور آپ کی گھبراہٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ نے کسی کو اترتے دیکھا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے، مجھے خود اپنی اس کمزوری پر بار بار غصہ آتا ہے لیکن کیا کروں۔"

"تو آپ کسی وجہ سے خائف ہیں۔"

"اور وہ وجہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

"عجیب بات ہے۔"

"مجھے دراصل اس کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے.... کیوں؟ یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"اوہ تو شاید آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔"

"تو کیا آپ کو بھی اس کی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔"

"قطعی نہیں...... میں جانتا ہوں کہ وہ سانپ کا زہر بطور نشہ استعمال کرتا ہے۔"

"سانپ کا زہر بطور نشہ......!" غزالہ حیرت سے بولی۔

"ہاں ہاں...... یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ چینیوں میں اس کا عام رواج ہے۔"

"تو کیا اسی وجہ سے اس کی آنکھیں اتنی خوفناک ہیں۔"

"جی ہاں......!" فریدی نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو آپ نے اسے کب اس کنوئیں میں اترتے دیکھا ہے۔"

غزالہ نے اس رات کا واقعہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

"آیئے واپس چلیں۔" فریدی نے لوٹنے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔ "اس کی آنکھیں پھر گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ پرویز اچھلتا کودتا ہوا آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی اور دوسرے میں لکڑی کی ایک بندوق۔"

فریدی کو دیکھ کر دودھ کی شیشی اس نے زمین پر پھینک دی اور بندوق تان کر کھڑا ہو گیا۔

"بتاؤ تم نے میلا طوطا کیا کیا...... میلا طوطا منگوا دو نہیں تو گولی...... مال دوں گا۔"

"اوہ چچا جان خدا کیلئے آپ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا کیجئے۔" غزالہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"تو کیوں بولتی ہے۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

پرویز ابھی تک فریدی کے سامنے اپنی لکڑی کی بندوق تانے کھڑا تھا۔ حمید ہنسی کے مارے بے حال ہو رہا تھا۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں آپ کو دوسرا منگوا دوں گا۔"

"اچھا لیکن ویسا ہی ہو۔" پرویز بندوق نیچی کرتے ہوئے بولا۔

"بہت بہتر......!"

"نہیں ویسا نہیں ہم لال طوطا لیں گے۔"

"جیسا آپ کہیں گے...... ویسا ہی منگوا دیا جائے گا۔"

"اچھا اب اندر چلئے......!" غزالہ پرویز کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے کمروں کی طرف آئے، راستہ میں طارق ملا۔

"کہئے انسپکٹر صاحب...... کوئی خاص بات۔" طارق بولا۔

"ابھی تک تو خاص بات نہیں ہوئی لیکن جلد ہی کسی خاص بات کا ظہور ہونے والا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کنوئیں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے اس کی بات اڑاتے ہوئے دفعتاً پوچھا۔

"کنواں......!" طارق چونک کر بولا۔ لیکن پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ "یقیناً یہ ایک بہت پرانا کنواں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کنوئیں میں کوئی دفینہ ہے۔" فریدی آنکھ مار کر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" طارق لاپروائی سے بولا۔

"مگر اس میں اترنا یقیناً خطرے سے خالی نہیں۔" فریدی نے کہا۔

طارق اسے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔

"اوہ تو آپ اس میں اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو کبھی اس کی رائے نہ دوں گا۔"

"کیوں......!" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ خود میں ایک بار ایسی حماقت کر چکا ہوں۔" طارق نے کہا اور اپنے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بتاتا ہوں...... ایک رات میں نے اس کنوئیں میں اترنے کی کوشش کی تھی اور......!"

"لیکن......!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آپ تو کہتے ہیں کہ یہ آسیبی معاملہ ہے۔ پھر آپ کے دل میں کنوئیں میں اترنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔"

"یوں ہی محض اپنے تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے......!"

"خیر ہاں تو پھر......!"

"میں زیادہ دور نہیں جاسکا۔"

"کیوں......!"

"اس میں بے شمار سانپ رہتے ہیں۔"

"خیر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔"

"اوہ یہ عجیب بات ہے کہ ان کے سوراخ کنوئیں کی دیواروں میں ہیں۔"

"اوہ تب تو ان سوراخوں میں پیر رکھ کر نہایت آسانی سے تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

طارق اس طرح مسکرایا جیسے کوئی بوڑھا آدمی کسی بچے کی بے تکی بات پر مسکراتا ہے۔

"میں نے آپ کی دلیری کی کافی تعریف سنی ہے۔" طارق نے کہا۔ "لیکن یہ چیز اتنی آسان نہیں۔"

"میں تو آپ کو کبھی اس کنوئیں میں اترنے نہ دوں گا۔" حمید بولا۔

"آخر تم مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"یہی تو میں نے کہا آپ جیسا سمجھدار ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

فریدی کمرے کے دروازے پر رک کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اندر داخل ہو چکا تھا۔

دفعتاً فریدی کو حمید کی چیخ سنائی دی اور سگار اس کی انگلیوں سے پھسل گیا۔ وہ جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا۔ حمید دیوار کا سہارا لئے حیران آنکھوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہایا ہوا تھا۔

"ارے یہ کیا......؟" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

حمید خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ دفعتاً وہ چیخ کر کمرے سے باہر

بھاگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوٹھی کے سارے لوگ حمید اور فریدی کو اس حال میں دیکھ کر چیخنے لگے۔ فریدی نے حمید کو پھاٹک کے قریب پکڑا۔

"آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔" فریدی نے کہا۔

"میں ایک منٹ کیلئے...... بھی.... یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں......؟"

"دیکھئے...... یہ خون...... کی بوچھاڑ......!"

"تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔"

حمید نے جس کی سانس پھول رہی تھی نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر کیا ہوا۔"

"میں جیسے.... ہی کمرے میں.... داخل ہوا.... میرے سر پر خون کی تیز بوچھاڑ۔"

"ابے واہ بے گدھے تو اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی نے اپنے تھیلے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں بزدل ہی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن ایک جاسوس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بھوتوں سے کشتی لڑے۔"

"احمق ہو اچھے خاصے۔" فریدی نے کوٹھی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

راستے میں غزالہ ملی...... اس نے بھاگ دوڑ کی وجہ پوچھنی شروع کی۔

"اوپر جانے کا راستہ...... جلدی کیجئے۔"

غزالہ بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔ اس نے زینے کی طرف اشارہ کیا اور فریدی دوڑتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔

"ذرا جلدی کیجئے...... میرے کمرے کی چھت......!"

"ادھر آئیے......" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "وہ ادھر...... اس دیوار کے قریب سے شروع ہوتی ہے۔"

فریدی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چھت کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دور ہٹ کر شیشے کے روشندان کے قریب اسے خون کی چھینٹیں دکھائی دیں۔

فریدی بے تابی سے کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔

"آخر بتائیے بھی تو کیا بات ہے۔" غزالہ بے چینی کے ساتھ بولی۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اسے سارا واقعہ بتایا۔

"افسوس کہ حمید کی حماقت سے وہ بھوت نکل گیا...... ورنہ......!"

"کیا مطلب......!"

"ذرا یہ خون کی چھینٹیں دیکھئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس شیشے کو اٹھا کر پچکاری کے ذریعے خون پھینک دینا کونسی بڑی بات ہے۔"

"اوہ......!" غزالہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "شروع ہی سے میں ان سب حرکتوں کو کسی آدمی کی جدت سمجھ رہی ہوں۔"

"اور وہ آدمی......!" فریدی نے پوچھا۔

"میں اپنے شبہے کا اظہار پہلے ہی کر چکی ہوں۔"

"فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

دونوں نیچے اتر آئے۔ حمید ابھی تک اسی حالت میں لوگوں کے مجمع میں گھرا ہوا کھڑا تھا۔

"جاؤ جا کر غسل خانہ میں کپڑے تبدیل کرو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گیا۔

آوازوں کا راز

حمید والے واقعے کے بعد فریدی اپنے کمرے میں کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا کسی خیال میں مشغول تھا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بجھ گیا تھا۔ سگار میں لگی ہوئی راکھ اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ دیر سے اس نے لٹکے ہوئے ہاتھ کو جنبش بھی نہیں دی ورنہ راکھ

ضرور گر گئی ہوتی۔

وہ دفعتاً چونک پڑا۔ کسی نے پیچھے سے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

غزالہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید ساری باندھ رکھی تھی۔ اس سادگی میں اس کے چہرے کے شوخ خدوخال کچھ اور زیادہ ابھر آئے تھے۔ بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پے در پے صبحیں طلوع ہو رہی تھیں اور گھنیری پلکوں کی چھاؤں میں خوشگوار سی شامیں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کچھ چائے وغیرہ کا بھی ہوش ہے۔" غزالہ کی مترنم آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا چیز تھی جس نے فریدی کی رگوں میں نشہ سا دوڑا دیا۔ اس کے لہجے میں کیا تھا۔ مامتا تھی۔ شکایت تھی...... تقاضہ تھا...... سپردگی تھی...... اور نہ جانے کیا کیا۔

فریدی غیر شعوری طور پر مسکرا پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان دہکتے ہوئے رخساروں کی آنچ میں گل گیا ہو۔ اسے اپنی ہستی ایک لہریں لیتی ہوئی جھیل معلوم ہونے لگی۔ ایسی جھیل جس میں صبح اولین کی شعاعیں رنگین تانے بانے بن رہی ہوں۔ دفعتاً فریدی کو خود میں اس تبدیلی کا احساس ہوا اور اس کے منطقی شعور نے جھپٹ کر ذہن کے اس گوشے پر سیاہ چادر ڈال دی جہاں سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ یک بیک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ غزالہ نے بھی شاید یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ اس کے چہرے پر افسردگی دوڑ گئی۔

"کہئے تو چائے یہیں بھجوادوں۔" غزالہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "ابا جان وغیرہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اس وقت میری طرف سے معافی مانگ لیجئے گا۔"

"اچھا تو پھر میں یہیں بھجوادوں گی" غزالہ نے کہا اور چند لمحوں تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد اس نے انگلیوں میں دبا ہوا سگار باہر پھینک کر دوسرا سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"ابا میاں......!" کسی نے پیچھے سے پکارا۔

فریدی پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دروازے میں پرویز کھڑا دودھ کی شیشی میں منہ لگائے دودھ چوس رہا تھا۔

"تم ہمارے ابا میاں ہو؟" پرویز فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کلکارا۔

فریدی اس کے اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا۔ لیکن پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

"ابا میاں ہنستے ہیں...... ابا میاں ہنستے ہیں۔" پرویز دودھ کی شیشی بغل میں دبا کر تالیاں بجاتا ہوا اچھلنے کودنے لگا۔

اتنے میں حمید بھی آ گیا۔

"اور بیٹا چچا جان کو بھول گئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا مگر حمید کے چہرے پر بدستور شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کہئے جناب...... اتنی بوڑھی اولادیں لئے پھرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ مجھے ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی نے اپنی ہنسی روک کر سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاہا...... !" پرویز اچھل اچھل کر ہنستا ہوا بولا۔ "ابا میاں نے چچا جان کو ڈانٹ دیا...... آہاہا۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر شرارت آمیز نظروں سے پرویز کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم گود میں بیٹھیں گے۔" پرویز حمید کے نزدیک آکر ٹھنک کر بولا۔

"جی...... !" حمید تحیر آمیز لہجے میں چیخا۔ "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں...... ذرا اس نحیف و نزار جسم کو ملاحظہ فرمائیے۔"

پرویز اچھل کر اس کی گود میں بیٹھ گیا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی رانوں کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ارے جناب والا...... اتریئے بھی...... ورنہ میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔" حمید کراہ کر بولا۔

"ہم خلگوش کا بچہ لیں گے۔" پرویز حمید کی گود میں مچلتا ہوا بولا۔

"ارے مرا...... !" حمید چیخا۔ "خرگوش کا بچہ نہیں بلکہ میں آپ کو گدھے کا بچہ منگوا دوں

گا۔ للہ میری جان چھوڑیئے۔"

"نائیں...... نائیں...... خلگوش کا بچہ۔" پرویز اور زیادہ مچلنے لگا۔

"للہ میری جان بچایئے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف منہ پھیر کر سگار پینے لگا۔

"خلگوش کا بچہ...... خلگوش کا بچہ۔"

"ابے بھاگ بھوتنی کے۔" حمید نے جھلا کر پرویز کو دھکیل دیا۔ پرویز کے گرتے ہی دودھ کی شیشی ٹوٹ گئی اور سارا دودھ فرش پر پھیل گیا۔

پرویز فرش پر پڑا ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

"تم نے کیا کیا۔" فریدی نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں غزالہ نوکر کے ساتھ چائے لے کر آ گئی۔

"یہ کیا...... ؟" پرویز کو اس حال میں دیکھ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کھڑے ہو کر کہا۔

"آخر ہوا کیا...... ؟"

"حمید کو تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں...... بیچارہ دبلا پتلا آدمی ہے۔ پرویز صاحب اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئے تھے اور کسی طرح اترنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔"

"اوہ...... !" غزالہ پرویز کو زمین سے اٹھانے کے لئے جھکی۔

"اٹھئے چچا جان...... دیکھئے یہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"نائیں اٹھیں گے...... ہم کو دھکیل دیا...... آں......" پرویز روتا ہوا بولا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر غزالہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ فریدی اور حمید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بہ ہزار دشواری غزالہ اسے بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔

"تم نے بہت برا کیا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"تو کیا اپنی ہڈیاں تڑوا ڈالتا۔" حمید نے کہا اور چائے بنانے لگا۔

"اسی دن...... رات کی بات ہے۔ فریدی، حمید، غزالہ، طارق اور نواب صاحب برآمدے

میں بیٹھے کنوئیں سے چنگاریاں نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ غزالہ کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"گیارہ تو بج گئے۔" نواب صاحب نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"مجرم اب آج تیسری حماقت نہ کرے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ کسی آدمی کی حرکت ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"سو فیصدی۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً ایک تیز قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔

"یہ لو آوازیں شروع ہوئیں۔"

"اوہ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

جانوروں کی آوازوں سے کوٹھی گونج رہی تھی۔ فریدی اٹھ کر اندر چلا گیا۔ وہ متعدد کمروں میں گھوم گھوم کر آوازیں سنتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ برآمدے میں لوٹ آیا۔ یہاں بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ آوازیں دیوار کے ایک حصے سے نکل رہی ہوں۔ آوازوں کا سارا سلسلہ ختم ہوتے ہی اس نے پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"اوہ......!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"سیڑھی...... بانس کی سیڑھی۔" وہ دفعتاً چیخا۔

"کیا مطلب......!" نواب صاحب چونک کر بولے۔

"ایک سیڑھی منگوایئے۔" فریدی نے کہا اور بجھے ہوئے سگار کو سلگا کر بے تابی سے برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں عجیب قسم کی پراسرار چمک پیدا ہو گئی تھی۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس پر ایسی کیفیت ایسے ہی موقعوں پر طاری ہوتی تھی جب اسے یقین ہو جاتا تھا کہ اس کا شکار اس کے پھندے میں آ گیا ہے۔

"خدا خیر کرے کچھ ہونے ہی والا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا......!" غزالہ جو قریب ہی کھڑی تھی چونک کر بولی۔

"کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"ابھی سمجھ میں آجائے گا۔"

اتنے میں دو نوکر سیڑھی لے کر آ گئے۔

"اوہ یہ تو بہت چھوٹی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر کچھ پرواہ نہیں...... ذرا وہ میز ادھر گھسیٹ کر دیوار سے لگا دو اور یہ سیڑھی اس پر رکھ کر دیوار سے ٹکا دو۔"

اس کی ہدایت کے مطابق سیڑھی لگا دی گئی۔

"ایک بات......!" فریدی نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا ان آوازوں سے پہلے ہمیشہ اسی قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"اسی بناء پر تو میں نے یہ کہا تھا کہ اب جانوروں کی آوازیں شروع ہونے والی ہیں۔"

فریدی معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا سیڑھی پر چڑھ گیا۔

اوپر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیوار کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتا رہا پھر یک بیک اس کا قہقہہ سن کر لوگ چونک پڑے۔

"کیا بات ہے بھئی۔" نواب صاحب خوفزدہ آواز میں بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں...... لیکن دلچسپ ضرور ہے۔"

"کچھ بتاؤ بھی۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دیوار کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بچپنے کا سوال ہے۔" نواب صاحب بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں...... یہ سوال بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے بھائی پتھر کی ہے اور کس چیز کی ہوتی۔"

"کیا پوری......!"

"لاحول ولا قوۃ......!" نواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ذرا ٹھہریئے...... میں ایک ذمہ دار آدمی کی حیثیت سے آپ سے یہ سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی نے دیوار کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا یہاں بھی پتھر ہی ہے۔"

"ہاں بھئی......!" نواب صاحب نے کہا۔ لیکن اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے انہوں نے طوعاً و کرہاً جواب دیا ہو۔

"ذرا دیکھئے.... یہ پتھر کتنا لچکدار ہے۔" فریدی نے اس حصے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا......!" نواب صاحب حیرت سے چیخے۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بھئی بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے...... مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔"

"تو سنئے جناب...... ابھی تک آپ لوگ ایک بہت ہی دلچسپ ریکارڈ سنتے رہے ہیں۔ یہاں اس جگہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن لگا ہوا ہے۔"

"ارے......!" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"اور تعریف کرنی پڑتی ہے اس آرٹسٹ کی جس نے اس جالی کو رنگ و روغن کے ذریعے پتھروں میں ملا دیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا تماشہ ہے.... آخر یہ سب کیا ہے۔" نواب صاحب اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولے۔

"یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"میں کیا بتاؤں۔"

"تعجب کی بات ہے کہ آپ اس مکان کے مالک ہوتے ہوئے بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"خدا گواہ ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بھلا اس بات پر کسے یقین آئے گا۔" فریدی نے سیڑھی سے اترتے ہوئے کہا۔ "اندر بھی کئی مقامات پر ایسے ہی ہارن فٹ ہیں۔"

"ہوں گے بھئی...... مگر میں قسم کھا کر......!"

"کوئی بات نہیں...... میرا کام ختم...... چلو بھئی حمید...... سامان وغیرہ ٹھیک کرو...... اسی وقت چلیں گے۔ ایک بجے والی گاڑی مل ہی جائے گی۔"

"مگر...... مگر......!" نواب صاحب رک رک کر بولے۔ "کام...... ختم...... کہاں...... ہم لوگوں کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔"

"بھلا میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں...... کم از کم یہ معاملہ میرے بس کا نہیں۔"

"آخر آپ اس طرح کیوں جا رہے ہیں۔" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "اتنی کامیابی تو آپ نے حاصل کر لی ہے اور اس کا پتہ لگانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔"

"خیر اس کا پتہ تو آپ لوگوں کو بھی تھا۔"

"تم جانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

"طارق صاحب بھلا آپ خود فیصلہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس بات پر کسے یقین آئے گا اس طرح دیواروں میں لاؤڈ اسپیکر فٹ کر دینا کوئی گھڑی دو گھڑی کا کام تو ہے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں عرصہ لگا ہوگا...... پھر میں یہ کیسے سمجھ لوں کہ اس گھر کے رہنے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ فرض کیجئے کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی آدمی کی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کا علم کسی اور کو بھی ہونا چاہئے تھا...... کیا خیال ہے۔"

"صاحب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طارق نے جواب دیا۔

"جالی...... لاؤڈ اسپیکر......" نواب صاحب خود بخود بڑبڑائے۔

"شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔" فریدی نے پتلون کی جیب سے بڑا سا چاقو نکال کر حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بھئی ذرا چڑھ کر اس معاملے کو صاف ہی کر دو۔"

حمید چاقو لے کر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اتنی جالی کٹ گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن صاف دکھائی دینے لگا۔

"ایسے ہی اور بھی بہتیرے لاؤڈ اسپیکر یہاں کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"میں کیا کروں۔" نواب صاحب بے بسی سے بولے۔ ان کے سارے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

"اس عمارت کے کمروں میں سفیدی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلے سال ہوئی تھی۔" نواب صاحب بولے۔

"تو یہ سب کام اس کے بعد ہی ہوا ہے۔ ورنہ سفیدی کرنے والوں میں ضرور سراسیمگی پھیلتی۔"

"اُف میرے خدا۔" نواب صاحب اپنا چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے بولے۔ "تو یہ سب کام اس وقت ہوا جب میں اور غزالہ چھ ماہ کے لئے باہر چلے گئے تھے۔"

"اس وقت غالباً لاؤڈ سپیکر کے ہارن فٹ کئے گئے تھے کیونکہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ ایک رات میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان دیواروں میں تار دوڑانے کا انتظام اسی وقت کرلیا گیا ہو جب یہ عمارت زیر تعمیر رہی ہو گی۔"

نواب صاحب حیرت سے فریدی کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ عمارت کس کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"میرے مرحوم پرائیویٹ سیکریٹری کی نگرانی میں۔" نواب صاحب بولے۔

"میں اس زمانہ میں مستقل طور پر لکھنؤ میں مقیم تھا۔"

"تو یہ وجہ ہے ان حضرت کی موت کی۔" فریدی بے تحاشہ بولا۔

"کیا مطلب......!"

"یقیناً وہ حضرت اس نامعلوم آدمی سے ملے ہوئے تھے، جو آپ کو تنگ کر رہا ہے اور آخر اس نے انہیں بھی اپنے راستے سے ہٹادیا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔" نواب صاحب بے اختیار بولے۔

"آپ کا کوئی دشمن۔"

نواب صاحب سوچ میں پڑ گئے۔

"مگر میرا کوئی دشمن اتنا ذہین نہیں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"خیر بھئی...... حمید چل کر سامان اکٹھا کرو۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جاسکتے۔" غزالہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"یہ سب کچھ میں نہیں جانتی...... آپ کو ٹھہرنا پڑے گا۔"

"اور اب تو آپ اس کا پتہ ہی لگا سکتے ہیں کہ اس ہارن کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔" طارق بولا۔

"ہاں کوئی ایسی مشکل بات نہیں...... صرف پوری عمارت کھدوانا پڑے گی۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی سہی...... لیکن آپ یہاں سے جانہیں سکتے۔" غزالہ بولی۔

"چلئے اب چل کر آرام کیجئے۔"

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گرج اور چمک کہہ رہی تھی کہ بس بارش ہوا ہی چاہتی ہے۔ فریدی نے اپنا پلنگ برآمدے میں نکلوالیا تھا۔ اس وقت خنکی بڑھ جانے کی وجہ سے اس نے چادر اوڑھ لی تھی۔ سوتے وقت اس نے برآمدے کی بجلی بجھوادی تھی۔ ساری کوٹھی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف ایک تاریک سایہ متحرک نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ فریدی کے پلنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پلنگ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کا ایک ہاتھ بلند ہوا اور بڑا سا خنجر سونے والے کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ ساتھ ہی کسی طرف سے ایک دوسرا سایہ جھپٹ کر پہلے سائے پر آرہا۔ دونوں گتھ گئے۔ اس کشمکش اور جدوجہد میں دونوں کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ دفعتاً ایک سایہ دوسرے کی گرفت سے نکل کر بھاگا۔ دوسرا سایہ اس کا پیچھا کرنے لگا اور پھیلی ہوئی تاریکی نے دونوں کو اپنے دامن میں چھپالیا۔

شوروغل سن کر لوگ جاگ اٹھے۔ کمروں اور برآمدوں کے بلب روشن ہونے لگے۔ حمید بھی جاگ اٹھا تھا۔ وہ بھاگ کر فریدی کے کمرے کی طرف آیا۔ اسے معلوم تھا کہ فریدی برآمدے ہی میں سویا ہے۔ جیسے ہی اس نے ٹارچ جلائی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی نے ماتھے تک چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس کے سیاہ بال تکئے پر بکھرے ہوئے تھے اور سینے پر ایک خنجر جس کا صرف دستہ نظر آرہا تھا۔ حمید بے تحاشہ چیخنے لگا۔

"دوڑو...... دوڑو...... قتل قتل......!"

نیند سے چونکے ہوئے لوگ، جو معاملے کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ نہ پائے تھے بے تحاشہ اس برآمدے کی طرف دوڑے۔ ان میں سے ایک نے برآمدے کا بلب روشن کر دیا۔

"کیا ہوا......!" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "ارے یہ کیا۔"

"فریدی صاحب۔"

"اُف میرے خدا......یہ کیا ہوا......ابا جان......ابا جان۔"

"اوہ شاید سو رہے ہیں۔" کسی نے کہا۔

"جاؤ......جا کر جگا دو......!"

"اُف میرے خدا... میں نے انہیں کیوں روک لیا تھا۔" غزالہ سسکیاں لے کر رونے لگی اس دوران میں بارش بھی ہونے لگی تھی اور اتنی تیز ہو رہی تھی کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے قہقہہ لگایا۔ سب لوگ چونک پڑے۔ فریدی پانی میں شرابور لڑکھڑاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔

"ارے آپ......!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" غزالہ بے اختیار بول اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو ابل پڑ رہے تھے۔

"ارے آپ کیوں رو رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"پہلے یہ بتائیے کہ یہ کون ہے۔" حمید نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"چادر الٹ کر دیکھو۔"

"جیسے ہی حمید نے چادر الٹی اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

چادر کے نیچے تین چار تکیے رکھے ہوئے تھے اور سرہانے کے تکیے پر دفتی کا بنا ہوا ایک سر رکھا ہوا تھا۔ جس پر سیاہ رنگ کے بڑے بڑے بال چپکے ہوئے تھے۔

"مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ آج رات کو مجھ پر ضرور حملہ ہوگا۔ اسی لئے میں یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن غزالہ خانم کی ضد کے آگے ایک نہ چلی اور مجبوراً مجھے یہ انتظام کرنا پڑا۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر میں آج چلا گیا ہوتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"حضور بڑے سرکار کمرے میں نہیں ہیں۔" اس نوکر نے لوٹ کر کہا، جو نواب صاحب کو بلانے کے لئے گیا تھا۔

"کیا کہا کمرے میں نہیں۔" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کون......؟" فریدی نے پوچھا۔

"ابا جان......!" غزالہ پریشان لہجے میں بولی۔

"اوہ......!" فریدی تیزی سے نواب صاحب کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے تھے۔

نواب صاحب کا کمرہ خالی تھا۔ بستر بچھا ہوا تھا۔ بستر کی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ کوئی اس پر سویا ضرور ہے کوٹھی کا کونہ کونہ چھان ڈالا گیا۔ نواب صاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ غزالہ بُری طرح پریشان تھی۔ فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طارق آہستہ آہستہ حمید سے باتیں کر رہا تھا۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ آپ لوگ جا کر آرام کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "نواب صاحب جہاں گئے ہوں گے واپس آجائیں گے۔"

"آخر اس وقت کہاں گئے۔" غزالہ بے چینی سے بولی۔

"ممکن ہے روزانہ اس وقت وہ کہیں جاتے ہوں۔ آپ ان کے پیچھے پیچھے تو گھومتی نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ آپ کے ماتھے سے خون کیسا نکل رہا ہے۔" غزالہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"بھاگ دوڑ میں کہیں چوٹ لگ گئی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ کم بخت بچ کر نکل گیا۔"

اور وہ کنواں

دوسرے دن صبح نواب صاحب کی کوٹھی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ نواب صاحب ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ سب سے زیادہ غزالہ پریشان تھی اور سب زیادہ خاموش فریدی تھا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔

"جناب من......!" طارق نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "رات سے میرا نیولا غائب ہے۔"

"ارے جناب یہاں آدمی غائب ہوئے جا رہے ہیں اور آپ کو نیولے ہی کی پڑی ہے۔"

"آپ غلط سمجھے مسٹر فریدی۔" طارق بولا۔ "نواب کی وجہ سے مجھے خود بھی پریشانی ہے...... مگر وہ نیولا۔"

"بہت قیمتی تھا۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں......!"

"ارے صاحب جانور ہے...... کہیں بھاگ واگ گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"بھاگ تو وہ سکتا ہی نہیں...... ضرور اسے کسی نے پکڑ لیا۔"

"کہئے ہندوستان آپ کو پسند آیا۔" فریدی اچانک پوچھ بیٹھا۔

طارق چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں...... کیوں نہیں...... مگر میرا نیولا۔"

"چھوڑیئے بھی مل ہی جائے گا...... آپ اس سے قبل بھی کبھی ہندوستان آئے تھے۔"

"جی نہیں...... لیکن نیولا......!"

"میرے خیال سے نیولا محض اسی لئے غائب کیا گیا ہے کہ کہیں وہ نواب صاحب کو ڈھونڈ نہ نکالے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب سمجھ کر کیا کیجئے گا...... بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا قیمتی نیولا ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔"

"شکریہ...... شکریہ......" طارق نے کہا۔ "معاف کیجئے گا میں مخل ہوا...... مگر میں کیا کروں...... میرا نیولا۔"

"آپ اطمینان رکھئے.... جا کر ناشتہ کیجئے...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

طارق چلا گیا۔

دیر بعد غزالہ آگئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"گھبرایئے نہیں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک کہ یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا میں یہیں مقیم رہوں گا۔"

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"کسی زبان سے نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آخر آپ اتنی اداس کیوں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نواب صاحب جہاں کہیں بھی ہیں بخیریت ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"انشاءاللہ...... ایسا ہی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ارے...... ایسے میں ناشتے کی کسے سوجھتی ہے۔"

"پھر وہی بات میں کہتا ہوں آخر اس سے فائدہ ہی کیا۔"

"اب میں اپنے دل کو کیا کروں۔"

"سنبھالئے...... آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار ہیں۔"

"کوشش تو کرتی ہوں۔"

"اچھا جایئے...... ناشتہ کر ڈالئے۔"

"اور آپ......!"

"میں ابھی نہیں کروں گا...... ضرورتاً ایسا کہہ رہا ہوں۔"

غزالہ چلی گئی۔

فریدی کا معمول تھا کہ جب اُسے کسی اہم معاملے پر غور و خوض کرنا ہوتا تھا تو وہ عموماً خالی پیٹ ہی رہا کرتا تھا...... اس لئے آج بھی اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا...... وہ خود پر حملہ ہونے کے بعد سے اب تک بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر حمید کے کمرے کی طرف گیا۔ حمید شاید ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا...... اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں کی کوریں سوجی ہوئی تھیں۔

"تم جیسا سونے والا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کی نظروں میں ابھی گذرا ہی کیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "نواب صاحب ملے یا نہیں۔"

"ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"تو یقیناً میرا شبہ درست ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ آپ بھی شبہ کرنے لگے ہیں۔ ذرا مجھ سے بھی فرمائیے شاید آپ ہی صحیح راہ پر ہوں۔"

"نواب رشید الزماں خود ہی مجرم ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے......؟" فریدی ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا...... میرے پاس اس کا بہت ہی معمولی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ نواب رشید الزماں آپ پر حملے کے بعد ہی کیوں غائب ہو گئے۔ آپ نے حملہ کرنے والے سے دو دو ہاتھ بھی کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کو خیال پیدا ہوا ہو کہ کہیں آپ نے حملہ کرنے والے کو پہچان نہ لیا ہو۔"

"بہت اچھے! لیکن یہ تو سوچو کہ آخر ان کی روپوشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بچ کر نکل گیا تھا اور پھر میں اس کا ثبوت کس طرح بہم پہنچاتا کہ اس میں رشید الزماں ہی کا ہاتھ ہے۔"

"ہر شخص اتنا نہیں سوچ سکتا تھا جتنا کہ آپ سوچتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر بہر حال...... ذرا اپنی کرسی قریب لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"خیریت کوئی خاص بات۔" حمید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اپنی کرسی فریدی کے قریب کر لی۔

"سنو......!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آج رات کو میں اس کنوئیں میں اتروں گا۔"

"میں آپ کو ہرگز نہ اترنے دوں گا۔"

"کیوں......!"

"میں مناسب نہیں سمجھتا۔"

"نہیں بھئی...... اب اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔"

"تو گویا آپ پر حسن کا جادو اس بری طرح چل گیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ غزالہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔"

"پھر وہی گدھے پن کی باتیں۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں.... میں نے شاید اپنی زندگی میں کبھی گھوڑے پن کی باتیں نہیں کیں۔"

"ہٹاؤ بھی.... وہ یہ فضول باتیں...... تفریح کے لئے پھر بہت وقت ملتا رہے گا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات کو اس کنوئیں کی نگرانی ضرور کی جاتی ہو گی۔"

"نگرانی...... نگرانی کون کرتا ہو گا۔"

"مجرم......!"

"مجرم تو غائب ہے۔"

"بھئی فی الحال یہی فرض کر لو کہ نواب رشید الزماں مجرم نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال...... ہاں تو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم شام ہی سے باغ پر نظر رکھنا۔"

"بہتر ہے...... لیکن میں کسی طرح یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کنوئیں میں اتریں۔"

"بس دیکھتے رہو...... میرے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں۔"

اسی دن رات کو حمید دوڑا ہوا فریدی کے پاس آیا۔

"آپ کا خیال صحیح تھا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو کنوئیں کی پیچھے والی جھاڑی میں چھپتے ہوئے دیکھا ہے۔"

فریدی پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے ضروری سامان ساتھ لیا اور حمید کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

پھاٹک کے باہر نکل کر دونوں چہار دیواریوں کے نیچے چلنے لگے۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ چھپا ہو گا......" فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

حمید نے سر ہلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے فریدی دیوار پر چڑھ گیا اوپر سے اس نے حمید کو بھی چڑھ آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں بہ آہستگی تمام دوسری طرف اترنے لگے۔

"وہ دیکھئے کنوئیں کی جگت کے پاس جھاڑیوں میں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے سر ہلایا۔ وہاں کوئی چھپا ہوا تھا۔ فریدی اپنے پستول کی نال پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اس کا پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا اور ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"حمید...... حمید...... جلدی کرو...... رسی۔" فریدی نے کہا۔

وہ ایک قوی ہیکل آدمی کو دبوچے بیٹھا تھا۔ آدمی سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوش ہو چکا تھا۔ دونوں نے مل کر اسے ایک درخت کے تنے سے جکڑ دیا۔

"تمہارا پستول بھرا ہوا ہے نا......!" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو اسکی اچھی طرح نگرانی کرتے رہنا۔ اگر کوئی بات ہو تو بے دریغ پستول استعمال کرنا۔"

یہ کہہ کر فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا۔

"یہ کیا......!" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"طارق کا نیولا......!"

"ارے......!"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"تو اسے آپ ہی نے غائب کیا تھا۔"

"ہاں...... اس کنویں میں بکثرت سانپ ہیں۔ لیکن وہ اس نیولے کی بو پاتے ہی اپنے بلوں میں جا چھپیں گے۔"

"اوہ...... سمجھا......!"

فریدی نے پنجرہ زمین پر رکھ دیا اور ریشم کی ایک مضبوط ڈوری کے سرے میں ایک پتھر باندھ کر اسے کنویں میں پھینک دیا اور ڈور کا دوسرا سرا قریب کے ایک درخت کے تنے سے باندھ کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"اچھا بھئی...... حمید خدا حافظ...... میں چلا...... بہت ہوشیاری سے رہنا...... اگر کوئی خطرہ در پیش ہو تو بے تکلف گولی چلا دینا...... فریدی نے کہا اور نیولے کا پنجرہ اپنے گرد لپٹی

ہوئی چمڑے کی پیٹی میں لٹکا لیا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں دیر تک کنویں کے اندر دیکھتا رہا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس نے ٹارچ پتلون کی جیب میں ڈالی اور ریشم کی ڈور کے سہارے کنویں میں اترنے لگا۔ ریشم کی ڈور کے سہارے اترنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر ڈور پسینے کی وجہ سے ہاتھ سے پھسلنے لگی۔

کنوئیں میں بلا کی تاریکی تھی۔ اسے اپنے آس پاس سانپوں کی پھنکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

حیرت

فریدی کی کمر سے لٹکے ہوئے پنجرے سے بھی عجیب قسم کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید نیولا سانپوں کی پھنکاریں سن کر اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ فریدی کے بازو شل ہو گئے تھے۔ ہر بار اسے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اب رسی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس نے ایک چوڑی لگار پر کھڑے ہو کر جیب سے ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی اس نے صرف آدھی مسافت طے کی تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس نے منہ اوپر کر کے دو تین گہرے گہرے سانس لئے اور پھر نیچے اترنے لگا۔ بہر حال بہزار دقت وہ کنوئیں کی تہہ تک پہنچا۔ اس کے سارے کپڑے پسینے میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جیسے وہ کافی دیر تک بارش میں بھیگتا رہا ہو۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ کنوئیں کی تہہ کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی محنت بیکار گئی ہو۔ کنوئیں میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ سانپوں کی طرف سے تو خیر اس نیولے کی موجودگی کی وجہ سے اسے اطمینان تھا لیکن گرمی خدا کی پناہ...... فریدی کی جگہ اگر کوئی کمزور دل و دماغ کا آدمی ہوتا تو اب تک کبھی کا بیہوش ہو گیا ہوتا۔

تھک ہار کر اس نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ رسی پکڑ کر جیسے ہی اس نے اپنا پیر اٹھایا دوسرا پیر کنوئیں کی دیوار سے ٹکرا گیا اور ایک عجیب قسم کی آواز پیدا ہوئی۔ فریدی چونک کر پھر نیچے اتر گیا۔ جہاں پیر لگا تھا اس جگہ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اسے انگلیوں سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔

"اوہ میرے خدا......!" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

دیوار کا یہ حصہ ٹین کا بنا ہوا تھا۔ لیکن اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ دیکھنے میں اینٹوں کی جڑائی معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے چاقو نکالا۔

تھوڑی دیر میں اس نے ٹین کا وہ ڈھکن وہاں سے نکال پھینکا۔ ہوا کا ایک فرحت انگیز جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا اور اس کی رگوں میں توانائی دوڑ گئی۔ اس کے سامنے دیوار کا اتنا بڑا حصہ کھل گیا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بآسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں نیولے کا پنجرہ۔ اب وہ ایک اچھے خاصے کمرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً وہ ٹھٹک گیا۔ سامنے ایک عورت اور ایک مرد کھڑے ہوئے تھے۔

فریدی نے بے ساختہ پنجرہ زمین پر پھینک کر ریوالور نکال لیا۔ لیکن وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔

"لاحول ولا قوۃ۔" فریدی کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ اس نے قریب جا کر دونوں کو ٹٹولا۔ وہ ربر کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً فریدی کو خیال آیا کہ یہ وہی مورتیاں ہیں جنہیں پہلے دن نواب صاحب وغیرہ نے لاش سمجھا تھا۔ فریدی آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کی درزوں سے روشنی چھن چھن کر اس کمرے میں آ رہی تھی۔ فریدی نے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی بارود کی بو محسوس کی تھی۔ دوسرے کمرے میں کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ فریدی نے کواڑوں کی درز سے آنکھیں لگا دیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ دوسرے کمرے میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کے سینے سے تازہ تازہ خون ابل رہا تھا۔ ایک کرسی پر نواب رشید الزماں بیٹھے تھے۔ لیکن وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ البتہ اس نے محسوس کر لیا کہ دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں ہے اور کسی وقت بھی آسانی سے کھولا جا سکتا ہے۔

اچانک ایک آدمی دروازے ہی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

یہ پرویز تھا۔ پرویز جو پاگل تھا۔ پرویز جو بچوں کی طرح تتلا تتلا کر بولتا تھا۔ پرویز جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا...... وہ پرویز اس وقت سیدھا کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں دودھ کی شیشی کے بجائے پستول تھا اور آنکھوں میں معصومیت کے بجائے سفاکی۔ درندگی اور وحشیانہ پن رقص کر رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے اس نمک حرام کا انجام......!" پرویز نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہہ رہا تھا کہ جاسوسوں کو میرے متعلق بتا دے گا...... ہونہہ۔"

فریدی کے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی کیونکہ پرویز اس وقت تتلا کر نہیں بول رہا تھا۔

"ہاں تو بھائی صاحب اب...... آپ بھی مرنے کے لئے تیار ہو جائیے۔" پرویز بولا۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ سگے بھائی کی طرح عزیز رکھا ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" نواب صاحب گڑگڑا کر بولے۔

"کچھ بھی ہو...... لیکن میں اسے کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا کہ اپنے باپ کے ترکے سے اس لئے محروم کر دیا جاؤں کہ اس نے میری ماں کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔"

"کیا میں نے تمہیں کبھی یہ چیز محسوس ہونے دی۔" نواب صاحب بولے۔

"میں ان فضولیات میں نہیں پڑتا...... میں تمہیں قتل کروں گا۔ جاسوسوں کو پہلے ہی سے تم پر شبہ تھا۔ تمہارا غائب ہو جانا اس شبہے کو یقین میں تبدیل کر دے گا۔ تمہاری روپوشی کے بعد تمہاری چیزوں کا میں پورا پورا مالک ہوں گا۔ غزالہ کے علاوہ اور تمہارا ہے ہی کون، جو مجھ سے نمٹنے کے لئے آئے گا...... اور رہ گیا غزالہ کا معاملہ تو میں اسے اسی طرح رکھوں گا جس طرح تمہارے باپ نے میری ماں کو رکھا تھا۔"

"کیا بکتا ہے...... بدنصیب......!" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "وہ تیری بھتیجی ہے۔"

"ہوگی......!" پرویز نے لاپرواہی سے کہا۔ "میری ماں آوارہ تھی اس لئے تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارے باپ ہی کی اولاد ہوں۔ بہرحال میں حرامی ہوں۔ اس لئے حرامی پن کی حد کر دینا چاہتا ہوں۔"

"چپ رہ مردود......!" نواب صاحب چیخے اور فریدی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ کواڑوں کی جھپٹ میں آ کر پرویز اوندھے منہ گر پڑا۔

فریدی اچھل کر اس پر آ رہا۔ دونوں آپس میں گتھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اسے ایک فولاد کے بنے ہوئے آدمی سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ دفعتاً پرویز فریدی کی گرفت سے نکل کر پھرتی سے ایک صوفے کی آڑ میں ہو گیا۔ فریدی اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے جھپٹ کر ایک میز گرائی اور اس کی اوٹ لے لی۔ دونوں طرف سے

گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ دفعتاً فریدی نے چیخ ماری اور گر پڑا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پرویز کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور پرویز چیخ مار کر گر پڑا۔ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پرویز کو تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ گولی ٹھیک اس کے ماتھے پر لگی تھی۔

"فریدی بیٹا......!" نواب صاحب چیخے اور بیہوش ہو گئے۔

دوسرے دن شام کو نواب صاحب، غزالہ، طارق، فریدی، حمید اور دو سب انسپکٹر ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔

"ایسی تاریک رات میں اس کنوئیں میں اترنا فریدی ہی کا کام تھا۔" نواب صاحب بولے۔

"مجھ سے دراصل ذرا سی غلطی ہو گئی۔ ورنہ اتنی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ کھنڈروں والا راستہ زیادہ سیدھا اور آسان تھا۔ صرف ذرا سا دماغ پر زور ڈالنا پڑتا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں نے اپنا زیادہ وقت کھنڈروں پر ہی کیوں نہ صرف کیا۔"

"خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔" طارق بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ مجھے سوتے سے کس طرح اٹھالے گئے کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"کلوروفارم......!" فریدی بولا۔

"ان تینوں بدمعاشوں میں سے ایک لاپتہ ہے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا۔" حمید بولا۔

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔" فریدی۔ "بھلا کون کہہ سکتا تھا پرویز اتنا خطرناک آدمی ہے اور وہ تینوں جو اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے وہ اس کے گرگے ہیں۔"

"خیر اب چھوڑیئے...... ان باتوں کو......!" غزالہ بولی۔ "مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"اور ہاں طارق صاحب ایک صاحب کو آپ پر بھی شبہ تھا۔" فریدی نے شرارت آمیز

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

غزالہ اُسے غصے اور پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھ پر......!" طارق نے قہقہہ لگایا۔ "نہ جانے کیوں لوگ عموماً میری طرف سے مشکوک رہا کرتے ہیں۔"

"آپ کے نیولے کی وجہ سے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ......اس نے سینکڑوں بار میری جان بچائی ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ نہ ہوتا تو فریدی صاحب کنوئیں کے قریب جانے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔"

"اس میں تو شبہ نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر باغ میں بکھری ہوئی ہریالی سے آنکھوں کی تھکاوٹ دور کرنے لگا۔

دفعتاً کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مڑا... غزالہ کی خوبصورت آنکھوں نے اس کی نگاہوں کا استقبال کیا۔ غزالہ کے نرم اور نازک ہونٹوں پر ایک لطیف سا تبسم بکھرا ہوا تھا۔

فولاد کے بنے ہوئے فریدی کے جسم کا ایک ایک حصہ موم کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے بے اختیار غزالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"آپ...... آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" فریدی نے بچوں کی طرح کہا اور غزالہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جس کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ کچھ اور بھی کہو...... مگر...... فریدی...... اس معاملے میں قریب قریب بالکل بدھو تھا۔ اس نے کسی رومانی ناول کا کوئی اچھا سا جملہ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ بدقت تمام بولا۔

اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے...... دروازے کے قریب حمید گر پڑا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ دونوں دوڑ کر اس کے قریب آئے۔

فریدی نے سر ہلایا اور غزالہ کو جانے کا اشارہ کر کے خود حمید پر جھک گیا۔ غزالہ دونوں کو

حیرت سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

"حمید...... حمید......!" فریدی نے اس کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ...... آپ...... ہم...... ہم...... ہمیشہ...... اچھ...... اچھی...... لل...... لگتی ہیں۔" حمید لیٹے لیٹے بڑبڑایا۔ "ارے...... باپ رے...... بھوت...... بھوت......!"

فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"یہ کیا حرکت......؟"

"حرکت...... ارے رے...... حرکت...... ہائے...... آپ پر بھی...... آسیب کا سایہ ہو گیا۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"ارے باپ رے...... آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں...... ارے بہت بڑا کافر مسلمان ہو گیا۔ شکر ہے خدا تیرا...... ارے میں خوشی کے مارے بیہوش ہو گیا تھا...... تھوڑا پانی...... نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔"

فریدی حمید کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک حصے سے مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ۔

"میرے سرکار آخر خفگی کس بات کی....." حمید فریدی کے پیچھے آ کر بولا۔ "اب تو مزہ ہی مزہ ہے۔"

فریدی جھلا کر مڑا۔

"عجیب احمق ہو...... اگر اس نے سن لیا تو۔"

"تو ہرج ہی کیا ہے...... محبت میں سب کچھ جائز ہے۔"

"محبت...!" فریدی اسکا گریبان پکڑے ہوئے بولا "کس بات میں دیکھی ہے تم نے محبت"

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا کسی کے حسن کی تعریف کرنا محبت ہے۔"

"قطعی......!"

"تو ادھر دیکھو......!" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جسے تم محبت کہتے ہو اس کے لئے اس پتھر میں کوئی گنجائش نہیں۔"

"کبھی کبھی پتھر بھی اپنی ہی آنچ سے پگھل جاتا ہے......" حمید اکڑ کر بولا۔

"شاباش...... برخوردار...... کس ناول سے رٹا تھا یہ جملہ۔" فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا۔

"خیر ہو گا مجھے کیا۔" حمید نے کہا۔ "آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کنویں سے آگ کس طرح نکلتی تھی۔"

"تم بھی رہے وہی ڈیوٹ کے ڈیوٹ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ارے میاں آتشبازی تھی۔ کیا تم نے مٹی کے وہ بڑے بڑے انار نہیں دیکھے تھے جو تہہ خانے سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"اوہ واقعی اچھا خاصہ بچوں کا کھیل تھا...... مگر خطرناک۔" حمید نے کہا اور سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 7

خطرناک بوڑھا

(مکمل ناول)

بے معنی اچھل کود

میٹرو ہوٹل کی عظیم الشان عمارت روشنی میں نہائی ہوئی شہر کے سب سے زیادہ بارونق حصے میں اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی دولت مند اپنی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر اپنے مہمانوں کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے تاکہ انہیں جلد سے جلد اپنی شان امارت دکھا سکے۔

فٹ پاتھ پر بے شمار موٹریں کھڑی تھیں...... اس ہوٹل میں زیادہ تر دولت مند طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کاروں کی قطاریں نظر آنے لگتی ہیں۔

ہوٹل کے اندر کافی بھیڑ تھی، ہال میں قریب قریب ساری میزیں بھر چکی تھیں۔ آج یہاں ایک اسپینی رقاصہ کا ناچ بھی تھا۔ اس لئے معمول سے زیادہ بھیڑ ہو گئی تھی۔ ناچ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اسٹیج پر ریشمی پردہ لہریں لے رہا تھا اور قریب قریب سب کی نگاہیں ادھر ہی لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ شاید وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسٹیج کے قریب لگی ہوئی ایک میز پر سے ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اس میز کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لڑکی اور اس میز پر بیٹھے ہوئے دو مرد شاید نوجوان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔

لڑکی نے اپنے ساتھیوں سے نوجوان کا تعارف کرانا شروع کیا۔

"مسٹر شاہد جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔" لڑکی مسکراتی ہوئی بولی۔ "اور یہ میرے چچا نصیر...... میرے بھائی ارشد......!"

نوجوان دونوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا اور وہ لوگ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ لڑکی کی شخصیت اتنی دلکش تھی کہ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اسے بُری طرح گھور رہے تھے۔ اس نے بہت ہی چست قسم کا لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کی رعنائیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"شاہد صاحب مجھے رقیہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ سیام کے قدیم باشندوں کے طرز معاشرت پر تحقیق کر رہے ہیں۔" لڑکی کا چچا نصیر بولا۔

"جی ہاں کوشش کر رہا ہوں۔" شاہد نے جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے بھی ایسے موضوعات سے خاصی دلچسپی ہے۔ خاص طور پر سیامی اور چینی لٹریچر کا بہت زیادہ دلدادہ ہوں۔"

"اوہ تب تو آپ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔" شاہد مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے خصوصاً آپ سے اسی لئے ملنا چاہا تھا کہ مجھے اپنے ہم مذاق لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ آپکو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے محض پڑھنے کی خاطر اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"بہت خوب......!" شاہد اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"واقعی سیام ایک بہت ہی پراسرار ملک ہے۔" نصیر چائے کا گھونٹ لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور وہاں کی قدیم تاریخ اتنی مشکوک ہے کہ کسی خاص راستے کا تعین کر کے چھان بین سے کوئی خاص نتیجہ اخذ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔"

شاہد کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"بخدا آج آپ پہلے آدمی ملے ہیں جس نے سیامی تاریخ کے متعلق اتنی سچی بات کہی ہے۔"

نصیر مسکرانے لگا۔ اس مسکراہٹ میں احساس برتری، آسودگی بے پروائی سبھی کچھ شامل تھا۔

"میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھوں گا اگر اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں۔" شاہد دوبارہ بولا۔

"شوق سے۔" نصیر نے کہا۔ "میں ہر وقت حاضر ہوں...... میں نے اپنی زندگی کا کافی

حصہ چین اور سیام میں گذارا ہے۔"

"تب تو آپ میری سچی رہنمائی کر سکیں گے۔"

نصیر کچھ سوچنے لگا۔

"سیام کے جنگل بھی بڑے عجیب ہیں۔" نصیر بولا۔

شاہد توجہ کے ساتھ سننے لگا۔ لیکن نصیر پھر کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں اسپینی رقاصہ کا ناچ شروع ہو گیا۔

نصیر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی ان لغویات سے دلچسپی نہ ہوگی۔" نصیر بولا۔

"جی نہیں......!" شاہد نے جواب دیا۔

"تو آیئے چل کر کمرے میں گفتگو کریں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسی کے ساتھ رقیہ کا بھائی بھی اٹھا...... شاہد بھی اٹھ گیا۔

"آپ لوگ جایئے میں تو ناچ دیکھوں گی۔" رقیہ بولی۔

شاہد ہنسنے لگا۔

"دنیا کی ساری عورتیں کھیل تماشوں کی دلدادہ ہوتی ہیں۔" نصیر فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"تینوں زینے طے کرتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ اس وقت قریب قریب سارے کمرے مقفل تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسپینی ایکٹریس کا رقص تھی۔

یہ لوگ تیسری منزل کے ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی میز تھی جس پر بہت سی کتابیں بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں اور ایک طرف لمبا پلنگ بھی پڑا ہوا تھا۔ میز کے گرد دو تین کرسیاں تھیں۔

"شاید رقیہ سے آپ کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا......!" نصیر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں......!" شاہد نے جواب دیا۔

"لیکن وہ آپ کا تذکرہ اس انداز میں کرتی ہے، جیسے آپ دونوں برسوں کے ساتھی ہوں۔"

شاہد نے شرمیلے انداز میں سر جھکا لیا۔

"شرمانے کی ضرورت نہیں، میں محبت کو بُرا نہیں سمجھتا۔ فلسفے نے مجھے بہت زبردست روشنی بخشی ہے۔ میں انسانیت کو خون کے رشتوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ ارشد میرا بھتیجا ہے لیکن ہم دونوں اکثر ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اگر آپ بھی پیتے ہوں تو مجھے آپ سے بھی تکلف نہیں۔"

"میں عادی نہیں ہوں۔" شاہد بولا۔ "اکثر تفریحاً پی لیتا ہوں۔"

"خیر بھئی ارشد ذرا گلاس وغیرہ نکال لینا......" نصیر نے کہا۔

ارشد نے الماری سے تین گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور بوتل نکال لایا۔

"اوہ اس میں تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ایک ہی آدمی کیلئے کافی ہو۔" نصیر بولا۔ "شاہد صاحب یہ بہترین قسم کی پرتگالی شراب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ زیادہ نہیں۔"

نصیر نے ساری شراب شاہد کے آگے رکھے ہوئے گلاس میں انڈیل دی۔

"ہم لوگ فی الحال وہسکی ہی پر قناعت کرلیں گے۔" ارشد بولا۔

"جی نہیں...... لیجئے...... لیجئے۔" شاہد نے گلاس آگے بڑھادیا۔

"یہاں تکلف کی ضرورت نہیں۔" نصیر نے گلاس پھر شاہد کی طرف کھسکا دیا۔

ارشد نے الماری سے وہائٹ ہارس کی بوتل نکالی اور خالی گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی ڈال کر سوڈا ملانے لگا۔ تینوں نے گلاس ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ہلکی ہلکی چسکیاں لے کر انہیں پھر میز پر رکھ دیا۔

"بات یہ ہے شاہد صاحب۔" نصیر بولا۔ "مجھے ایک زمانے میں سیامی ناچوں سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔"

"اچھا......!" شاہد متعجبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں...... اور اس سلسلے میں اچھی خاصی ریسرچ کر ڈالی تھی۔"

"خوب......!" شاہد پر آہستہ آہستہ پرتگال کی سالہاسال پرانی شراب کا اثر ہوتا جارہا تھا۔

"سگریٹ......!" نصیر نے شاہد کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں سیام کے سارے ناچ بہت اچھی طرح ناچ سکتا ہوں۔"

"میں نے ایک فلم میں سیام کے ناچ دیکھے تھے۔" شاہد بولا۔

"کہیے آپ کو شراب پسند آئی۔" ارشد نے کہا۔

"بہت...... خدا کی قسم میں نے اتنی نفیس شراب پہلے کبھی نہیں پی۔"

شاہد جھومتا ہوا بولا۔ اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ لے کر سلگایا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

تینوں نے گلاس خالی کردیئے۔ شاہد کا سر بھاری ہوا جارہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کا سر نہیں بلکہ ایک بوجھ ہے جو بے ڈھنگے پن کے ساتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا گیا ہو اور ذرا سی جنبش میں اس کا لڑھک جانا یقینی ہے۔ اس نے اپنا سر میز پر اوندھا لیا۔

"شاہد صاحب......!" نصیر نے اس کا سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے میں آپ کو سیام کا ایک بہاریہ رقص دکھانے جارہا ہوں۔"

"دکھا...... یئے......!" شاہد رک رک کر بولا۔

اچانک نصیر نے اٹھ کر ایک بے ہنگم قسم کی اچھل کود شروع کردی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ بھی دہراتا جارہا تھا۔ اس نے ارشد کو اشارہ کیا وہ بھی اس کے ساتھ اچھلنے کودنے لگا۔

"آپ بھی ناچئے شاہد صاحب ..... یہ سیام کا بہت ہی متبرک ناچ ہے۔" نصیر نے بدستور اچھلتے کودتے ہوئے کہا۔

شاہد لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ بھی انہیں کی طرح اچھلنے کی کوشش کرنے لگا۔ تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور ایک دائرے کی شکل میں اچھل اچھل کر ناچنے لگے۔ شاہد کے قدم ست تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تھک کر گر پڑا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

"ارے بس اتنے ہی میں بول گئے۔" ارشد ہنستا ہوا بولا۔ "بڑے نامرد ہو۔"

"میں.... نامرد...... تم خود نامرد۔" شاہد اٹھتا ہوا بولا۔

وہ تینوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر تک اس اچھل کود کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دفعتاً شاہد کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

"ختم ہوگیا۔" نصیر نے ارشد سے کہا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

"تم لوگ نیچے چلے جاؤ۔" برابر کے کمرے سے ایک بھاری بھر کم آواز آئی۔

دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور اس دروازے کی طرف منہ کر کے قدرے جھکے جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔

دونوں اس طرح جھکے کھڑے تھے جیسے وہ کسی کی پیشوائی کر رہے ہوں۔

"اسپینی رقاصہ سے ملنا جو کچھ وہ دے اُسے نمبر سات کو دینا...... بس جاؤ۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا...... اور ایک اور قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ ایک سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپا رکھا تھا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے شاہد کے جسم کو دو تین بار ہلایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا۔ پھر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک رسی لئے ہوئے آیا اور شاہد کے ہاتھ پیر سمیٹ کر باندھے اور اس کی لاش کو ایک ہاتھ میں لٹکا کر اس کمرے میں لئے چلا گیا۔

پھاٹک پر لاش

صبح کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے لوگ ابھی تک لحافوں میں منہ چھپائے پڑے تھے۔ فریدی کسی کیس کی تیاری کے سلسلہ میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ تقریباً چار بجے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر سویا ہوگا کہ حمید نے آکر جگا دیا۔

"یا وحشت......!" فریدی نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر جنگلی پن کی کوئی حد بھی ہے...... اسی طرح جگاتے ہیں۔"

"اس وقت لکھنوی تکلفات کا موقع نہیں تھا۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ذرا جلدی کیجئے ایک نئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھاٹک پر لاش......!"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ ہمارے پھاٹک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"پھاٹک پر......!" فریدی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے......!" فریدی برآمدے میں پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا پھاٹک پر آیا۔ لاش پھاٹک سے ملی ہوئی باہر کی طرف پڑی تھی۔ فریدی نے جلدی سے پھاٹک کو کھولا۔ یہ ایک نوجوان کی لاش تھی۔ اس نے نیلی سرج کا نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ فریدی لاش پر جھک گیا۔ اس نے اُسے ہلانا چاہا۔

"معلوم نہیں موت کو کتنی دیر ہوئی، جسم اکڑ گیا ہے۔" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "کوئی زخم نہیں موت کس طرح واقع ہوئی۔ ذرا جلدی سے میرا محدب شیشہ تو لے آؤ۔"

حمید دوڑتا ہوا چلا گیا۔

فریدی بہت انہماک کے ساتھ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید شیشہ لے کر آ گیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد فریدی نے سر اٹھایا۔

"بظاہر کوئی مشکوک بات دکھائی نہیں دیتی۔ یہ کوئی مفلوک الحال آدمی بھی نہیں معلوم ہوتا جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ سردی سے اکڑ کر مر گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی دیدہ دانستہ ڈال گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جاؤ جا کر کوتوالی میں فون کر دو۔"

حمید پھر اندر چلا گیا اور فریدی لاش کے قریب کھڑا رہا۔

ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی تھی اور اب سڑک پر آمد و رفت بھی شروع ہو گئی تھی۔ لوگوں نے بھیڑ لگانی چاہی لیکن فریدی نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی لاری آ گئی۔ کوتوال شہر اور دو ایک سب انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ہمراہ اس پر سے اترے۔

فریدی نے کوتوال سے سب کچھ کہہ سنایا۔

"بڑی حیرت کی بات ہے...... آخر اسے یہاں ڈال جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔

"مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں نہیں مرا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو صاف ظاہر ہے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔

"بڑی مصیبت کا سامنا ہے، آئے دن ایک نہ ایک آفت......!" کوتوال پریشانی کے لہجے میں بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا شہر مجرموں کی زیارت گاہ بن گیا ہے۔"

"میرے خیال سے اب آپ اُسے اٹھوالے جایئے۔ پوسٹ مارٹم کرانے کی کوشش جلدی کیجئے گا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو یہ اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج معلوم ہوتا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانے......!" کوتوال نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور لاش اٹھوا کر لاری پر رکھوانے لگا۔

وہاں سے فرصت پا کر فریدی اور حمید اندر آئے۔

"پہلے زندہ فریادی آپ کے پاس آیا کرتے تھے اب مردوں نے بھی راستہ دیکھ لیا۔ خدا خیر کرے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے تو یہ معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آرہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"چاہے ٹیڑھا ہو چاہے سیدھا...... بے اطمینانی تو اپنی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہے۔

ناشتہ آیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ حمید نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ متوجہ نہیں ہوا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے عمل تنویم کے ذریعہ اسے بے حس کر دیا ہو۔

حمید اس کی عادتوں سے بخوبی واقف تھا اس لئے اس نے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

تقریباً تین بجے شام کو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ انسپکٹر جگدیش آیا ہے۔

فریدی نے اسے فوراً ہی بلوا لیا۔ اس سے قبل وہ کئی ملنے والوں کو علالت کا بہانہ کر کے ٹال چکا تھا۔

"کہو جگدیش کیسے آئے۔" فریدی نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے پوچھا۔

"ارے صاحب کیا بتاؤں...... اس لاش کے متعلق تحقیقات میرے ہی سپرد کی گئی ہے۔"

"ہوں......!"

"پوسٹ مارٹم کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ مرنے والا مرگی کا مریض تھا اور مرگی کے دورے ہی کی حالت میں اچانک اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

"ہوں......!"

"تب تو ساری الجھن رفع ہو جاتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ رات میں کسی وقت گذرا...... یکایک یہاں پہنچ کر مرگی کا دورہ پڑا اور گر پڑا اور پھر اسکے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔"

"شاباش......!" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "میرا دماغ تو اس طرف پہنچا ہی نہیں تھا۔ واقعی تم ایک بڑے کار آمد آدمی ہو۔"

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں تو پھر تفتیش کیسی؟" فریدی جگدیش کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"یہی کہ وہ کون تھا...... کہاں رہتا تھا...... نام...... پتہ نشان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس کی بناء پر اس سے کچھ معلوم ہو سکتا۔"

"تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شام کے اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور چھپے گا جسے دیکھ کر اس کا کوئی نہ کوئی وارث، دوست یا جان پہچان والا کوتوالی ضرور پہنچے گا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... دیکھئے...... اگر کوئی پردیسی نہ ہوا تو......!" جگدیش نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فریدی نے آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سگار کے ہلکے ہلکے کش لے کر فضاء میں دھوئیں کے لچکیلے لہریئے بکھیر رہا تھا۔

"واقعی یہ مرض بڑا خطرناک ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"کون سا مرض......!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"یہی مرگی۔"

"تو کیا تم واقعی اسے مرگی ہی کا کیس سمجھتے ہو۔"

"میں کیا...... ڈاکٹروں کی یہی رائے ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے کوٹ میں سے درزی کا لیبل کیوں نوچا گیا ہے۔"

"لیجیے...... جگدیش صاحب الجھ گیا معاملہ۔" حمید نے کہا۔

"واقعی یہ بات قابل غور ہے۔" جگدیش بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ خود مرنے والے نے اسے کسی وجہ سے نکال دیا ہو۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا...... تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کچھ اور بھی ہے۔"

"اور تو کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اوہ ٹھیک یاد آیا...... ڈاکٹر کی رائے ہے کہ مرنے سے قبل شاید اسے قے بھی ہوئی تھی۔"

"قے......!" فریدی چونک کر بولا۔

وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔

"مرگی...... قے...... ہارٹ فیل......!" وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکل رہے تھے، جو کم از کم حمید اور جگدیش کے لئے نئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً وہ مڑا اور کمرے سے نکل کر لائبریری میں چلا گیا۔

حمید اور جگدیش حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

دونوں کافی دیر تک بیٹھے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ دفعتاً انہیں فریدی کا قہقہہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے۔ چند لمحوں بعد فریدی مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کوئی نئی بات۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

دوسری لاش

لاش کے متعلق کسی کو کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا اور آخر کار وہ سپرد خاک کر دی گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے آگے بھلا فریدی کی کیا چلتی۔ اس نے بھی یہ ضروری نہ سمجھا کہ حکام کو اپنے شکوک سے آگاہ کرے۔ کیونکہ قریب قریب سب کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت معمولی حالات میں واقع ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی سوچا کہ چلو ایک جھنجھٹ سے نجات ملی۔ اگر کہیں زہر خورانی یا قتل وغیرہ کا کیس ثابت ہوتا تو خواہ مخواہ مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا۔ لیکن ان کا یہ سکون زیادہ وقفے تک برقرار نہ رہ سکا۔ تیسرے دن پھر ایک لاش فریدی کے پھاٹک پر پائی گئی اور پولیس والوں کو الجھن میں مبتلا ہونا پڑا۔ یہ لاش بھی ایک نوجوان ہی کی تھی۔

"لیجیے جناب...... اس پر بھی مرگی کا دورہ میرے ہی پھاٹک پر پڑا۔" فریدی ڈی ایس پی سے کہہ رہا تھا۔

"واقعی یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

"لیکن یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس پر بھی مرگی کا دورہ ہی پڑا۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا۔

"نہ گھوڑا دور نہ میدان، اس کے متعلق بھی ڈاکٹروں کی رپورٹ دیکھ لیجیے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کی موت بھی انہیں حالات میں ہوئی ہے، جن میں پہلے ہوئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

پولیس والے طنزیہ انداز میں مسکرانے لگے۔

"خیر صاحب دیکھا جائے گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید لوٹ آئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے بھی چین نہ لینے دیں گے۔" حمید نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... اچھا...... نیچے کرسی پر تشریف رکھیے۔ پتہ نہیں تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔" فریدی نے کہا۔

حمید میز سے اتر کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو فرمائیے میں آپ کو کیوں چین نہ لینے دوں گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آخر خواہ مخواہ ان لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"شبہہ کیوں...... یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان دونوں کی موتیں غیر معمولی حالات میں ہوئی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"صرف آپ کے نزدیک! ورنہ وہ لوگ تو اسے قتل سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اب انہیں بھی خواہ مخواہ اس معاملے میں ہوشیار ہونا پڑے گا اور آئی گئی اپنے سر جائے گی۔"

"لیکن میں خود اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کی دلچسپی...... آپ تو ہر معاملے میں کود پڑتے ہیں۔"

"اچھا...... اچھا...... بے کار باتیں نہیں۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"اچھا صاحب میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ کی قسمت ہی میں در در کی ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں۔"

"اس وقت تو تم کسی شوہر پرست اور چڑچڑی قسم کی بیوی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا......!" حمید نے گنگنا کر کہا۔

"ہونٹ چاٹو...... ہونٹ برخوردار...... احمق کہیں کے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غزالہ آپ کے لئے ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکے گی۔" حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی، لیکن فریدی سنی ان سنی کر کے بولا۔

"ہاں تو دیکھو تم بڑے ہسپتال چلے جاؤ اور جیسے ہی ڈاکٹر کی رپورٹ تیار ہو جائے اس کے متعلق پتہ لگا کر سیدھے آفس چلے آنا۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسی کی کیا بات۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں، بہر حال آپ غزالہ کا تذکرہ میری زبان سے نہیں سننا چاہتے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"بخدا بہت حسین ہے۔"

"ہو گی۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ......!"

"لیکن میں آپ کا سچ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "آپ براہِ کرم ناشتہ کر کے سیدھے ہسپتال چلے جائیے...... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔"

حمید ناشتہ کر کے ہسپتال چلا گیا اور فریدی لائبریری میں بیٹھ کر ایک کتاب الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ مطالعہ کرتا رہا۔ وہ ایک کے بعد دوسری کتاب اٹھاتا اور پڑھ کر رکھ دیتا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ہی موضوع پر متعدد کتابیں دیکھ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ پڑھتے پڑھتے اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک سگار سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

دس بج رہے تھے، اس نے لائبریری سے ڈرائنگ روم میں جا کر کچھ کھانا کھایا اور آفس چلا گیا۔ وہ بے چینی سے حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً تین بجے حمید واپس آیا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"آپ کا خیال قطعی درست ثابت ہوا۔ دوسری لاش کے متعلق بھی حرف بحرف وہی رپورٹ ہے جو پہلی لاش کے متعلق تھی۔" حمید نے کہا۔

"ہوں......!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار ہونٹوں میں دبا کر سامنے رکھے ہوئے فائل پر نگاہیں جما دیں۔

"اس رپورٹ سے پولیس والوں میں کافی ہیجان پھیل گیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ معاملہ جلد ہی ہم لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔"

"ہوں......!"

فریدی اٹھ کر برآمدے میں چلا گیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے کہ چپراسی نے آ کر جیکسن صاحب کا سلام دیا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جیکسن کے کمرے کی طرف بڑھا۔ "آئیے...... آئیے...... مسٹر فریدی۔" جیکسن نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ فریدی بیٹھ گیا۔

"میں نے سنا ہے کہ آج پھر آپ کے پھاٹک پر کوئی لاش پائی گئی ہے۔"

"جی ہاں اور پوسٹ مارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے بالکل وہی رپورٹ دی ہے، جو پہلی لاش کے

متعلق تھی۔"

"ارے......!" جیکسن چونک کر بولا۔

"جی ہاں......!"

"بڑی عجیب بات ہے۔" جیکسن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دونوں لاشیں آپ ہی کے پھاٹک پر پائی گئیں اور دونوں کے متعلق ایک ہی رپورٹ...... بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیکسن تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ "کہئے کوئی کلیو۔"

"فی الحال کوئی نہیں......! کوئی ایسی چیز ہی نہیں مل سکی جس کی بناء پر کوئی خاص رائے قائم کی جاتی۔" فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سول پولیس کے بس کا کیس نہیں۔" جیکسن بولا۔

"دیکھئے...... کیا ہوتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"ہوگا کیا...... ہمارے ہی سر مصیبت آئے گی۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں نے جمع کا صیغہ غلط استعمال کیا ہے۔ تنہا آپ کے سر مصیبت آنے والی ہے۔"

"اور میں اس قسم کی مصیبتوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"واقعی آپ ہی کا کام ہے۔"

فریدی خاموش رہا۔

"اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہو۔"

"جی ہاں......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔

"کہئے کیا پولیس نے کاغذات یہاں بھیج دیئے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" فریدی نے کہا اور کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

"اگر واقعی یہ کیس ہمارے سپرد کر دیا گیا تو پریشانی ہوگی۔" حمید بولا۔

"ظاہر ہے۔"

حمید نے فریدی کے مختصر جوابات سے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس وقت باتیں نہیں کرنا چاہتا اس لئے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

ایک اجنبی

سول پولیس کے تھک ہار جانے کے بعد یہ معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔ بس پیچیدہ تھا اس لئے حکام نے اس کیلئے فریدی کو منتخب کیا۔ اگر کیس کسی دوسرے کو دیا بھی جاتا تو فریدی کوشش کر کے اس کا چارج خود لیتا کیونکہ وہ اسے اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج سمجھ رہا تھا۔

فریدی اس کیس کا انچارج بن تو گیا تھا لیکن ابھی تک وہ کسی راستے کا تعین نہیں کر سکا تھا۔ اس بار اسے بالکل اندھیرے میں تیر پھینکنا پڑا تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کے سہارے وہ مجرم تک پہنچ سکتا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ایسے مواقع پر یونہی بے مقصد شہر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ دستور کے مطابق شہر کی گلیاں اور سڑکیں ناپ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک چھوٹے سے خوبصورت کیفے کے سامنے رک گیا۔ اندر اُسے ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی وہ سوچنے لگا کہ اس نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک فٹ پاتھ پر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کیفے میں داخل ہو گیا۔ وہ شخص جسے دیکھ کر وہ رکا تھا ایک خالی میز پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی تھا۔ اس نے کتھئی رنگ کے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر روی طرز کا بھاری بھرکم فریم والا چشمہ تھا اور انگلیوں میں نہایت سبک اور عمدہ قسم کی انگوٹھیاں تھیں۔ سرخ و سپید چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"جی......!" اس نے سر اٹھا کر فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کئی میزیں بالکل خالی ہیں۔"

اس کی آواز سن کر فریدی کے ماتھے کی شکنیں ابھر آئیں، لیکن پھر فوراً ہی چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں پھیلتی نظر آئیں۔

"نہیں یار شنکر میں تو یہیں بیٹھوں گا" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ فریدی کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں...... میں تمہیں گرفتار کرنے نہیں آیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "خاموشی

سے بیٹھ جاؤ، ورنہ اس طرح اچھل کود دوسروں کو مشکوک کر رہی ہے، وہ دیکھو لوگ ہمیں گھورنے لگے۔"

اس آدمی نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل دیا اب وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملا رہا تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔ فریدی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

"کہو...... کلکتے سے کب آئے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کئی دن ہوئے۔" اجنبی نے جواب دیا۔

"مجھے چائنا بینک کے ڈاکے کا حال معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم مطمئن رہو معمولی قسم کی چوروں یا ڈاکوؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اجنبی خاموش بیٹھا سنتا رہا۔

"کیا تم اسی وجہ سے وہاں سے چلے آئے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں...... وہاں کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکے۔" اجنبی جوش میں بولا۔

"آدمی دلیر ہو...... یہ تو میں مانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیز لے کر آ گیا۔

"لو بھئی چائے پیو......!" فریدی نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"شکریہ......!" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس عنایت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ستو یار! میں بھی آدمی ہوں...... مجھ پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت نہیں سوار رہتا اور پھر تم ویسے ہی مجھے جانتے ہی ہو کہ میں کتنا سوشل آدمی ہوں۔"

"بہت اچھی طرح......!" اجنبی طنزیہ انداز میں بولا۔

"تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تمہاری بدگمانی دور نہیں ہوئی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ حقیقت ہے......!" اجنبی نے کہا اور چائے پینے لگا۔

"پیسٹری......!" فریدی نے پیسٹری کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو شنکر اس حقیقت سے تمہیں انکار نہ ہونا چاہئے کہ اس وقت تم میرے قبضہ میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر کافی تعداد میں پولیس کے جوان موجود ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اجنبی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" اجنبی الجھ کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں...... صرف دوستانہ بات چیت...... یہ تو سوچو کہ ہم تقریباً پانچ سال بعد ملے ہیں۔"

"اور جیسے آپ نے یہ پانچ سال کا عرصہ میرے لئے تڑپ تڑپ کر گزارا......!" اجنبی ہنس کر بولا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔

"بس تمہاری گفتگو کا یہی انداز مجھے پسند ہے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کی ان چکنی چپڑی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا ان لاشوں سے قطعی کوئی تعلق نہیں، جو آپ کے پھاٹک پر پائی گئی تھیں۔"

"بخدا تم بڑے ذہین ہو...... اچھا تمہارا ان لاشوں کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"یعنی......!"

"اس معاملے میں کسی بہت ہی گہرے قسم کے بزرگوار کا ہاتھ ہے۔" اجنبی بولا۔

"بہت اچھے۔" فریدی نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم یہاں بھیس بدلے ہوئے کیوں گھوم رہے ہو اور یہاں آنے کا مقصد۔"

"آپ جانتے ہی ہیں کہ میں یہاں سے کیوں بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں بھیس بدلے بغیر میں یہاں کیسے آ سکتا تھا۔"

"مگر اس لڑکی کا کیا ہوا جسے تم لے بھاگے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط قسم کے سوالات کر رہے ہیں۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "میں اپنے

نہیں لے بھاگا تھا بلکہ وہ خود مجھے بھگالے گئی تھی۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "غالباً وہ تمہارے ہی ساتھ ہو گی۔"

"نہیں......!" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "کلکتے سے وہ ایک دوسرے آدمی کو بھگالے گئی۔ دراصل اس نے وقتی طور پر اپنے بوڑھے اور دولت مند شوہر سے پیچھا چھڑانے کے لئے مجھے آلۂ کار بنایا تھا۔"

"بہر حال بیچارے رائے بہادر مفت میں مارے گئے۔"

"ذرا آہستہ بولئے۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ معاف کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں تم نے اپنے یہاں آنے کی وجہ نہیں بتائی۔"

"کیا کیجئے گا سن کر...... آپ کو ہنسی آئے گی۔"

"اچھا......!" فریدی نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔ "بھلا ہنسی کیوں آئے گی۔"

"بات ہی ایسی ہے۔"

"پھر بھی......!"

"آپ نے سنا ہو گا کہ آج کل میٹرو میں ایک اسپینی رقاصہ آئی ہوئی ہے۔" اجنبی قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں سنا تو ہے...... پھر......!" فریدی اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کلکتے سے اس کا پیچھا کرتا ہوا آرہا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"کیا بہت زیادہ مالدار ہے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پھر غلط سمجھے۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "میں دراصل......!"

"اوہ سمجھا......!" فریدی ہنس کر بولا۔ "شاید اس پر عاشق ہو گئے ہو۔"

"چلئے یہی سمجھ لیجئے۔" اجنبی بھی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر اچانک اجنبی بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے۔"

"ابھی شاید تمہارا اطمینان نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا کیسے ہو سکتا ہے...... جب کہ آج کل میرا وارنٹ جاری ہے۔"

"پھر مجھے اس سے کیا۔" فریدی نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں معمولی معاملات میں قطعی دلچسپی نہیں لیتا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں...... لیکن......!"

"میرا اس طرح پیش آنا مصلحت سے خالی نہیں۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں......!" اجنبی نے سر ہلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"فرض کرو...... میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بسر و چشم...... میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گا۔ بشرطیکہ اس میں کوئی چال نہ ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر جب تمہیں اطمینان نہیں ہوتا تو جانے دو۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اس کام کی نوعیت......؟" اجنبی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔" فریدی بولا۔ "تو تم بھی وہیں میٹرو میں ٹھہرے ہو گے۔"

"ظاہر ہے......!" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اچھا تو پھر میں آج شام کو میٹرو آؤں گا...... ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تمہاری پسند کیسی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور ضرور...... میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اکیلے ہی آئیے گا۔"

"نہیں...... میرے ساتھ میرا اسسٹنٹ حمید بھی ہو گا۔"

"اچھا تو میں ایک میز پہلے ہی مخصوص کرالوں گا... کیونکہ آج کل بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔"

"بہت اچھا......!" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر پر بل ادا کر کے باہر نکل گیا۔

اجنبی بھی اٹھا اور فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر جاتے ہوئے فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ اچانک فریدی لوٹ پڑا۔

"ایک بات تو بھول ہی گیا۔" فریدی اس کے قریب آکر بولا۔

"فرمائیے۔"

"تمہارا موجودہ نام کیا ہے۔"

"لوگ مجھے پروفیسر جاوید کہتے ہیں۔"

"بہت خوب......اچھا تو پھر آٹھ بجے ملاقات ہو گی۔"

"ضرور......!"

فریدی اس سے ہاتھ ملا کر چل پڑا۔

ایک تصویر ایک خط

میٹرو ہوٹل کا وسیع ہال شہر کے فیشن ایبل اور ذی حیثیت طبقہ کے افراد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آج اسپینی رقاصہ کا اسپیشل پروگرام تھا۔ کچھ میزیں خالی نظر آرہی تھیں، لیکن بہتیرے لوگوں کی واپسی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پہلے ہی سے "مخصوص" کرائی جا چکی ہیں۔

فریدی اور حمید بہترین سوٹوں میں ملبوس میٹرو ہوٹل کے ہال میں داخل ہوئے، فریدی کی نگاہیں شنکر کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتاً ایک جگہ اس کی نظریں رک گئیں۔ شنکر ہاتھ اٹھائے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، دونوں جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے اس کی میز پر پہنچے۔

"پروفیسر جاوید اور سرجنٹ حمید......!" فریدی نے شنکر اور حمید کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے

چند رسمی جملے کہے اور بیٹھ گئے، شنکر نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

حمید کی نگاہیں بار بار اسٹیج کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر آج فریدی کو یک بیک تفریح کی کیوں سوجھی اور تفریح بھی کیسی ایک خوبصورت عورت کا ناچ۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پروفیسر جاوید کون ہے کہاں سے آیا ہے اور فریدی کا کس قسم کا دوست ہے۔ کیونکہ اس نے فریدی کی زبان سے اس کا تذکرہ کبھی نہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سارا ہال آرکسٹرا کی آواز سے گونج اٹھا۔ گو کہ موسیقی غیر ملکی تھی لیکن انواع و اقسام کے سازوں کی ہم آہنگی نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو کم از کم مغربی طرز کے ہندوستانیوں کے لئے نئی نہ تھی۔ اسپینی رقاصہ اپنے ڈھیلے ڈھالے ریشمی لباس میں ہلکورے لیتی

ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ یہ لوگ جس میز پر تھے وہ اسٹیج سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ رقاصہ کے دل آویز خدوخال یہاں سے صاف نظر آرہے تھے۔ فریدی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

"کوسائی کی طرز جدید......!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"جی......!" شنکر چونک پڑا۔

"اسپین کا دہقانی رقص کچھ نئی تبدیلیوں کے ساتھ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں تمہارے انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ......!" شنکر بولا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پردہ گرا دیا گیا...... سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اسی شور میں فریدی کو کسی کی آواز سنائی دی، جو بُری طرح چیخ رہا تھا۔

"سرخ......سرخ......سب کچھ سرخ......یہ کیسی سرخی ہے۔"

فریدی چونک پڑا......ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

"شاید زیادہ پی گیا ہے۔" کئی میزوں سے آوازیں آئیں۔

فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اب تک "سرخ سرخ" کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

"حمید جلدی کرو۔" فریدی کہتا ہوا اس آدمی کے پیچھے لپکا۔ اس نے ایک اور شخص کو بھی اس کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا، حمید اور شنکر دونوں اٹھ کر آگے بڑھے۔

باہر نکل کر دوسرے آدمی نے چیخنے والے کو پکڑ لیا اور اسے لے جانے کے لئے کھینچنے لگا۔

"کیا بات ہے......!" فریدی نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

"آپ سے مطلب......!" دوسرا آدمی درشت لہجے میں بولا۔

مدہوش آدمی قہقہہ لگا کر بولا۔ "تم بھی سرخ ہو...... میں بھی سرخ ہوں، سب کچھ سرخ ہے۔"

"دیکھو مسٹر سیدھی طرح بات کرو۔" فریدی گرج کر بولا۔

"تم کون ہوتے ہو ہمارے معاملات میں دخل دینے والے۔" اس نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر فریدی نے گردن پکڑ لی۔

وہ گردن چھڑانے کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اس نے فریدی کے دو تین مکے بھی رسید کئے لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

"تم دونوں اسے کار میں لے کر فوراً گھر جاؤ...... میں ابھی آتا ہوں۔"

دونوں نے مدہوش آدمی کو زبردستی کار میں بٹھایا اور فریدی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

فریدی اس آدمی کو گردن سے پکڑے ہوئے قریب کے تھانے کی طرف لے چلا۔

سب انسپکٹر اسے اس حال میں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"رشید اسے بند کر دو...... مجھے جلدی ہے ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے گردن پکڑے ہوئے آدمی کو فرش پر دھکیل دیا۔

"کب تک کے لئے۔" رشید نے پوچھا۔

"جب تک میں واپس نہ آؤں۔" فریدی نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اس نے بہت سے لیموں خریدے اور ایک ٹیکسی کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مدہوش آدمی صوفے پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ حمید اور شنکر اس پر جھکے ہوئے تھے۔

"اسے قے تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......!"

حمید قے کا نام سن کر چونک پڑا۔

"قے...... کیا مطلب......!"

"ابھی بتاتا ہوں......" فریدی نے کہا۔ "اس کا منہ چیرو...... جلدی کرو۔"

حمید نے منہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کے دانت ایک دوسرے پر جم کر رہ گئے۔ بہزار دقت وہ منہ کھولنے میں کامیاب ہوا۔ فریدی نے سارے لیموں کاٹ کاٹ کر اس کے حلق میں نچوڑ دیئے اور ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ شنکر اور حمید سمجھ رہے تھے کہ شاید فریدی نے اس کا نشہ کم کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً اس کے منہ اور ناک سے ہرے رنگ کا پانی بہنے لگا۔

"اوہ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میرا خیال صحیح نکلا۔"

"یعنی......!" حمید جلدی سے بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں......!" فریدی نے کہا اور بے ہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر سب لاحاصل۔" وہ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "اس کی جان تو بچ گئی لیکن ہمارے لئے بے سود۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"گھبراتے کیوں ہو...... بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اگر اتفاق سے یہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جاتا تو ہمیں اس کی لاش بھی اپنے پھاٹک پر دیکھنی پڑتی۔"

حمید اور شنکر اپنی اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔

"وہ کیسے......!" حمید تیزی سے بولا۔

"ٹھہرو......!" فریدی سکوت کے ساتھ بولا۔

اس نے اٹھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کی۔

چند کاغذات اور کچھ سکے نکال کر اس نے میز پر ڈال دیئے اور ایک ایک کر کے کاغذات کا مطالعہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"لو بھئی...... شاید یہ صاحبزادے عشق بھی فرماتے تھے۔" فریدی نے ایک چھوٹی سی تصویر اور ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

شنکر بھی دیکھنے کے لئے جھک پڑا۔ دفعتاً اس کے منہ سے متعجبانہ انداز میں ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ارے یہ تو...... وہ ہے......!" شنکر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کون......!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پروفیسر نصیر کی بھتیجی...... رقیہ......!"

"پروفیسر نصیر...... کون پروفیسر نصیر......!"

"وہیں میٹرو میں رہتا ہے...... اس نے محض مطالعہ کرنے کی غرض سے وہاں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"اوہ......!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نصیر...... کیا تمہاری اس سے جان پہچان ہے۔"

"بہت معمولی سی۔" شنکر بولا۔

"کیا لڑکی بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔"

"نہیں......!"

فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا اور تصویر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔

"یہ خط ہے......بہت دلچسپ۔" فریدی نے کہا اور خط پڑھنے لگا۔

"ڈیئر سعید......!

آج شام کو میٹرو میں ملو، اور ہاں میری وہ تصویر بھی لیتے آنا، جو میں نے تمہیں دی تھی۔ میری ایک سہیلی اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اسے دکھا کر تمہیں پھر واپس کر دوں گی۔ چچا جان تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ فقط"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ایک دلچسپ جال......!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "محبت کی پینگیں بڑھانے کے لئے اس نے اسے اپنی تصویر دی اور پھر نہایت خوبصورتی کے ساتھ واپس لینا چاہتی ہے تاکہ اس کے مرجانے کے بعد اس کے یہاں سے کوئی ایسی چیز نہ دستیاب ہو سکے، جس کے ذریعہ مجرموں کا سراغ ملنے کا امکان ہو...... مگر افسوس کہ کسی وجہ سے پلاٹ ناکام رہا۔"

"آخر آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ابھی فی الحال وضاحت کے لئے وقت نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں اس کے پاس ٹھہرو...... نوکروں کو بھی یہیں بلوالو۔ کیونکہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ رہے گا۔ نہیں سمجھے! اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہو گا۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے......اور تم شنکر......اوہ...... جاوید میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی شنکر کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں بعد فریدی کی کار میٹرو کی طرف جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں......؟" شنکر نے پوچھا۔

"میٹرو......!"

"کیوں......؟"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی۔"

"اوہ......!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ کار شہر کی پر رونق سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

"ارے یہ کیا......؟" دفعتاً شنکر چیخا۔

"کیا......!"

"شنکر نے میٹرو ہوٹل کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شعلے نکل رہے تھے۔"

"آگ......!" فریدی جلدی سے بولا۔ "یہ آگ کیوں۔"

اس نے فٹ پاتھ پر کار کھڑی کر دی۔ لوگ میٹرو سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے آدمی بُری طرح چیخ رہے تھے۔ پولیس بھی آگئی تھی۔

فریدی اور شنکر اندر گھسنے لگے۔

"کیا ہے......کون ہو تم لوگ۔" ایک سب انسپکٹر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اپنے چہرے پر جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا دیا۔

"اوہ آپ......!" سب انسپکٹر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تیزی سے اندر گھس گئے۔

"نصیر کا کمرہ......!" فریدی نے کہا۔

"ادھر......!" شنکر بولا۔ اور دونوں ایک طرف کے زینوں پر چڑھنے لگے۔

"اوہ......!" شنکر رک گیا۔

"کیا......!"

"اسی کے کمرے میں آگ لگی ہے۔"

"پٹرول کی بو......!" فریدی بولا۔ "آگ دیدہ دانستہ لگائی گئی ہے، مگر کیوں۔"

دونوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن آگ کی لپٹیں اتنی تیز تھیں کہ قدم بڑھانا محال معلوم ہو رہا تھا۔ یہاں اس جگہ بھی کافی مجمع ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آگ بجھانے والے انجن آگئے اور کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پالیا گیا۔ فریدی اور شنکر آگے بڑھے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں جل کر کوئلہ ہو چکی

تھیں......اندر کا سارا سامان بھی انگاروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"بے کار بے سود۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "وہ لوگ صاف نکل گئے۔"

"جی......!" شنکر چونک کر بولا۔

"خیر کوئی پرواہ نہیں، ابھی ایک کڑی ہمارے ہاتھ میں ہے۔" فریدی نے کہا اور زینوں سے نیچے اترنے لگا۔ "آؤ شنکر تھانے چلیں۔"

سب انسپکٹر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہئے کوئی اور خدمت......!" وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ذرا اُسے لاؤ......!" فریدی نے کہا۔

"کسے......!" سب انسپکٹر متعجبانہ انداز میں بولا۔

"یہی جسے میں تمہارے سپرد کر گیا تھا۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

سب انسپکٹر اور زور سے ہنسنے لگا۔

"کیا لغویت ہے۔" فریدی تقریباً چیخ کر بولا۔

سب انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ وہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"آخر بولتے کیوں نہیں۔" فریدی پھر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر میں اسے کیا سمجھوں۔" سب انسپکٹر الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"عجیب آدمی ہو تم...... آخر سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"جناب والا......ابھی ابھی آپ خود ہی تو اسے لے گئے ہیں۔" سب انسپکٹر بھی کچھ گرم لہجے میں بولا۔

"میں......!" فریدی اچھل پڑا۔

"جی ہاں......!" سب انسپکٹر نے کہا اور ناخوشگوار انداز میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"تب تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"دھوکا...... کیا مطلب۔" سب انسپکٹر چونکا۔

"میرے بھیس میں کوئی اور اسے اڑا لے گیا۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" سب انسپکٹر گھبرا کر بولا۔

"کیا اُسے لے جانے والا تنہا تھا۔"

"جی ہاں...... مگر...... مگر...... آپ......!"

"ہاں بھئی یقین کرو کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی اور شنکر بے نیل و مرام گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔

لاشوں کا راز

فریدی اور شنکر گھر پہنچے۔ وہ آدمی بیدار ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے ہوش میں کہا جاسکتا۔ اس کے بیدار ہوتے ہی حمید کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر چند نوکر بھی اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اسے کسی طرح نہ روک پاتا کیونکہ اس نے اٹھ اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آخر تنگ آکر حمید نے نوکروں کی مدد سے اُسے صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

جس وقت فریدی اور شنکر گھر میں داخل ہوئے وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔

"میں ناچ سکتا ہوں......!" وہ وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

"اسپینی رقاصہ کی طرح...... میں نے سیکھ لیا ہے...... چچا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا......ہاہاہا۔"

"تم نے دیکھا......!" فریدی شنکر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ اس سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا...... اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ ہوگا۔"

"آخر یہ سب ہے کیا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "خواہ مخواہ ایک خبطی آدمی کو پکڑ لائے اور

میرے سر منڈھ دیا۔"

"دھیرج...... دھیرج...... برخوردار......!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ پھر شنکر سے بولا۔ "میٹرو میں آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا۔"

شنکر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ابھی دوبارہ میٹرو میں واپس آئیں گے کیونکہ وہ اس کی جیب سے تصویر اور خط نہیں نکال پائے تھے۔ انہوں نے تم کو بھی ہمارے ساتھ دیکھا اور یقین کر لیا کہ تم اس تصویر کو دیکھ کر ہم لوگوں کے متعلق ضرور بتاؤ گے۔ یا پھر ممکن ہے کہ انہوں نے تمہیں بھی جاسوس سمجھا ہو۔ ہاں تو انہوں نے میٹرو میں اس لئے آگ لگائی کہ ہمیں اس میں الجھا کر اپنے اس آدمی کو نکال لے جائیں جسے ہم نے تھانے میں بند کروا دیا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔"

"مگر...... مگر......" شنکر بے صبری سے صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کون ہے۔"

"ایک مظلوم......!" فریدی نے جواب دیا۔ "اگر یہ ہمارے ہاتھ اتفاق سے نہ لگ جاتا تو کل اس کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ہمیں مرگی اور ہارٹ فیل وغیرہ کی کہانی سناتی۔"

"اوہ...... لیکن آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا۔" حمید جلدی سے بولا

"اپنی معلومات کی بنا پر۔" فریدی بولا۔ "اچھا بتاؤ یہ ہوٹل میں چیخ چیخ کر کیا کہہ رہا تھا۔"

حمید سوچنے لگا۔ صوفے میں بندھا ہوا آدمی کافی دیر تک چیختے رہنے کے بعد نڈھال ہو کر اونگھنے لگا تھا۔

"میرے خیال میں یہ سرخ سرخ کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ٹھیک......!" فریدی بولا۔ "اس زہر کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے شکار کو جب تک وہ زندہ رہتا ہے ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔"

"زہر......!" حمید تقریباً اچھل کر بولا۔

"ہاں زہر...... اور یہ اپنی قسم کا واحد زہر ہے۔ تم نے دوسرے زہروں کے متعلق سنا ہو گا کہ اگر زہر کھائے ہوئے آدمی کو فوراً قے ہو جائے تو اس کے بچ جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے

ہیں، لیکن اس زہر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قے ہوتے ہی آدمی مر جاتا ہے اور اگر کسی طرح قے روک دی جائے تو پھر نہیں مرتا۔ لیکن زندگی بے کار ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے الف لیلیٰ میں ایک کہانی اس قسم کی پڑھی تھی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم احمق ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"میں ابھی آیا......!" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کی چمڑے کی کرم خوردہ جلد بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانی ہے۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر بہت احتیاط سے اس کے ورق الٹنے لگا۔

"اس کتاب کا نام ہے...... 'افریقہ کے کچھ راز' یہ دراصل گلبرٹ نامی ایک پادری کی ڈائری ہے جو اٹھارویں صدی میں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا۔" فریدی نے کتاب کے کچھ مخصوص صفحات پر روشنائی سے نشانات لگائے ہوئے تھے کھولتے ہوئے کہا۔

شنکر اور حمید خاموشی سے سن رہے تھے۔

فریدی نے پڑھنا شروع کر دیا۔

"وہ جس نے مریم کے جسد میں اپنی روح پھونک دی، وہ جس نے اپنے بیٹے کو ظالموں سے رہائی دلا کر اپنے پاس آسمان پر بلا لیا۔ وہ جو حشر کے دن ہماری پیشانیوں پر اپنے بیٹے کی غلامی کا داغ دیکھے گا...... اس کی عظمت...... اور اس کی بزرگی کا احساس افریقہ کے پُراسرار جنگلوں میں ہوتا ہے...... ہم دشوار گذار راستے طے کر کے ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں زولو قوم بستی ہے۔ ہمارے پاس کوسامی کی نشانی تھی۔ کوسامی...... موبوٹو قبیلے کا سردار ہے۔ میں نے اسے کالے بخار سے نجات دلائی تھی۔ اس نے خوش ہو کر مجھے اپنی نشانی دی تھی اور نشانی کا احترام کرنے والے مجھے اس علاقے میں ہر جگہ نظر آئے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کوسامی ان کے سب سے بڑے دیوتا سرخ بندر کی اولاد ہے۔ وہ اس سے اس طرح خوف کھاتے ہیں جیسے اپنے دیوتا سے۔ ہم لوگ زولو قوم کے افراد میں اس وقت پہنچے جب وہ اپنا سب سے بڑا تہوار منانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہمیں بھی اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی، ہم اس جگہ پہنچے جہاں تہوار منایا جانے والا تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا جس کے پیروں کے پاس تقریباً پندرہ گز کے رقبے میں آگ روشن تھی۔

بہت سے نیم عریاں مرد اور عورتیں دائرہ بنا کر اس کے گرد اچھل کود رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قوم کا سردار ایک تخت پر نمودار ہوا۔ جسے کچھ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سردار کے سامنے تخت پر ایک آدمی رسیوں سے جکڑا ہوا پڑا تھا۔ یہ اس قوم کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غالباً یہ کوئی قیدی تھا۔ آگ کے گرد خاموشی سے اچھلنے کودنے والوں میں سے ایک نے بلند آواز میں کچھ کہا اور وہ لوگ چیخ چیخ کر گانے لگے۔ بقیہ لوگ سجدوں میں گر گئے۔ ڈھول بُری طرح پیٹے جا رہے تھے۔ ناچنے والوں میں وحشیانہ پن آ چلا تھا۔ دفعتاً سردار نے اپنے سامنے رکھا ہوا ایک سینگ اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا اور اُسے پوری طاقت کے ساتھ پھونکنے لگا۔ اس سینگ سے نکلنے والی آواز کسی بدروح کی آواز سے مشابہ تھی۔ یہ آواز سنتے ہی سناٹا چھا گیا۔ سجدوں میں پڑے ہوئے لوگ اٹھ کر دوزانو ہو گئے۔ آگ کے گرد ناچنے والے دائرے بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ناچنے والوں میں ایک آدمی جو شاید پروہت تھا آگے بڑھا اور اس نے بت کے قدموں کے پاس سے ایک کلہاڑی اٹھائی اور اسے بوسہ دیا اور دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سردار کے سامنے لایا۔ سردار تخت سے اترا اور پروہت کے سامنے ایک گھٹنا ٹیک کر کلہاڑی کو بوسہ دینے لگا اور پھر وہ کلہاڑی پروہت سے لے کر اس طرح تان کر کھڑا ہو گیا جیسے وہ کسی پر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ پروہت نے سجدے میں گر کر سردار کے دونوں پیر چومے اور پھر آگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

سردار تھوڑی دیر تک کلہاڑی تانے اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا...... پھر دفعتاً اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کلہاڑی کو نچا نچا کر اچھلنے کودنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ گاتا بھی جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے...... جو آگ کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سردار کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگے، سردار رک رک کر کچھ کہتا جا رہا تھا جسے یہ ناچنے والے دہراتے تھے۔

اسی دوران میں چند آدمی اس بندھے ہوئے آدمی کو جو تخت پر پڑا تھا لکڑی کے ایک پیالے میں بھری ہوئی کوئی چیز پلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس آدمی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا

جیسے وہ اُسے نہیں پینا چاہتا۔ آخر ان لوگوں نے اسے بالکل بے بس کر کے زبردستی وہ سیال شے اس کے حلق میں انڈیلنی شروع کی۔

پھر اس کی رسیاں کھول دی گئیں اور وہ بیٹھ کر جھومنے لگا۔ دو تین آدمی اسے اٹھا کر اس جگہ لائے جہاں سردار کے گرد ناچ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی انہیں کی بھیڑ میں دھکیل دیا۔ ناچنے والوں کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ ہو گئیں وہ شخص بھی انہیں کے ساتھ مل کر اچھلنے کودنے لگا۔ ناچ کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً قیدی کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ گر پڑا۔ ناچنے والوں نے اچھل اچھل کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گرنے والا تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

چند آدمیوں نے اس کی لاش اٹھائی اور دیوتا کے گرد چکر لگانے لگے اور...... پھر (خدا ان پر اپنا قہر نازل کرے) انہوں نے اسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ میں نے اور میرے سفید فام ساتھیوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

ہم لوگ وہاں سے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

ہمارے سیاہ فام رہبر پومبی نے جس کے سیاہ سینے میں ایک نورانی دل ہے جس پر خدا کے بیٹے نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں ہمیں بتایا کہ اب وہ لوگ اُسے بھون کر کھا جائیں گے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے ایک طرح کا زہر پلایا گیا تھا۔ اس کی اس نے جو خاصیت بتائی وہ عجیب و غریب تھی۔ یہ شمیتی جو ایک قسم کی گھاس ہے، سے نکالا جاتا ہے، زہر نکالنے کا طریقہ اس نے قریب قریب وہی بتایا جو ہمارے یہاں کسی چیز کی شراب کشید کرنے کے سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسے پی کر آدمی مدہوش ہو جاتا ہے اور اس وقت جس چیز کی طرف بھی اس کا ذہن مائل ہو جاتا ہے، وہی کرنے لگتا ہے، اور اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اسے قے نہیں ہو جاتی۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اچھلنے کودنے پر مجبور کیا جائے۔

اور ایک بات جو اس نے بتائی...... وہ یہ تھی کہ قے ہو جانے کے بعد اس زہر کا ذرہ برابر اثر جسم میں نہیں رہ جاتا اور یہ وحشی لوگ بغیر کسی خوف کے اس کا گوشت کھا جاتے ہیں۔ یہ ان کے یہاں کی ایک مذہبی رسم ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ کسی دوسری قوم کے آدمی کو پکڑتے ہیں۔

بعض اوقات ایسے آدمیوں کو کچھ دیر کے لئے مرنے سے روک بھی دیتے ہیں۔ یہ عموماً ایسے ہی موقعوں پر ہوتا ہے جب انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس ضمن کی کسی رسم کو ٹھیک طرح پر ادا نہیں کر پائے، وہ اسے لیموں کا عرق پلا کر تے کرنے سے روک دیتے ہیں اور اس رسم کو باقاعدہ طور پر دہرانے کے بعد اسے پھر زہر پلایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ان کا شکار لیموں کا عرق پی چکنے کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، لیکن پھر وہ زندگی بھر صحیح الدماغ نہیں ہو سکا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ یہ کہ اس زہر کے پینے والے کو ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔

"اف میرے خدا۔" حمید نے کہا اور صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف دیکھنے لگا، جو شاید نقاہت کی وجہ سے سو گیا تھا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان لاشوں کو میرے پھاٹک پر ڈلوا دینے کا کیا مقصد تھا۔" فریدی نے کہا۔ "جو لوگ زہر دینے میں اتنی احتیاط برت رہے ہیں وہ مجھے خواہ مخواہ کیوں چیلنج کرنے لگے۔ اگر واقعی یہ چیلنج ہے تو بڑی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کبھی کسی مجرم نے کسی سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔"

"واقعی عجیب بات ہے۔" شنکر بولا۔

"بہر حال یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ اس لڑکی کی تصویر ہمارے ہاتھ لگ جانا ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"ایسا نہ سوچو میاں حمید۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اس بار بڑے خطرناک لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔"

"اور مجھے بھی کہنے دیجئے کہ وہ لوگ بھی بڑے خطرناک آدمی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔" شنکر ہنس کر بولا۔

"نہیں.... میں کوئی ایسا خطرناک آدمی تو نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شنکر ہنسنے لگا۔

"اور پروفیسر جاوید صاحب۔" فریدی شنکر کو مخاطب کر کے بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی محبوبہ بھی اس گروہ میں شامل نہ ہو۔"

"کیوں......!"

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی سلسلے میں اس کی تصویر میری نظروں سے گذر چکی ہے۔"

"للہ کرم کیجئے گا......اس غریب کے حال پر......" شنکر نے کہا۔

"یہ کس محبوبہ کا تذکرہ ہے۔" حمید نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب......!" فریدی نے کہا۔

"میں سمجھ گیا......غالباً یہ اس رقاصہ کا تذکرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر......!"

"کچھ نہیں......صاحب آخر اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" حمید بولا۔

"گھبراؤ نہیں......اس بار خود میں تمہیں عشق کرنے پر مجبور کروں گا۔"

"کس سے......!" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی نے لڑکی کی تصویر حمید کی طرف بڑھا دی۔

"بس معاف رکھئے جناب......میری جان فالتو نہیں ہے۔" حمید نے گھبرا کر کہا۔

شنکر اور فریدی ہنسنے لگے۔

"تو میں اب چلوں۔" شنکر نے کہا۔

"کہاں......؟"

"ہوٹل......!"

"ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔ وہ لوگ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر......میرے کئی اور بھی ٹھکانے ہیں۔" شنکر نے کہا اور دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"اب اس کے لئے کیا کیا جائے۔" حمید نے سوتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تہہ خانہ......!" فریدی نے کہا۔ "اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بڑی دشواری ہوگی۔"

"مگر آپ اس سے کیا معلوم کر سکیں گے۔ جب کہ اس کا دماغ ہمیشہ کیلئے خراب ہو چکا ہے۔"

"ابھی ایک امید باقی ہے۔"

"کیا......؟"

"ذہنی امراض کا ماہر ڈاکٹر شوکت۔"

"اوہ ٹھیک......!" حمید کچھ دیر رک کر بولا۔ "مگر مجھے تو امید نہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا...... فی الحال اسے تہہ خانہ میں منتقل کر دینا چاہئے۔ صبح اٹھ کر نوکروں کے سامنے اس طرح کی بدحواسی ظاہر کریں گے جیسے وہ رات ہی میں کسی طرح آزاد ہو کر بھاگ گیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس میں گہری رازداری کی ضرورت ہے۔ جس طرح وہ لوگ تھانے سے اپنے آدمی کو نکال لے گئے اسی طرح اس کا نکال لے جانا بھی ان کے لئے ناممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ نوکروں کو کسی طرح دھوکہ دے کر اسے اڑا لے جائیں۔ اس لئے نوکروں کو اس سے لاعلم ہی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

دونوں نے مل کر سوئے ہوئے آدمی کو جو اب جاگ پڑا تھا تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی، لیکن فریدی نے اس کا منہ بڑے بے دردی سے بند کر دیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار پر بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔

ایک دلچسپ حادثہ

دوسرے دن صبح سات بجے کے قریب فریدی گھر واپس آیا۔ حمید بستر پر پڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔

"لیجئے جناب.....اب ہم لوگ بھی الّو بنائے جانے لگے۔" حمید نے اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال اس خبر کو ملاحظہ فرمائیے۔"

شہر کی پولیس سو رہی ہے

"۳؍ دسمبر اطلاع ملی ہے کہ شہر کا مشہور بدمعاش شنکر جو رائے بہادر کالی چرن کی بیوی کو بھگا لے گیا اور چائنا بینک آف کلکتہ کی ڈکیتی میں بھی جس کا ہاتھ تھا آج کل شہر میں پروفیسر جاوید

کے بھیس میں آزادی سے گھومتا پھر رہا ہے، یہاں کی پولیس میں اتنی ہمت نہیں کہ اسے پکڑ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اچھی طرح کام نہ کر رہا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔"

اس خبر کے نیچے پروفیسر جاوید کا پورا پورا حلیہ لکھا ہوا تھا اور یہ خبر کراؤن نیوز ایجنسی کی تھی۔

"دیکھا جناب...... ہم لوگ کتنی آسانی سے دھوکہ کھا گئے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔

"آپ سے اس کی جان پہچان کب سے تھی۔"

"بکومت......!" فریدی درشت لہجے میں بولا۔ "ایک بڑے کام کا آدمی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بھی بدمعاشوں کی ایک چال ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں جانتا تھا کہ وہ شنکر ہے۔"

"اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ قاتلوں کی ٹولی سے تعلق رکھتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ غلط ہے...... اس کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھو گے۔" فریدی نے کہا اور الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

اس کی کار کراؤن نیوز ایجنسی کے دفتر کی طرف تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

وہ سیدھا نمائندے کے کمرے میں چلا گیا۔ یہاں پولیس کے دو تین آفیسر پہلے ہی سے موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر انہوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ خبر آپ کو کہاں سے ملی۔" فریدی نے نیوز ایجنسی کے نمائندے کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں تنگ آ گیا ہوں اس سوال کا جواب دیتے دیتے...... ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ خبر ہمارے یہاں سے ہرگز نہیں گئی۔"

"تو کیا ہوا..... آخر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔" ایک سرکل انسپکٹر فریدی سے بولا۔

"اس میں تو آپ کے محکمے کی کافی تعریف ہے۔"

فریدی نے اس کے جملے میں طنز کی تلخی محسوس کی لیکن کچھ نہیں بولا۔

"بہر حال آپ کو اس کے لئے ثبوت بہم پہنچانا پڑے گا کہ یہ خبر آپ کے یہاں سے نہیں گئی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ پولیس میری ایجنسی پر توہین کا مقدمہ چلائے گی، لہٰذا میں عدالت میں ہی ثبوت وغیرہ پیش کروں گا۔" نمائندے نے کہا اور قلم اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔

فریدی وہاں سے مارننگ اسٹار کے دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔

ایڈیٹر نے اُسے بتایا کہ اسے کراؤن نیوز ایجنسی کے نمائندے کے دفتر سے یہ خبر ملی اور اس نے چھاپ دی۔ فریدی نے لاکھ کوشش کی کہ خبر دینے والے کے متعلق معلوم کر سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ تھک ہار کر واپس چلا آیا۔ اسے افسوس تھا کہ ایک ایسا شخص ہاتھ سے نکل گیا کہ جو قاتلوں کو پہچانتا تھا۔ اس کی ساری اسکیم فیل ہو کر رہ گئی تھی۔

گھر پہنچ کر وہ بہت دیر تک غور فکر میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس نے یہی طے کیا کہ سب سے پہلے شنکر کو تلاش کرے۔

اس نے ایک ایک کر کے سارے مقامات چھان مارے جہاں شنکر کے ملنے کے امکانات تھے لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار اس نے کار کا رخ شہر کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت شہر کے باہر ایک سنسان سڑک سے گذرتے ہوئے وہ اپنی کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل کی آواز سن رہا تھا۔ اس نے گھوم کر دیکھا...... کار کے پیچھے کافی فاصلے پر ایک شخص اپنی آنکھوں پر بڑے شیشوں کا سیاہ چشمہ لگائے موٹر سائیکل پر چلا آ رہا تھا۔ فریدی کا اس طرح مڑنا محض اتفاقیہ تھا۔ اس نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی اور خیالات میں ڈوب گیا۔ موٹر سائیکل اور کار کا فاصلہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً موٹر سائیکل والے نے جیب سے ریوالور نکال کر کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنا شروع کر دیئے۔ فریدی نے کار روک دی۔ دونوں پہیئے بے کار ہو چکے تھے۔ اتنے میں موٹر سائیکل والا ریوالور تانے ہوئے کار کے برابر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ فریدی اپنا ریوالور نکالتا نووارد نے اپنے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

"خبردار...... ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" نووارد گرج کر بولا۔

"اوہ شنکر......!" فریدی ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے پُر اطمینان لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے اسی کی توقع تھی۔"

"بکو مت...... تم نے میرے ساتھ دغابازی کی ہے اور میں بھی کتنا احمق تھا کہ تمہارے فریب میں آ گیا...... مگر...... خیر......!"

"میں اسی لئے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا کہ تمہاری غلط فہمی دور کر دوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھے......" شنکر نے قہقہہ لگایا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں پھر تمہارے دھوکے میں آ جاؤں گا"

"مجھے کچھ کہنے بھی تو دو۔"

"کہو گے کیا...... مجھے اس کا افسوس ہے کہ آج مجھ سے پہلا قتل سرزد ہوا جا رہا ہے۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"خیر مرنے سے پہلے مجھے کم از کم ایک سگار تو سلگا ہی لینے دو۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"بس...... بس...... ہاتھ اوپر ہی رکھو ورنہ۔"

"ورنہ کیا کر لو گے تم......!" فریدی نے دفعتاً اسے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ شنکر جھجک پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور والا ہاتھ فریدی کی آہنی گرفت میں تھا۔ شنکر نے فائر کرنے شروع کئے...... ایک...... دو...... اور کار کی کھڑکیوں کے دو شیشے چکنا چور ہو گئے۔ تیسرا فائر لیکن بقیہ کارتوس تو وہ کار کے پہیوں پر پہلے ہی ضائع کر چکا تھا۔ شنکر کے سرخ و سپید چہرے پر سیاہی دوڑ گئی۔ فریدی اسے دھکا دے کر کار سے نکل آیا۔ اس نے اس کا ریوالور چھین لیا تھا۔ شنکر کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"یہ لو......!" فریدی نے خالی ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں دوسری گولیاں بھر کر پھر سے کوشش کرو۔ احمق کہیں کے...... تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر مجھے تمہیں گرفتار ہی کرانا مقصود تھا تو یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں کسی وقت بھی تمہیں پکڑ سکتا تھا۔ شاید تمہیں بھی خبر کے اس حصے کو پڑھ کر غلط فہمی ہوئی ہے، جہاں محکمہ سراغ رسانی کو سراہا گیا ہے۔"

شنکر خاموش ہی رہا۔

"یہ بھی مجرموں کی ایک چال تھی۔" فریدی پھر بولا۔ "وہ اس طرح مجھے اور تمہیں الجھا کر خود اطمینان سے اپنا کام کرنا چاہتے ہیں اور اگر میں تمہیں گرفتار ہی کرانا چاہتا ہوں تو اس وقت بھی

تم میرے قابو میں ہو۔"

فریدی نے ریوالور شنکر کی جیب میں ڈال دیا۔

"مگر...... مگر......!" شنکر ہکلایا۔

"مگر یہ کہ تم نے خواہ مخواہ میری کار کا ستیاناس کر دیا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔" شنکر نے مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ شبہ کرنا چھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"تو کیا میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"قطعی نہیں...... تم میرے مہمان بن کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"اگر کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو......!"

"لیکن یہ سب آخر کیوں۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔"

شنکر خاموش ہو گیا۔

"اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا۔"

"ہوں......!" شنکر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور تم یہ اطمینان رکھو کہ فی الحال تمہارا کیس پولیس ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ کیونکہ اس خبر نے محکمہ پولیس کو خاص طور پر محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے ضد دلا دی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کر سکتی۔"

"میں نے فی الحال اپنے رہنے کا انتظام کر لیا ہے۔" شنکر نے کہا۔ "لیکن آپ یہ بتائیے کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی کا سراغ......!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر نصیر میٹرو ہی میں مقیم ہے۔" شنکر نے کہا۔

"میٹرو میں۔" فریدی متحیرانہ انداز میں بولا۔

تین جھوٹے

فریدی نے شنکر کی مدد سے اپنی کار کے پہیے تبدیل کئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک میٹرو ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس بار واقعی بہت ہی دلیر قسم کے مجرموں سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا۔ ابھی اس نے برآمدے ہی میں قدم رکھا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں کسی عورت کا قہقہہ سنائی دیا۔ جو اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ فریدی ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔

وہ دروازے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ یہ تو وہی تھی۔ تصویر والی پراسرار لڑکی اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بھی تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا میں فریدی صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" مرد بولا۔

"جی ہاں...... فرمائیے۔"

مرد نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔

"تشریف رکھئے......!" فریدی نے کہا۔

دونوں بیٹھ گئے۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" فریدی مرد سے کہہ کر لڑکی کو گھورنے لگا۔ لڑکی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ایک لمبی کہانی ہے۔" مرد نے کہا۔ لوگ مجھے پروفیسر نصیر کہتے ہیں اور یہ میری بھتیجی رقیہ ہے۔"

"اب دوسرا پروفیسر......!" فریدی زیر لب بڑبڑایا۔

"جی......!" نصیر چونک کر بولا۔ "کیا میرا آنا ناگوار گذرا ہے آپ کو۔"

"قطعی نہیں......!" فریدی نے خوش اخلاق بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا...... میں ایک دوسری بات سوچ رہا تھا۔"

"خیر......!" نصیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں، کیا آپ میری مدد کریں گے۔"

"اس مصیبت کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں بھلا کیونکر وعدہ کر سکتا ہوں۔"

"کوئی نامعلوم شخص بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کل رات اس نے میرے کمرے میں جو میں نے میٹرو میں لے رکھا ہے، آگ لگا دی...... میں آپ سے کیا عرض کروں کہ میرا کتنا نقصان ہوا۔"

"یہ تو بالکل سیدھا سادا معاملہ ہے...... آپ نے کوتوالی میں اس کی رپورٹ کی یا نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں کر تو دی ہے، لیکن میں یہاں کی پولیس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" نصیر نے کہا۔

"میرے خیال سے آپ غلطی پر ہیں۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے......!" نصیر نے کہا۔ "تو کیا آپ میری مدد نہ کریں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگ ضرور مجھے ایک معاملے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"ہم لوگ......!" نصیر چونک کر بولا۔ "بھلا وہ کیسے۔"

"کل رات ایک آدمی نے میرے سرکاری کاغذات کا فائیل پھاڑ ڈالا اور ایک سونے کی گھڑی چرا لے گیا...... اسے رقیہ صاحبہ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"میں......!" رقیہ تقریباً اچھلتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں......!" فریدی نے جیب سے تصویر اور خط نکالتے ہوئے کہا۔ "اس کے ثبوت میں میرے پاس یہ چیزیں ہیں۔"

فریدی نے تصویر اور خط رقیہ کی طرف بڑھا دیئے۔

رقیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"یہ خط میں نے ساجد کو لکھا تھا اور تصویر بھی اسی کے پاس تھی۔ یہ آپ تک کیسے پہنچی۔ کل میں نے اُسے ہوٹل میں بلایا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے میں اس کا انتظار نہ کر سکی اور اس کے نام ایک معذرت نامہ لکھ کر منیجر کے پاس چھوڑ گئی تھی۔"

"جی ہاں...... ہم لوگوں کو ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا اور ہمیں اسی سلسلہ میں ہوٹل

سے باہر آنا پڑا...... اور واپسی پر میں نے اپنے کمرے کو خاک کا ڈھیر پایا۔"

"کیا آپ براہ مہربانی یہ بتائیں گے کہ یہ تصویر اور خط آپ تک کس طرح پہنچے۔" لڑکی بے چینی سے بولی۔

"جی ہاں......!" فریدی بولا۔ "کل رات کو میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ میٹرو میں کھانا کھا رہا تھا دفعتاً ایک شریف صورت نوجوان نشے میں لڑکھڑاتا ہوا نظر آیا۔ ایک دوسرا شخص اس کے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا۔ میں نے تعرض کیا تو وہ مجھ سے اکڑ گیا۔ میں نے اسے پولیس کے حوالے کیا اور از راہ ہمدردی اس نوجوان کو اپنے ساتھ گھر لیتا آیا کیونکہ وہ بُری طرح مدہوش تھا۔ میں نے سوچا کہ ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بھجوا دوں گا۔ وہ صورت سے بے حد شریف معلوم ہوتا تھا اور شاید اس نے پہلی بار پی تھی۔"

"ساجد...... ساجد تو کبھی نہیں پیتا تھا۔" لڑکی نے کہا۔ "آپکا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

"میں نے گھر لا کر اسے احتیاط سے لٹا دیا کیونکہ وہ راستے ہی میں بالکل بیہوش ہو گیا تھا۔ ہم لوگ اسے کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھے کیونکہ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں اپنی گھڑی اسی کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔ مجھے وقت دیکھنا تھا اس لئے میں اس کمرے میں گیا۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے کمرے کو خالی پایا۔ میرے بہت سے سرکاری کاغذات کے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور گھڑی میز سے غائب تھی۔ ہم نے اسے تلاش کرنا شروع کیا لیکن بے سود۔ گھڑی کی تو خیر کوئی ایسی پریشانی نہ تھی، لیکن سرکاری کاغذات...... اس نے مجھے بڑی مشکل میں پھنسا دیا۔ ہاں تو تھوڑی دیر بعد جب عقل ٹھکانے آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنا کوٹ لے جانا بھی بھول گیا ہے اور اس کے جوتے بھی وہیں پڑے ہوئے تھے۔ اسی کوٹ کی اندرونی جیب میں آپ کی تصویر اور خط بھی برآمد ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت میرے ایک دوست پروفیسر جاوید جنہیں اب دشمن ہی کہنا مناسب ہوگا موجود تھے۔ انہوں نے تصویر دیکھتے ہی آپ دونوں کا نام لیا۔ ہم لوگ فوراً ہی آپ سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت پہنچے جب کہ آپ کا کمرہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں تھوڑی دیر لگ گئی۔ اس کے بعد ہم نے سوچا کہ اس آدمی سے چل کر سوالات کئے جائیں جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن

وہاں جاکر معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے بھیس میں اُسے بھی نکال لے گیا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ رقیہ اور نصیر حیرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے اس کا صرف ایک مقصد معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میرے کاغذات کا پھاڑنا جن کی عدم موجودگی میں میں مصیبتوں میں پھنس سکتا ہوں۔ یہ ایک اچھی خاصی سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جو اسے تنگ کر رہا تھا اسی کا آدمی تھا، وہ اس طرح اسے میرے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ شخص کاغذات پھاڑنے کے بعد دیدہ و دانستہ اپنا کوٹ چھوڑ گیا۔ تاکہ ہم لوگ اس میں سے تصویر اور خط پانے کے بعد آپ لوگوں سے ملنے جائیں اور پھر بدمعاشوں نے آپ کے کمرے میں آگ لگا دی تاکہ ہم لوگ وہاں کچھ دیر اور ٹھہریں اور وہ اپنے ہی آدمی کو آسانی سے رہا کرا سکیں، جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور ان کا ایک گرگا پروفیسر جاوید شروع سے آخیر تک ہی ہمیں دھوکا دیتا رہا۔"

"پروفیسر جاوید۔" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "مگر ابھی تو آپ ان کا تذکرہ اپنے دوست کی حیثیت سے کر چکے ہیں۔"

"جی ہاں...... میری اور اس کی ملاقات کل دن میں ہوئی تھی۔ ہم دونوں چند ہی گھنٹوں میں گہرے دوست بن گئے اور اسی نے مجھے اور میرے اسسٹنٹ کو میٹرو میں مدعو کیا تھا۔"

"لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھی بدمعاشوں کا ساتھی ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ارے آپ ساتھی کہتے ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا بدمعاش ثابت ہوا۔ کیا آپ نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔ جس میں یہاں کی پولیس کی نااہلی کی ایک داستان چھپی تھی۔"

"اوہ......!" نصیر اچھل کر بولا۔ "ارے وہی پروفیسر جاوید...... اور اس کا اصلی نام کیا تھا۔ میں بھول گیا...... مادھو...... یا کیا......؟"

"جی نہیں شنکر......!" فریدی بولا۔

"شنکر...... شنکر......!" نصیر نے کہا اور اپنی بھتیجی کو کڑی اور تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"اگر آپ میری تھوڑی سی مدد کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ شخص بھی گرفتار ہو جائے گا جس نے آپ کا کمرہ جلایا تھا۔"

"دیکھا تم نے اپنی حماقت کا انجام۔" نصیر اپنی بھتیجی کو مخاطب کر کے ناخوشگوار لہجے میں

بولا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ ساجد اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ لوگوں کی ظاہری صورت پر نہ جانا چاہئے۔ میری ہزاروں روپے کی کتابیں جل کر رہ گئیں، محض تمہاری حماقت کی وجہ سے۔"

رقیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"ارے...... ارے۔" فریدی بولا۔ "رہنے بھی دیجئے پروفیسر صاحب۔ آدمی ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ اب رونا فضول ہے، جو ہونا تھا ہو چکا۔ ان سب باتوں سے آپ کے نقصانات کی تلافی نہیں ہو سکتی۔"

فریدی نے رقیہ کی طرف اپنا رومال بڑھا دیا۔ رقیہ رومال لے کر آنسو پونچھنے لگی۔

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا تھا۔" فریدی نے رقیہ سے کہا۔

"فرمائیے۔" رقیہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"ساجد کون ہے۔"

"میرا ایک دوست ہے۔"

"آپ کب سے اسے جانتی ہیں۔"

"ایک ماہ کا عرصہ ہوا...... وہ مجھے میٹرو میں ہی ملا تھا۔"

"اس کے گھر کا پتہ آپ کو معلوم ہے۔"

"جی ہاں...... نمبر ۳۰۳ پیٹر روڈ۔"

"اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے۔"

"میں نے اُسے وہاں تنہا ہی دیکھا تھا۔"

"وہ کرتا کیا ہے۔"

"مصور ہے۔"

"میرا مطلب ذریعہ آمدنی سے ہے۔"

"مصوری۔"

"تب تو یقیناً وہ غربت ہی میں زندگی بسر کرتا ہوگا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں، اس کا بنگلہ نہایت شاندار ہے۔"

"تعجب ہے...... یہاں کے آرٹسٹوں کو تو میں نے بھوکوں ہی مرتے دیکھا ہے۔"

"بہر حال وہ کسی طرح بھی غریب نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ کتنی بار اس کے گھر گئی ہیں۔"

"صرف ایک بار۔"

"اس کے چال چلن کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں۔"

"مجھے تو انتہائی شریف معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا اب اگر وہ کہیں دکھائی دے تو براہِ کرم مجھے بذریعہ فون اطلاع دیجئے گا۔ حالانکہ اس کے امکانات کم ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم لوگ اجازت چاہیں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ہماری ایک بڑی الجھن رفع کر دی۔ اگر مجھے ساجد دکھائی دیا تو فوراً آپ کو مطلع کروں گا۔"

رقیہ بھی کھڑی ہو گئی۔ فریدی انہیں برآمدے تک چھوڑنے آیا۔ ابھی اس کی کار لان ہی پر کھڑی تھی۔

"آیئے آپ لوگوں کو ایک تماشہ اور دکھاؤں۔" فریدی نے ان کو کار کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"آج مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ ٹوٹے ہوئے شیشے دیکھئے اور یہ پہیے۔ وہ تو کہئے کہ میں ہمیشہ اپنے ساتھ دو عدد فالتو پہیے رکھتا ہوں ورنہ گھر تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔"

"یہ سب کیسے ہوا۔" رقیہ بے ساختہ بولی۔

"شنکر نے آج موٹر سائیکل پر میرا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب اس کے ریوالور کی گولیوں کا کارنامہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس ریوالور نہیں تھا ورنہ وہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔"

"آپ کو تو ہر وقت اپنے پاس ریوالور رکھنا چاہئے۔" نصیر بولا۔

"اب تو رکھنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

ابھی وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حمید پھاٹک میں داخل ہوا۔ رقیہ کو دیکھ کر وہ کچھ جھجھکا، لیکن قبل اس کے کہ وہ فریدی سے کچھ کہے، فریدی بول پڑا۔

"آؤ...... آؤ...... بھئی حمید تمہیں چند دوستوں سے ملاؤں، سارا معمہ حل ہو گیا۔ آپ لوگ دراصل میرے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے ہیں...... آپ ہیں پروفیسر نصیر اور

مس رقیہ...... میرے ساتھی سارجنٹ حمید۔"

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد فریدی ساری داستان سنا کر بولا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ وہ گھس رہے تھے اور میں انہیں گھس رہا تھا۔"

"مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ لوگ آپ کی باتوں کو سچ ہی سمجھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تو یہ کب کہہ رہا ہوں۔" فریدی بولا۔ "وہ دونوں مجھے بیوقوف ضرور سمجھ رہے تھے۔"

"کیوں......!"

"کیونکہ میں نے ایک بالکل ہی الٹا پلاٹ ان کے سامنے رکھنے کی کوشش کی تھی، ظاہر ہے وہ اپنی جگہ پر قطعی مطمئن ہیں کہ اگر وہ نہیں مرا تب بھی ہمارے کسی کام نہیں آسکتا کیونکہ بچ نے کی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے اور میں نے کاغذات پھاڑنے اور جوتے اور کوٹ ڑ کر بھاگ جانے کا فرضی واقعہ بتا کر انہیں اس کا اور بھی یقین دلا دیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس چیز یں نے ان کے سامنے سازش بنا کر پیش کیا ہے اسے وہ اس کے پاگل پن پر محمول کریں گے اور کا اس طرح بے باکی سے یہاں چلا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں میرے دھوکہ کھا نے کا یقین پہلے ہی سے تھا اور اب میری گفتگو نے اس یقین کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو...... مجھے یقین تو نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم اس لڑکی سے عشق کرو گے یا میں ہی شروع کر دوں۔"

"بس مجھے تو معاف ہی رکھئے...... ابھی مرنے کو دل نہیں چاہتا۔" حمید بولا۔

"بزدل......!"

"چلئے یہی سہی...... لیکن عورتوں کے چکر میں پھنس کر مرنے کو بہتر نہیں سمجھتا۔"

"تم آ کہاں سے رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں ابھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "اپنا طریقہ متعین کر لینے کے بعد میں اکیلے ہی کام کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر...... خیر...... مجھے معلوم ہے آپ بہت بڑا تیر ماریں گے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "مگر آپ کے کاموں میں قطعی دخل نہ دوں گا...... فی الحال میرے ساتھ پیٹر روڈ چلئے۔"

"پیٹر روڈ......!"

"ہاں نمبر ۳۰۳، پیٹر روڈ......!"

"کیا ملے گا آپ کو وہاں۔ آپ بھی ان لوگوں کی باتوں میں آگئے۔" حمید نے کہا۔

"میں دراصل انہیں اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں ان کے جال میں اچھی طرح پھنس گیا ہوں۔"

"چلئے صاحب! لیکن میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہ محض دھوکا ہے۔ آپ سچ مچ اس لڑکی سے عشق کرنے لگے ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو...... چار بج رہے ہیں۔ آؤ پہلے چائے پی لیں۔"

دو فائر ایک چیخ

فریدی کی کار تیزی سے پیٹر روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ انہیں ۳۰۳ نمبر کا بنگلہ ڈھونڈھ نکالنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا، جس کے سامنے ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔ حمید اور فریدی باغ سے گذر کر برآمدے میں پہنچے۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے جو ملازمہ معلوم ہوتی تھی ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب گھر پر موجود نہیں۔"

"کیا یہ ساجد صاحب کا بنگلہ ہے۔"

"جی ہاں...... لیکن وہ کل شام سے گھر نہیں آئے۔" ملازمہ بولی۔

"کیا کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا پہلے بھی اس طرح بغیر بتائے غائب رہے ہیں۔"

"اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" بڑھیا اکتا کر بولی۔

"ساجد صاحب کرتے کیا ہیں۔"

فریدی کے اس سوال پر بڑھیا انہیں حیرت سے گھورنے لگی۔

"اگر آپ ان کے ملنے والوں میں سے ہیں تو......!"

"نہیں ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"پولیس......!" وہ چونک کر بولی۔

"ہاں ہم اس مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تلاشی......!" بڑھیا تقریباً اچھل کر بولی۔ "مگر کیوں۔"

"پولیس کو ساجد صاحب پر کچھ شبہ ہے۔"

"اوہ...... مگر کس بات کا شبہ۔"

"ہم زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتے۔"

بڑھیا سہم گئی۔

"آؤ...... ہمارے ساتھ آؤ۔" فریدی نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"یہاں اور کون رہتا ہے۔"

"صرف میں اور صاحب۔"

"ہوں......!"

یہ غالباً ساجد کا اسٹوڈیو تھا، دیواروں پر چاروں طرف بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں اور اِکا ایک نامکمل تصویریں ایزلوں پر بھی تھیں۔

"تو ساجد صاحب تصویریں بناتے ہیں۔" فریدی نے بڑھیا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور کوئی کام نہیں کرتے۔"

"جی نہیں۔"

"شاید کوئی اور آیا ہے۔" بڑھیا نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آئی۔"

"دیکھ رہے ہو حمید ان تصویروں کو یہ سب ریفیل...... ڈاونچی اور ریبرن وغیرہ کی مشہور تصویروں کے چربے ہیں اور یہ تصویریں اتنی عام ہیں کہ کوئی ان کی زیادہ قیمت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسی تصویروں کا بنانے والا اتنے ٹھاٹھ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا، خاموشی سے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

"اب دوسرا کمرہ دیکھنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ بڑھیا ابھی تک واپس نہیں آئی..... ذرا باہر جا کر دیکھو۔"

حمید باہر چلا گیا اور فریدی میزوں پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد حمید لوٹ کر آیا۔

"اس کا تو کہیں پتہ نہیں چلا۔" حمید بولا۔

"شاید ڈر کر کہیں بھاگ گئی۔" فریدی نے کہا اور اسٹوڈیو سے ملے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ شاید ساجد کی خواب گاہ تھی۔ فریدی یہاں کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً وہ کسی چیز کی طرف لپکا۔

"اوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

حمید چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کے ہاتھ میں دفتی کا ایک ڈبہ تھا۔

"یہ کیا.....!" حمید بولا۔

"کوکین.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میز کی دراز سے برآمد ہوئی ہے۔ یہاں بھی کئی ڈبے اور ہیں۔"

"حمید نے سارے ڈبے نکال کر فرش پر رکھ دیئے۔

"یہ کوئی بہت ہی منظم گروہ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"دوسرے کمرے میں کسی کی آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بکومت..... میں جانتا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر بلند آواز میں کہنے لگا۔ "اتنی مقدار میں کوکین کا برآمد ہونا واقعی خطرناک بات ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہ لوگ کیوں میری جان لینا چاہتے ہیں۔ مجھے راستے سے ہٹا دینے کے بعد وہ بہت اطمینان سے کوکین کی ناجائز تجارت کر سکیں گے۔ اوہ..... ٹھیک یاد آیا۔ میرے ان کاغذات میں ایک کوکین فروش کی انگلیوں کے نشانات بھی تھے..... اُف میرے خدا۔"

"مگر وہ یہ سب چیزیں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس طرح تو انہوں نے اپنے خلاف بہت سے ثبوت مہیا کر دیئے۔"

"بہت ممکن ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ یہ سمجھے ہوں کہ رقیہ ہمیں رات ہی کو مل گئی ہو اور پولیس نے ہماری اطلاع پر بنگلے کی نگرانی شروع کر دی ہو۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اسی خوف سے وہ لوگ یہاں آکر ایسی چیزیں ہٹا نہ سکے۔"

"اوہ.....!" حمید بولا۔ "ہم سے زبردست غلطی ہوئی کہ ہم اکیلے یہاں چلے آئے..... اگر وہ لوگ ہمیں یہاں گھیر کر مار لیں تو۔"

فریدی حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ بڑی زبردست غلطی ہوئی۔ آؤ چپکے سے نکل چلیں۔ یہ ڈبے اٹھا لو۔"

حمید ڈبے اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا اگر فریدی اتفاقیہ طور پر ذرا سا نہ ہل گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ گئی تھی۔ اب وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا فائر ہوا اور اسٹوڈیو میں ایک چیخ سنائی دی۔ ساتھ ہی ساتھ کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹے۔

وہ اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے دوسرے دروازے کے برآمدے میں نکل آئے۔

برآمدے میں سناٹا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اسٹوڈیو کے دروازے پر آئے اور اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ اسٹوڈیو میں سناٹا تھا۔

"اوہ یہ کیا.....!" فریدی نے کہا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔

ایک خوبصورت سا ریوالور جس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"ارے..... یہ ریوالور یہاں کیسے آیا۔" حمید بے ساختہ بولا۔ "وہی بالکل وہی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اطمینان سے بتاؤں گا.....!" حمید نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کی نال کو چٹکی سے پکڑ کر رومال میں لپیٹ لیا۔

فرش پر خون کی بوندیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر پھر کہیں خون نہ دکھائی دیا۔ فریدی اور حمید ہاتھوں میں ریوالور لئے بنگلے کا چپہ چپہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

"مشکل ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم نے بہت دیر کر دی۔ مگر وہ دوسرا کون تھا...... جس نے ہم پر فائر کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔"

"دوسرا......!" حمید متعجبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں......!" فریدی نے کہا۔ تم نے چیخ کی آواز نہیں سنی تھی اور پھر وہ خون کی بوندیں اور دوسرا فائر آواز کے اعتبار سے پہلے سے نسبتاً دور کا معلوم ہوا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی نے ہم پر وار کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔

"اور پھر دونوں غائب ہو گئے۔" حمید بولا۔ "عجیب معاملہ ہے سب کے سب غائب، وہ کم بخت بڑھیا بھی غائب۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سچ مچ ہم سے ڈر کر غائب ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ چلیں...... مگر اس دوسرے فائر کرنیوالے نے مجھے بہت زیادہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

فریدی نے کوکین کے ڈبے اپنے قبضے میں کئے اور دونوں کار پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

"ہاں تم ریوالور کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"آج میں نے یہ ریوالور ایک جگہ دیکھا تھا۔"

"کہاں......؟"

"آج صبح جب آپ شنکر کی تلاش میں نکل گئے تھے، میں میٹرو کی طرف چلا گیا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اب وہاں پروفیسر اور رقیہ کی صورت نہ دکھائی دے گی، لیکن میں نے سوچا کہ احتیاطاً دیکھ ہی لینا چاہئے اور وہاں پہنچ کر جب میں نے انہیں وہیں پایا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں ان کی نگاہوں سے چھپ کر ان کی نگرانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رقیہ ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آئی اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئی۔ میں دوسری ٹیکسی پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جیکب روڈ پر اتر کر والٹر روڈ کی طرف مڑ گئی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس سنسان سڑک پر کیا کرنے آئی ہے۔ اس پوری سڑک پر بمشکل تمام دو یا تین کوٹھیاں ہیں وہ انہیں میں سے ایک میں گھس گئی۔ اس کوٹھی کی ظاہری حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں بہت ہی لاپرواہ قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ اس کا پائیں باغ کیا ہے اچھا خاصا جنگل ہے، چہار دیواری کے اندر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ میں کوٹھی کی پشت سے احاطے میں داخل ہوا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا ایک

کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اسی کمرے میں میں نے ایک میز پر ایسا ہی ریوالور پڑا ہوا دیکھا تھا اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے خوبصورت ریوالور ہمیشہ خاص طور پر آرڈر دے کر بنوائے جاتے ہیں۔ میں بڑی دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اس کے آگے بھی کچھ معلوم کروں، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ دن کا وقت تھا اس لئے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ مجبوراً میں وہاں سے یہ سوچ کر چلا آیا کہ رات میں آکر کچھ اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم نے بڑی عقلمندی سے کام لیا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ اچھا آج رات کو دیکھا جائے گا۔"

"کیوں نہ اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

"ابھی ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی معقول ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر ساجد ہوش میں ہوتا تو یہ اتنی دشوار چیز نہ تھی۔ میرا ارادہ ہے کہ کل اسے کسی طرح راج روپ نگر ڈاکٹر شوکت کے پاس پہنچا دوں۔ اگر وہ کسی طرح اس کی دماغی حالت ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

"بہر حال ہمیں بہت احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔" حمید بولا۔

"عجیب الجھا ہوا معاملہ ہے۔ ابھی تک مجرموں کا اصلی مقصد نہ معلوم ہو سکا...... اور پھر آج اس دوسرے فائر نے مجھے اور زیادہ چکر میں ڈال دیا ہے۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے قریب قریب میرا سارا پلان چوپٹ ہو کر رہ گیا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" حمید نے کہا۔ "ایک تو اس بیچارے کی وجہ سے جان بچ گئی اور وہی بُرا کہا جا رہا ہے۔"

"جان تو بچ گئی لیکن کام جو بگڑ گیا۔" فریدی بولا۔

"وہ کیسے۔"

"یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم لوگوں پر فائر نصیر ہی کی ٹولی کی طرف سے کیا گیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اسکیم محض اس لئے بنائی تھی کہ اگر گولی نشانہ پر بیٹھی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھٹکارا ہی مل جائے گا اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو ساجد کی طرف سے میرا شبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ لیکن اب اس دوسرے فائر کی وجہ سے ان لوگوں کا خیال بدل جائے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ

میرے ہی کسی آدمی نے ان کے آدمی پر گولی چلائی اور وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں دھوکا دینے کے لئے جو پلاٹ گھڑا تھا بیکار ہو گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"ادھر کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً حمید بولا۔

"ٹھہرو...... آج کھانا وہیں کھائیں گے۔" فریدی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کار میٹرو کے پھاٹک پر پہنچ گئی۔

رقیہ اور نصیر ایک میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں چونک پڑے۔

"آیئے انسپکٹر صاحب۔" نصیر نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"آخر اسپینی رقاصہ کے کمال نے آپ کو بھی کھینچ ہی لیا۔" رقیہ فریدی سے بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ بہت خشک آدمی ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔" فریدی نے ایسے رومانٹک انداز میں مسکرا کر جواب دیا کہ حمید کو حیرت ہوئی۔

رقیہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

فریدی کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ بیرے نے آکر نصیر سے کہا کہ اسے کوئی ٹیلی فون پر بلا رہا ہے۔ نصیر اٹھ کر چلا گیا۔

"آج سردی بہت زیادہ ہے۔" فریدی نے رقیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں...... ہے تو......!" رقیہ بولی۔

"غالباً آپ کے پاس بھی ساجد کی تصویر ضرور ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ براہِ مہربانی مجھے عنایت فرمائیں گی۔"

رقیہ اداس ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے جنہیں وہ منہ دوسری طرف پھیر کر پونچھنے لگی۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ کسی بہانے سے اٹھ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی بولا۔ "کہ میں نے پھر اس تذکرے کو چھیڑ کر آپ کو دکھ پہنچایا۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے...... خیر آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ وقت سے پہلے آگاہ ہو گئیں۔ اُف میرے خدا ایک شریف اور عالی خاندان کی لڑکی ایک بدمعاش کے چنگل میں...... آپ کو اسے قطعی بھول جانا چاہئے۔"

فریدی بولتا رہا اور رقیہ یہ خیال کئے بغیر کہ وہ اس وقت مجمع میں بیٹھی ہوئی ہے آنکھوں پر رومال رکھے سسکیاں لیتی رہی۔

اتنے میں نصیر آگیا۔

"ہائیں کیا بات ہے۔" نصیر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی...... معافی چاہتا ہوں...... مگر اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟" نصیر تیز لہجے میں بولا۔

"مجھے ساجد کی تصویر کی ضرورت ہے۔ میں نے مس رقیہ سے پوچھا وہ رونے لگیں۔"

"آپ کو مجھ سے کہنا چاہئے تھا.... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" نصیر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں ایک بار پھر اظہارِ افسوس کرتا ہوں۔"

"تصویر آپ کو مل جائے گی۔" نصیر بدستور بُرا سا منہ بنائے ہوئے بولا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں نصیر صاحب...... پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ مجرموں کو گرفتار کرنے کے لئے مجھے سخت سے سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب......!" نصیر چونک کر بولا۔

"آج زندگی تھی جو ہم لوگ بچ گئے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"آج میں نے زندگی میں شاید پہلی بار ایسی حماقت کی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ بتایئے بھی...... خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں آپ......!"

"آج ہم لوگ کوئی احتیاطی تدبیر کئے بغیر آپ لوگوں کے بتائے ہوئے پتے پر ساجد کے بنگلے کی تلاشی لینے چلے گئے۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ہم سب سے پہلے پولیس سے مدد لے کر بنگلے کا

محاصرہ کرادیتے۔"

"لیکن ہوا کیا......؟" نصیر بے صبری سے بولا۔

"جب ہم ایک کمرے سے کوکین کے ڈبے برآمد کر رہے تھے کسی نے پیچھے سے ہم پر گولی چلائی اور تو اور لطف یہ ہے کہ اس گولی چلانے والے پر بھی کسی نے دوسرا فائر کیا۔ جب ہم لوگ اُدھر گئے جدھر سے فائر ہوئے تھے تو ہمیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ حتیٰ کہ ساجد کی بوڑھی ملازمہ بھی غائب تھی۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے۔"

"اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مجرم پر بھی کسی نے وار کیا۔" فریدی بولا۔

"آپ کا کوئی دوست ہی ہو سکتا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ناممکن......اس معاملے کو فی الحال میرے اور حمید کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا......یا پھر آپ لوگ......!"

"حیرت ہے۔"

"بہر حال جس نے بھی مجرم پر وار کیا بُرا ہوا...... اس سے وہ لوگ اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے اور نتیجے کے طور پر مجھے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" نصیر بولا۔

"آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرے ہاتھ میں بڑے بڑے کیس آئے لیکن مجھے کبھی اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔" فریدی بولا۔

"میں آپ کو ہر ممکن مدد دینے کے لئے تیار ہوں۔ تصویر آپ کو مل جائے گی۔ کم بخت نہ جانے کیوں ہم لوگوں کے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں۔"

فریدی اور حمید کھانا کھا کر واپس آ گئے۔

عشق

فریدی نے دوسرے ہی دن ساجد کو ایک بند گاڑی میں سوار کرا کے راج روپ نگر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر شوکت کے لئے اس قسم کا کیس بالکل نیا تھا۔ لیکن اس نے فریدی سے اچھے تعلقات ہونے کی بناء پر اس کا علاج کرنا منظور کر لیا لیکن اس نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ کتنے عرصے میں اسے ٹھیک کر سکے گا۔

اسی دن شام سے فریدی نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے......وہ جب بھی باہر نکلتا کسی نہ کسی آدمی کو اپنے تعاقب میں ضرور پاتا۔

اس کیس میں سچ مچ اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجرموں کو کس طرح قابو میں لائے۔ حملہ آور کا پستول اس نے محفوظ کر لیا تھا لیکن اس کے دستے پر بھی اسے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔ اس اندھیرے میں اسے امید کی صرف ایک ہی کرن دکھائی دیتی تھی اور وہ ساجد کی ذات تھی، لیکن کبھی کبھی وہ اس طرف سے بھی مایوس ہو جاتا تھا کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دماغی حالت درست ہی ہو جائے۔

ایک مجرم کا ریوالور بھی اسے دستیاب ہو گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کہاں دیکھا گیا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ مجرموں کو گرفتار کرا دے، لیکن پھر خیال آیا کہ ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا۔ بہر حال وہ سخت الجھن میں تھا کہ کیا کرے۔

سب سے زیادہ حیرت اُسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر تھی۔ بعض اوقات تو اسے محسوس ہونے لگتا تھا کہ جیسے اس نے قطعی غلط قدم اٹھایا ہو۔ جنہیں وہ مجرم سمجھ رہا ہے، وہ مجرم نہیں ہیں لیکن ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور اسے پھر اپنے پہلے ہی خیال پر لوٹ آنے کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔

دوسری چیز جو اس کیلئے بالکل معمہ بن کر رہ گئی تھی مجرم پر فائر کرنے والے کی شخصیت تھی۔

اس بازی میں وہ اپنے جس مہرے پر بھی نظر ڈالتا اس کی پوزیشن کمزور ہی نظر آتی تھی۔

دفعتاً اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ وہ خیال جو مزاح کی خاطر کئی بار حمید کے سامنے

دہرا چکا تھا یعنی رقیہ پر ڈورے ڈالنا۔ اگر وہ کسی طرح قابو میں آگئی تو پھر بس کام بن گیا۔

اس معاملے پر پہلے سے زیادہ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے باقاعدہ رقیہ سے ملنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی پرلے سرے کی گھاگ تھی۔ کیا مجال کہ کہیں سے لغزش ہو جائے۔ فریدی کو اس معاملے میں بھی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا...... لیکن وہ ہمت نہیں ہارا۔ دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ مگر وہ مطلب کی باتوں پر صاف اڑ جاتی تھی۔

آج وہ فریدی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آئی تھی، لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھا اور حمید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کچھ دیر تک دونوں میں رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر فریدی کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کا نام لیتے وقت رقیہ کی آواز میں ایک عجیب قسم کا رسیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

"ایک ایسا شخص جو دن رات محنت کرتا ہو، کافی دیکھ بھال چاہتا ہے۔" رقیہ بولی۔

"جی ہاں...... میں ان کی کافی دیکھ بھال کرتا ہوں۔" حمید بولا۔

"آپ......!" رقیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیوں...... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں...... ویسے آپ بھی خاصے عورت معلوم ہوتے ہیں۔" رقیہ قہقہہ لگا کر بولی اور حمید جھینپ گیا۔

"ممکن ہے آپ ٹھیک کہتی ہوں۔" حمید جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر اس بات کا مجھے یقین ہے کہ اگر میں ذرہ برابر بھی عورت معلوم ہوتا تو فریدی صاحب ایک منٹ کے لئے بھی مجھے اپنے قرب وجوار میں برداشت نہ کر سکتے۔"

"اوہ تو کیا انہیں عورتوں سے نفرت ہے۔" رقیہ بولی۔

"کبھی تھی لیکن شاید اب نہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں نے آج تک ان کی زبانی کبھی عورتوں کا تذکرہ نہیں سنا لیکن آج کل وہ دن رات ایک عورت کی شان میں قصیدے پڑھا کرتے ہیں۔"

"اچھا...... کون ہے وہ عورت......!"

"یہ نہ بتا سکوں گا...... اگر فریدی صاحب کو خبر ہو گئی تو شاید مجھے زندہ ہی دفن کر دیں۔"

"انہیں معلوم ہی کیسے ہوگا۔"

"مجھے سخت حیرت ہے۔" حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ "وہ شخص جو محض فن سراغ رسانی کی تکمیل کے لئے شادی تک سے گریز کرتا رہا ہو، وہ شخص جس کے سر پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار رہتا ہو۔ وہ جسے اپنے فن کے علاوہ اور کسی چیز کی پرواہ نہ رہی ہو۔ ایک عورت کے خیال میں اس طرح غرق ہو جائے کہ ایک معمولی سے مجرم کو بھی نہ پکڑ سکے، وہ شخص جس نے لیونارڈ جیسے عالم گیر شہرت رکھنے والے آدمی کو چوہے کی طرح پھانس لیا۔ ساجد جیسے گمنام آدمی کا پتہ نہ لگا سکے، مجھے اس کی حالت پر رحم آتا ہے۔ واقعی عورت بڑی خطرناک چیز ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"لیکن آخر وہ عورت ہے کون، جس نے ایسے پتھر کو موم کر دیا۔" رقیہ بے تابی سے بولی۔

"کل رات...... میں ان کی حالت دیکھ رہا تھا...... وہ پاگلوں کی طرح سارے گھر میں گھومتے پھر رہے تھے اور پھر میں نے انہیں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا، اف میرے خدا کتنا دردناک منظر تھا۔ وہ شخص جو افلاطون کو سبق دینے کا دعویٰ رکھتا ہو، اس طرح بے بس ہو جائے۔ بچوں سے بھی بدتر.... اف! اگر قانون کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس عورت کو گولی مار دیتا۔" حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ وہ اس طرح ٹہلنے لگا جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"خدارا بتا بھی دیجئے کہ وہ کون ہے۔" رقیہ بے صبری سے بولی۔

"آپ نہ سن سکیں گی...... مگر نہیں آپ کو سننا ہی پڑے گا۔ وہ آپ ہیں...... صرف آپ۔ آپ نے ان کی زندگی برباد کر دی۔ آپ ان کی شہرت کو پستیوں میں پھینکنے والی ہیں...... خدارا ان کے راستے سے ہٹ جایئے۔ میں ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی زندگی میں کسی عورت کا داخل ہونا ان کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ وہ کسی کام کے نہ رہ جائیں گے اور اس سے ملک اور قوم کو جو نقصان ہوگا وہ ظاہر ہے۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان کے راستے سے ہٹ جایئے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ رقیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ مردہ آواز میں بولی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"ان سے ملنا چھوڑ دیجئے...... میں انہیں آپ کی بے وفائی کا یقین دلا کر کسی نہ کسی طرح راہ پر لے آؤں گا۔"

رقیہ خاموش رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر دو متضاد قسم کے جذبوں میں جنگ جاری ہے۔ حمید اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور رقیہ نے سر جھکا لیا۔ وہ ناخن سے کرسی کا گدہ کرید رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی خون میں نہایا ہوا آ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ رقیہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا ہوا......!" حمید بے اختیار چیخا۔

فریدی نے آنکھیں بند کئے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں جن سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

"پانی......!" وہ اپنے پٹی سے بندھے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر نقیہہ آواز میں بولا۔

حمید پانی لینے چلا گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" رقیہ صوفے کے قریب زمین پر دو زانو بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے دونوں ہاتھ فریدی کے رخساروں پر تھے۔

فریدی کے چہرے پر نقاہت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ رقیہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ جنہیں وہ منہ پھیر کر پی جانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کئی آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

اتنے میں حمید پانی لے کر آ گیا۔

"آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" حمید نے چونک کر فریدی کا جملہ استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ...... میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔" فریدی رک رک کر بولا۔

"انہوں نے سیاہ نقاب پہن رکھے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان میں ساجد ضرور تھا۔"

"ساجد......!" رقیہ حیرت سے بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ "بہت ممکن ہے کہ وہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ حادثہ کہاں ہوا۔" حمید بولا۔

"والٹر روڈ پر......!"

"والٹر روڈ پر......!" رقیہ پھر چونک کر بولی۔

"حمید تم فوراً کوتوالی جا کر پتہ لگاؤ کہ کسی حادثے کی اطلاع تو نہیں آئی، لیکن میرے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں۔

"تم ابھی تک نہیں گئے۔" وہ بولا۔

"میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"تم جاؤ رقیہ ہیں تو میرے پاس۔" فریدی نے کہا۔ رقیہ کہتے وقت اس کے لہجے میں بلا کا پیار آ گیا تھا۔ جسے رقیہ بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

حمید چلا گیا۔

"آپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیے۔" رقیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں......؟"

"یونہی آپ پر یہ دوسرا حملہ ہے۔"

"ہو گا...... میں اتنا بزدل نہیں ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں کچھ دنوں سے خود کو احمق محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ذہانت کسی ویرانے کی دلدل میں پھنس کر آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔"

"یہ کیوں......؟"

"میں نہیں جانتا۔" فریدی نے رقیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظریں جھکا کر ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

رقیہ کا چہرہ تمتما اٹھا تھا اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کی

آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے ڈھلک کر رخساروں پر بہ چلے۔

"تم رو رہی ہو۔" فریدی اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے افسوس ہے...... لیکن میں ساجد کو کسی طرح قانون کی گرفت سے نہ بچا سکوں گا۔ معاملہ میرے ہاتھوں سے بہت دور جا چکا ہے۔"

"ساجد......!" وہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔ "جہنم میں گیا ساجد۔ میں مجبور تھی...... میں ان غلاظتوں سے تنگ آ گئی ہوں۔ میں اب اس گندگی میں نہیں رہ سکتی۔ موت صرف موت مجھے سکون دے سکے گی۔ چوتھا خون اُف میرے خدا...... چوتھا خون۔"

"کیا مطلب......؟" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

رقیہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پھر لٹا دیا۔

"تمہارا خون...... لیکن اب مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ تم سنتے ہو۔" رقیہ فریدی کے سینے پر سر رکھ کر بے اختیار پھوٹ پڑی۔

"ڈرو نہیں...... صاف صاف بتاؤ...... کیا بات ہے...... جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتی...... مجھے تو اب مر ہی جانا چاہئے۔ لیکن میں اب یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ چوتھی موت کا ذریعہ بنوں۔ میں اب اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ حالانکہ اسے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس کی سزا موت ہوگی۔"

"شاید تم بہت زیادہ پریشان ہو۔" فریدی بولا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... شاید آپ اسے ہذیان سمجھ رہے ہیں...... میں قطعی ہوش میں ہوں۔"

"نہیں ساجد کی حرکت نے تمہارے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"ساجد......!" وہ چونک کر بولی۔ "اوروں کی طرح اس کی بھی ہڈیاں تک گل گئی ہوں گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ساجد سے پہلے بھی دو آدمیوں کو موت کے دروازے تک پہنچا چکی ہوں۔"

"غالباً تمہارا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے جن کی لاشیں میرے پھاٹک پر پائی گئی ہیں۔

"ہاں...... اور یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لاشیں آپ کے پھاٹک پر کیوں پھینکوائی گئیں۔"

"مگر ان کی موتیں تو قدرتی حالات میں ہوئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"بالکل غلط...... میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ ان کا خاتمہ کس طرح کیا گیا۔"

"مگر وہ تھے کون۔"

"میں یہ نہیں جانتی...... ایک بار وہ تینوں اکٹھا دکھائے گئے تھے...... اور کہا گیا تھا کہ میں ان تینوں کو الگ الگ اس طرح پھانسوں کہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔"

"پھر......!"

"میں نے انہیں پھانس کر باری باری موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔ میرا بس اتنا ہی کام تھا کہ ان کے متعلق اچھی طرح واقفیت بہم پہنچا کر انہیں نصیر تک پہنچا دوں۔"

"نصیر......!" فریدی حیرت سے بولا۔ "کیا تم اپنے چچا کو نام لے کر مخاطب کرتی ہو۔"

"چچا......!" رقیہ ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "چچا...... ہاں وہ میرا ایسا چچا ہے کہ اکثر شراب کے نشے میں مجھے ننگی ہو کر ناچنے کو کہتا ہے۔"

"اوہ......!"

"میں ان سب کی محبوبہ ہوں۔" رقیہ بے باکی سے بولی۔ "ان کے چکر میں پھنسی ہوئی ایک مجبور عورت۔"

"تو کیا وہ کئی ہیں۔"

"آٹھ......!"

"اور نصیر ان کا سردار ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔" رقیہ بولی۔ "سردار وہ ایک بہت بھیانک آدمی ہے۔ ایک خطرناک بوڑھا جو ہمیشہ اپنا چہرہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور شاید صرف میں ہی یہ جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ ایک بار میں نے اسے اتفاقاً بے نقاب دیکھ لیا تھا...... اف میرے خدا کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ اس کے چہرے پر ناک کی جگہ پر ایک بڑا غار ہے...... اس غار سے

اس کا حلق تک دکھائی دیتا ہے۔"

"اوہ......!" فریدی اچھل کر بولا۔

"صرف سن کر ہی آپ خوفزدہ ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دیکھ لیں تو......!"

"اور وہ والٹر روڈ کی کوٹھی نمبر تین میں رہتا ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" وہ حیرت سے بولی۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"تو پھر آپ ساجد......!"

"تم لوگ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے اور میں تمہیں۔"

"تو یہ سب محبت......!"

"ہاں ہاں...... یہ بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "میں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا کہ تم کوئی شریف لڑکی ہو اور ان کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ مجھے تم سے اتنی ہمدردی اور محبت ہے جتنی کہ ایک بھائی کو ایک بہن سے ہو سکتی ہے۔ میں اس عرصے میں تمہاری لئے بہت زیادہ پریشان رہا۔"

رقیہ حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"خیر مجھ جیسی آبرو باختہ کسی شریف آدمی کی بہن بننے کے لائق نہیں۔"

"کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔ تم میری بہن ہو...... اور میں تمہیں بچانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کروں گا۔"

"مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں...... مجھے زندگی کے نام سے بھی نفرت ہو چکی ہے۔" رقیہ بولی۔

"نہیں تمہیں جینا چاہئے...... ہمت ہارنا بزدلی ہے۔" فریدی بولا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ کہ ساجد کے گھر میں مجھ پر گولی کس نے چلائی تھی اور اس کی نوکرانی کا کیا ہوا۔"

"آپ پر گولی چلانے والا انہیں میں سے ایک تھا اور نوکرانی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اور وہ شخص جس نے مجھ پر فائر کرنے والے پر گولی چلائی تھی۔"

"اس کے متعلق بھی میں کچھ نہیں جانتی۔"

"وہ تین آدمی کس قصور پر مارے گئے۔"

"مجھے اس کی بھی اطلاع نہیں۔"

"شنکر کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلوم ہے۔"

"ہاں...... اس کی اور آپ کی جنگ کا پروگرام نصیر ہی کا بنایا ہوا تھا۔"

"کیوں......؟"

"تاکہ آپ دونوں الجھ کر رہ جائیں اور وہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔"

"اور وہ کام کیا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" رقیہ بولی۔ "لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے آپ کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ آپ کو اپنے حسن کے جال میں پھنساؤں۔ شاید وہ ان تینوں کی طرح آپ کی بھی جان لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔"

"خیر اب وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" رقیہ بولی۔ "آج رات والٹر روڈ کی کوٹھی میں وہ سب کسی خاص مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوں گے۔"

"کیا تم بھی وہاں ہو گی۔"

"نہیں...... میرا بلاوا نہیں! میں ہوٹل میٹرو ہی میں ہوں گی۔"

"ہاں اسپینی رقاصہ کے متعلق بھی کچھ جانتی ہو۔"

"اس کا تعلق بھی گروہ سے ہے، لیکن یہ نہیں جانتی کہ تعلق کی نوعیت کیا ہے۔"

"وہ سب وہاں کس وقت اکٹھا ہوں گے۔"

"گیارہ بجے رات کو۔"

"ہوں...... اچھا تو اگر تم سرکاری گواہ بن گئیں تو میں تمہاری جان صاف بچا لوں گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" رقیہ بے دلی سے بولی۔

"اچھا وہاں...... وہ خطرناک بوڑھا بھی ہو گا۔"

"ہاں......!" رقیہ بولی۔ "ان کا پروگرام اب یہاں سے کہیں اور جانے کا ہے۔ معلوم نہیں کیوں اب تک رکے ہوئے ہیں۔"

"کوٹھی میں نوکر کتنے ہیں اور رات میں ان کے کہاں کہاں ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ سب مل کر آٹھ ہیں.... وہی دن میں معمولی نوکروں کے فرائض انجام دیتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سب گیارہ بجے ایک جگہ پر ہوں گے۔"

"ہاں.....اس قسم کی نشستیں عموماً ہال میں ہوتی ہیں۔"

"ہال کی پچویشن......؟" فریدی نے پوچھا۔

"عمارت کے وسط میں واقع ہے۔"

"کتے تو نہیں۔"

"ایک بہت ہی خطرناک قسم کا نحر گیز ہاؤنڈ ہے' جو رات میں عموماً کمپاؤنڈ میں کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"خیر اس کے لئے بارہ سنگھے کے گوشت کا ایک ٹکڑا کافی ہوگا۔" فریدی بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"اس نسل کا کتا بارہ سنگھے کے گوشت کی بو ایک میل سے سونگھ کر اس پر آتا ہے۔"

"تو کیا آج رات کو......!"

"ہاں......!"

"سردار بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"میں جانتا ہوں مجھے اس کی سات پشت سے واقفیت ہے۔"

"فرض کیجئے کہ میں نے اس وقت بھی آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی اسکیم معلوم کر لی ہو۔" رقیہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے اطمینان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں فرشتوں کی سی معصومیت دیکھ رہا ہوں۔"

"خیر اب آپ آرام کیجئے۔" رقیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "شکار کرنے آئی تھی اور شکار ہو کر جا رہی ہوں...... مگر مجھے......یہ سودا مہنگا نہیں پڑا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

رقیہ تھوڑی دیر کھڑی کچھ سوچتی رہی اور پھر باہر چلی گئی۔ فریدی نے اسے واپس بلانا چاہا لیکن وہ پھاٹک سے نکل چکی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید واپس آ گیا۔ اس دوران میں فریدی نہا کر کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔

"ارے......!" وہ فریدی کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"خیریت...... خیریت......!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے سر کی پٹی......!"

"اوہ......!" فریدی اپنے اچھے خاصے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"اور وہ زخم......!" حمید پھر بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "صرف دو مرغوں کا خون کافی ہو گیا تھا اور رات کے کھانے پر ہمارے دستر خوان پر دو عدد مرغ مسلم ہوں گے۔"

"کیا مطلب......؟" حمید چونک کر بولا۔

"آج میں تم سے بہت خوش ہوں...... تم ایک اچھے اداکار بھی ثابت ہو سکتے ہو۔ آج تو تم نے کمال ہی کر دیا۔" فریدی نے کہا۔

"ذرہ نوازی ہے جناب والا کی......ورنہ بندہ کس لائق ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مگر للہ بتائیے یہ کیا اسرار ہے۔ عقل کو سخت پیچ و تاب ہے۔ بندہ ہمہ تن اضطراب ہے۔ پردہ اس راز سے اٹھائیے کہ غنچہ دل کھلکھلائے اور گلشن حیات باصوت ہزار اں مثل باغ بہشت کے گلزار بے خزاں ہو۔"

"بس بس......بکواس بند اے...... آغا حشر کے شاگرد رشید۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"خاکسار تو صرف حضور والا کے دامن تلمند سے وابستہ ہے۔" حمید بولا۔

"بھئی ختم کرو یہ سب.... بس آج آخری معرکہ اور سر کرنا ہے.... اس کے بعد....!"

"اس کے بعد آپ رقیہ سے شادی کر لیں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ نے یہ کیا سوانگ رچا رکھا تھا۔"

"جب میں نے دیکھا کہ تم نے لوہے کو کافی تپا دیا ہے تو میرے لئے فوراً ہی ضرب لگا دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"تو کیا آپ ہماری گفتگو سن رہے تھے۔" حمید بولا۔

"عجیب اتفاق ہے کہ میں ٹھیک اسی وقت یہاں پہنچا جب تم اسے میرے عشق کی داستان سنا

رہے تھے۔"

"وہ تو ویسے ہی کچھ کچھ راہ پر آچلی تھی۔ آخر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید بولا۔

"تم ابھی بالکل بدھو ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "دن رات عورت عورت چلانا اور چیز ہے اور عورت کی فطرت کا مطالعہ اور چیز۔"

"بجا ارشاد ہوا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں، عورت سے قریب رہ کر تم ہرگز عورت کو نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ تمہاری جذباتیت جو عورت کے قرب کی وجہ سے جاگتی ہے تمہیں اس کی فطرت کا مطالعہ نہیں کرنے دیتی۔ وہ اس کی کمزوریوں کو حسن اور آرٹ کا رنگ دے کر ان کی پردہ پوشی کرنے لگتی ہے۔ مثلاً کسی کا شعر ہے۔

معشوق کی چال میں جو لنگڑا پن ہے
دل لینے کا یہ بھی ایک چلن ہے

مگر خیر...... لاحول ولا قوۃ...... میں شاعری پر کیوں اتر آیا۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

کہاں.... کچھ بھی تو نہیں آپ تقریباً ایک گھنٹے سے بالکل خاموش ہیں۔ حمید ہنس کر بولا۔

"خیر چلو یہی سہی...... ہاں یاد آیا تو...... دیکھو ہر عورت کی فطرت میں ماما کا کچھ نہ کچھ جزو ضرور ہوتا ہے اور یہ ماما اس وقت بڑی شدت سے جاگ اٹھتی ہے جب وہ کسی ایسے مرد کو تکلیف میں مبتلا دیکھتی ہے جس کا اس سے کچھ تعلق ہو۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اسے میری محبت کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو اور وہ کچھ کچھ پسیج بھی رہی ہے تو میں نے دو مرغوں کا خون کیا...... اور پھر...... تو تم جانتے ہی ہو...... اس کا ردعمل توقعات سے بڑھ کر نکلا۔ یقین رکھو کہ وہ مجرموں کے خلاف سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی۔"

"اور پھر اس کے بعد......!" حمید دفعتاً بولا۔

"اور پھر وہ یہیں آکر میرے پاس رہے گی۔"

"اوہ تو یہ کہئے آپ سچ مچ......!" حمید جلدی سے بولا۔

"ہاں...... وہ سچ مچ مجھے اپنا بھائی سمجھے گی۔" فریدی چہک کر بولا۔

"لاحول ولا قوۃ......!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔"

"غلط سمجھے تھے آپ......!" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تھوڑی دیر قبل آپ ہی نے رقیہ سے فرمایا تھا کہ میں فریدی کے آرٹ کا خون ہوتے نہ دیکھ سکوں گا۔ تم نے میری فطرت کے بارے میں اس سے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ واقعی اگر کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہوگئی تو میں بالکل بدھو ہو کر رہ جاؤں گا۔ یہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"آپ ایک بار تجربہ کر کے دیکھئے۔"

"خیر چھوڑو فضول باتوں کو۔" فریدی بولا۔ "آج رات کو والٹر روڈ والی کوٹھی پر چھاپہ مارنا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن ابھی سے آپ نے اپنی پٹیاں ناحق کھول دیں۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"اگر نصیر آگیا تو...... رقیہ نے آپ کے زخمی ہونے کا حال اسے ضرور بتایا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں...... گفتگو کے اختتام تک رقیہ کو غالباً پورا پورا یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ سب سوانگ ہے۔"

"یہ کیسے......؟"

"اس لئے کہ خود اسی نے اس بات کا اقبال کر لیا کہ ساجد خود مظلوم تھا۔"

"اوہ...... لیکن...... شنکر...... اس کے متعلق تو وہ لوگ ابھی تک یہی سمجھے ہوئے ہوں گے کہ وہ آپ کا دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے شنکر ہی کی حرکت سمجھا ہو۔"

"بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی۔ لاؤ پھر سے پٹیاں کس لوں۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس گروہ کا سرغنہ ایک ایسا آدمی ہے جو تفریحاً خون کیا کرتا ہے۔"

"وہ جون ۴۰ء میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی چلا گیا تھا اور محض اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے جرمنوں کے ساتھ اتحادیوں سے لڑ رہا تھا۔"

"آپ کا اشارہ جابر کی طرف تو نہیں ہے۔"

"بالکل اسی کی طرف ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"رقیہ سے دوران گفتگو میں...... کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کی ناک کی جگہ ایک بہت بڑا غار ہے۔"

"ہاں...... میں نے اس کے متعلق دفتر میں کچھ کاغذات دیکھے تھے۔ مگر اس کے جرمنی سے واپس آنے کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"وہ بڑا گھاگ ہے...... اور انتہائی خطرناک بھی۔"

"خطرناک کہاں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "وہ اب صرف "خطر" ہے...... اس کی "ناک" تو آتشک کھا گئی۔"

"خیر...... خیر...... الفاظ سے کھیلنے کا وقت نہیں، ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔"

"یعنی......!"

"کم از کم سو عدد مسلح آدمی درکار ہوں گے۔ تم میرا خط لے کر ایس۔ پی کے پاس چلے جاؤ۔"

"سو آدمی، کیا اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں وہ صرف آٹھ ہیں۔"

"صرف آٹھ عدد کے لئے سو آدمی۔"

"ان پر تو اکیلا جابر ہی بھاری ہوگا۔" فریدی بولا۔ "تم اسے نہیں جانتے۔ وہ کئی بار ہزاروں کے مجمع میں گھر جانے کے باوجود بھی بچ نکلا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید پھر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی اپنے عجائبات کے کمرے میں جا گھسا۔

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی، سردی کی شدت سے والٹر روڈ پر آہستہ آہستہ رینگنے والے

کانسٹیبلوں کے دانت بجنے لگے تھے۔ جب کوٹھی تھوڑی دور رہ گئی تو وہ سب فریدی کے اشارے پر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آگے بڑھنے لگے۔ فریدی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوٹھی کے پھاٹک کے قریب آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے کاندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکال کر پھاٹک کے اندر ڈال دیا۔

دو منٹ، تین منٹ، پانچ، دس لیکن کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا اور وہ وہاں سے واپس لوٹ آیا۔

"شاید آج انہوں نے کتے کو بند کر رکھا ہے۔ ورنہ اتنی دیر نہ لگتی۔" اس نے حمید سے کہا۔

اتنی دیر میں پولیس کے سپاہی کوٹھی کے گرد حلقہ بنا کر آہستہ آہستہ سمٹنے لگے تھے۔ فریدی چہار دیواری کے اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی کی بعض کھڑکیوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے باہر سے کوٹھی کا چکر لگا ڈالا لیکن کسی قسم کی آہٹ سے بھی وہاں کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ آخر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب بھی چہار دیواری کے اندر آ گئے۔

کوٹھی کے اندر بھی بالکل سناٹا تھا...... پولیس کے سپاہی ہال کے گرد متعدد کمروں میں منتشر ہو گئے تھے۔

غالباً وہ سب ہال ہی میں ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

اور پھر اچانک وہ سب ہال میں گھس پڑے۔

مگر...... ان میں سے کئی کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ ایک بہت بڑی میز پر جس کے گرد بہت سی کرسیاں پڑی تھیں...... تین لاشیں نظر آئیں۔

"اُف میرے خدا......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "نکل گئے کم بخت۔"

"ارے رقیہ...... اور ساجد کی نوکرانی۔" حمید چیخا۔

دو تین سب انسپکٹر کچھ سپاہیوں کو لے کر کمپاؤنڈ میں پھیل گئے۔ پائیں باغ اور کوٹھی کا چپہ چپہ چھان ڈالا گیا لیکن مجرموں میں سے ایک کا بھی سراغ نہ مل سکا۔

ادھر ہال میں فریدی اور حمید چند سپاہیوں اور سب انسپکٹروں کے ساتھ لاشوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

دفعتاً فریدی چیخا۔ "اس میں ابھی کچھ کچھ جان باقی ہے۔"

"مگر یہ ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"شنکر......!" فریدی بولا۔ "جلدی کرو......اسے کسی طرح ہسپتال تک لے چلو۔"

حمید رقیہ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے سے خون ابل کر کپڑوں میں جم گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر زندگی کے آخری لمحات کے تشنج کے آثار باقی رہ گئے تھے اور خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے موتی جیسے ننھے ننھے دانتوں کی جھلکیاں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی انتہائی کرب کے عالم میں مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو...... حمید لرز اٹھا۔

پولیس کے سپاہی زخمی شنکر کو اٹھا کر باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن فضول، برآمدے میں پہنچتے پہنچتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

تین لاشیں پولیس کی لاری میں لے جائی جا رہی تھیں۔ رقیہ شنکر اور ساجد کی بوڑھی خادمہ کی لاشیں۔

فریدی خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

رات کے تین بج گئے تھے، لیکن وہ ابھی تک اپنی لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ حمید ایک صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ شنکر ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگ گیا۔"

"اوں......!" فریدی چونک کر بولا اور حمید کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت وہ قطعی خالی الذہن ہو۔

"سنو......!" وہ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ عرصہ سے ان لوگوں کی قید میں تھا۔ اس دن ساجد کے بنگلے میں شنکر ہی نے حملہ آوروں پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اگر وہ ان لوگوں کی قید میں نہ ہوتا تو آج میرے ہاتھ سے بچ کر جا بھی نہیں سکتے تھے۔"

"وہ کس طرح......!"

"غالباً رقیہ نے نصیر سے میرے زخمی ہو جانے کا حال بتا دیا تھا۔ اسے اس پر شبہ ہوا ہوگا کیونکہ شنکر بھی انہیں لوگوں کی قید میں تھا۔ اگر وہ ان کی قید میں نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتے کہ شاید شنکر ہی نے اپنا بدلہ لینے کے لئے مجھ پر حملہ کیا ہو......اور پھر تم نہیں جانتے کہ! جابر کتنا چالاک آدمی ہے۔ خصوصاً عورتوں کی تو رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے ساری باتیں رقیہ سے زبردستی اگلوالی ہوں گی۔ لیکن ایک بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ شنکر کو گرفتار کر لینے کے بعد بھی وہ

لوگ، ہماری لاعلمی کا دھوکہ کس طرح کھاتے رہے کیونکہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ شنکر نے ہماری حمایت میں ان کے آدمیوں پر گولی چلائی تھی ان کا مشکوک ہو جانا لازمی تھا۔"

"بہت ممکن ہے کہ شنکر نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہو کہ اس کا نشانہ خود آپ تھے۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے، بہر حال اب کیا کیا جائے۔ اُف میرے خدا۔" فریدی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔ "میں اس لڑکی کی موت کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"ہم نے بہت دیر کر دی۔ اگر ہم سر شام ہی کوشش کرتے تو شاید اس کی جان بچ جاتی۔" حمید بولا۔

"اس صورت میں بھی شاید وہ ہمیں زندہ نہ ملتی......اور ہمیں ایک خودکشی کے کیس سے دوچار ہونا پڑتا۔"

"کیا مطلب......؟"

"تمہیں کوتوالی میں چھوڑ کر میں سیدھا میٹروگیا تھا۔ وہاں سے میں نے ان تین کمروں کی تلاشی لی جو نصیر نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کمرے کی تلاشی لیتے وقت مجھے ایک خط ملا جو رقیہ نے میرے نام لکھا تھا" فریدی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی شدت غم سے بھرائی ہوئی آواز کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہ لو......!" فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد میری تلاش میں ضرور آؤ گے، مگر میں دور بہت دور جا چکی ہوں۔ میرا طرز تخاطب تمہیں بُرا ضرور لگے گا مگر جب کہ میں مرنے جا رہی ہوں نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں "تم" کہہ کر مخاطب کروں، میں گنہگار اور بدکار ہوں، لیکن میں میں ہوں اور میری انفرادیت سے تمہیں کیا سروکار۔ میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ یہ میرا فعل ہے۔ رقیہ کا فعل......جوان سب آلودگیوں کے باوجود بھی رقیہ ہی ہے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں، نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ سارے خط میں صرف یہی جملہ بار بار دہراتی رہوں۔"

اس خط کو ختم کرنے کے بعد میں زہر پی لوں گی۔ حالانکہ تم نے مجھے بچا لینے کا وعدہ کیا ہے لیکن میں اس کی ہمت نہیں پاتی کہ اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آسکوں۔

"تو کیا تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میری لاش کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاؤ کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی...... عجیب فضول سی خواہش ہے، کیا میں مرنے کے بعد تمہیں اپنے لئے آنسو بہاتا ہوا دیکھ سکوں گی؟

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو فریب دینے کے لئے اتنے قریب ہوگئے تھے، لیکن اس وقت جب میں اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اب تک خود کو فریب دیتی رہی ہوں۔ میں تمہیں کبھی شاہد، سمیع اور ساجد کی طرح موت کا دروازہ نہ دکھا سکتی۔ گناہوں کی زندگی میں پڑنے کے بعد میرا دل پتھر ہو گیا تھا۔ اس میں کسی کے لئے خلوص کا شائبہ بھی نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں تم سے ملتے ہی میں نے اپنا دل دوبارہ واپس پالیا۔ مجھے میرا عورت پن واپس مل گیا۔ انسانیت واپس مل گئی اور پھر اب تمہیں بتاؤ کہ میں تمہیں اپنا کیوں نہ کہوں۔

میں مرنے جارہی ہوں مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہیں۔ مجھے موت سے ڈر محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ خودکشی! یہ میرا آخری گناہ ہے۔ ایسا گناہ جو پچھلے سارے گناہوں کے نقوش مٹا دے گا۔ میں مجبور ہوں۔ وہ رقیہ جو تمہیں اپنا سمجھتی ہے۔"

حمید کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

"اور پھر شاید وہ لوگ رقیہ کو کسی بہانے سے والٹر روڈ والی کوٹھی میں لے گئے۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں زندگی بھر ان کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک ان میں سے ایک ایک پھانسی کے تختے پر نہ پہنچ جائے گا۔ مجھے چین نہیں آسکتا۔"

فریدی بے تابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"مگر اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں جو مجرموں کے کارناموں پر روشنی ڈال سکے۔" حمید بولا۔

"اوہ چھوڑو...... بھی...... میں اس وقت اس کے موڈ میں نہیں ہوں۔" فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دیوانہ بولتا ہے

دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی گھر سے نکل گیا۔ حمید نے اسے جاتے دیکھا۔ اس کے کوٹ کے کالر میں ایک بڑا سا تر و تازہ گہرے سرخ رنگ کا گلاب لگا ہوا تھا۔ حمید کے الفاظ میں اس نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کی "بد پرہیزی" کی تھی۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک المناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ آج اس کا موڈ بھی بہت زیادہ خراب تھا۔ مرنے والی کا خط پڑھنے کے بعد اسے صحیح معنوں میں اس کے لئے مغموم ہونا پڑا تھا۔ اُسے سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کسی قریبی عزیز کی موت ہو گئی ہو۔

تقریباً دو بجے فریدی واپس آیا۔ اسکے چہرے پر ابھی تک فکرمندی کے آثار نظر آرہے تھے۔

"حمید...... فوراً چلو......!" فریدی بولا۔

"کہاں......!"

"راج روپ نگر......!"

"ڈاکٹر شوکت کے یہاں۔"

"خیریت......!"

"زیادہ گفتگو کا موقع نہیں جلدی کرو۔"

دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہوگئے۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے ڈاکٹر شوکت کا پیغام موصول ہوا ہے۔" فریدی بولا۔ "غالباً ساجد کی حالت کچھ سدھر گئی ہے۔"

"اوہ......!"

"اب وہی ایک آخری کڑی ہمارے ہاتھ میں رہ گئی ہے۔"

"آپ نے کھانا کھایا۔"

"نہیں......!"

"میں نے آپ کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"میرے سینے میں بھی دل ہے حمید۔ پتھر نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رقیہ اگر خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ اُف وہ اپنی مرضی سے مر بھی نہ سکی۔ معلوم نہیں کب سے وہ ان کے اشاروں پر ناچتی چلی آرہی تھی اور اس کی موت بھی انہیں کی مرضی کی پابند رہی۔ کیا یہ معمولی ٹریجڈی ہے۔ سنو حمید میں محض سراغ رسانی کی مشین نہیں ہوں، میری نظر انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں پر بھی رہتی ہے۔ میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ بُرائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پا چکے ہیں لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔ کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"اس کا نہ تو ابھی تک کوئی حل دریافت ہوا ہے، نہ ہونے کی امید ہے۔" حمید بولا۔

"اس کا حل شروع ہی سے موجود تھا، لیکن اس کی طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ یا اگر دھیان دیا بھی گیا تو محض تفریح طبع کے لئے۔ ذہنی برتری ظاہر کرنے کے لئے۔ یہ حل محض کاغذوں اور تقریروں کی زینت رہا۔"

"تو آخر اس کا حل ہے کیا۔"

"مُردوں سے زیادہ بُرائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کئے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو اس معیار پر لایا جائے جہاں جرم کا سوال ہی نہ رہ جائے۔"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔" حمید بولا۔

"ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لئے کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آسانی سے جائز طریقے اختیار کر سکیں تو پھر ہمیں انہیں خواہشات کو آسودہ کرنے کے لئے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

"یہاں...... میں آپ سے متفق ہوں، لیکن ان حالات کا پیدا کرنا امر محال ہے۔"

"دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں...... صرف عزم اور ہمت چاہئے۔" فریدی بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دراصل خواہ مخواہ اور بات کو بڑھانا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آج اس کا موڈ بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ بہر حال بقیہ راستہ خاموشی ہی سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر شوکت اور اس کی بیوی نجمہ ان کے منتظر تھے۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔

"اب وہ قطعی ہوش میں ہے۔" ڈاکٹر شوکت بولا۔

"کیا وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس سے کچھ باتیں کی جا سکیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں، لیکن ابھی فی الحال اسے باہر نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی صحیح بینائی واپس نہیں آئی، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔"

"چائے کا وقت ہو گیا ہے۔" نجمہ بولی۔ "میرے خیال سے آپ پہلے چائے پی لیجئے پھر بقیہ کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔"

"تو بھئی جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو۔" فریدی بولا۔ "میں بہت زیادہ الجھن میں ہوں۔"

"کیوں...... کیا کوئی خاص بات۔" شوکت نے پوچھا۔

فریدی نے اسے مختصراً سارے حالات بتا دیئے۔

"اوہ...... تو معاملہ بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔" شوکت بولا۔

"بھئی یہ خطہ بھی عجیب ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "آئے دن قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

چائے کے دوران میں اسی کیس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ہاں تو بھئی اب مجھے اس سے گفتگو کرنی چاہئے۔" چائے کے خاتمے پر فریدی بولا۔

یہ سب لوگ اٹھ کر ایک کمرے میں آئے، جو قریب قریب چاروں طرف سے بند تھا۔ کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے تھے۔ ڈاکٹر شوکت نے احتیاط سے دروازہ کھولا تھا جیسے وہ سورج کی روشنی کی ایک مدھم سی جھلک سے بھی کمرے کی تاریکی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔ یہاں گہرے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا۔ ساجد ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اٹھنے لگا۔

"آپ بیٹھئے...... کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

ساجد بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"شکریئے کی ضرورت نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ تو میرا فرض تھا۔"

"اگر آپ نہ ہوتے تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو میرے دوسرے ساتھیوں کا ہوا۔"

"آپ کے ساتھی......ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔"

"جب ہمیں شاہد کی لاش ملی تھی تو ہم سخت الجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کریں...... آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ اسے آپ کے پھاٹک پر ڈال دیں۔"

"اوہ......!" فریدی اچھل کر بولا۔ "تو کیا وہ لاش آپ لوگوں نے وہاں ڈالی تھی۔"

"جی ہاں......!" ساجد کچھ دیر رک کر بولا۔ "اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔"

"وہ کیا......؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے یہ معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا تو ہمیں باقاعدہ طور پر پبلک کے سامنے آنا پڑے گا اور اس میں ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لہٰذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ آپ خود کو ظاہر کیوں نہیں کرنا چاہتے تھے۔" فریدی بولا۔

"اس لئے کہ ہمیں اپنی جان کا خوف تھا۔"

"یعنی......!" فریدی بولا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ میں آپ کو شروع سے بتاؤں" ساجد نے کہا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد پھر بولا۔ "یہ بتائیے کہ اگر آپ کے سامنے کسی مردہ آدمی کی زندہ نقل آجائے تو آپ پر اس کا کیا اثر ہوگا۔"

ساجد خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کہتے چلئے۔" فریدی بولا۔

"میں شاہد اور سمیع بمبئی کی بندرگاہ پر اترے تو ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو برلن میں ہمارے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔"

"تو کیا آپ لوگ جرمنی میں تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں...... ہم لوگ وہاں فن مصوری کے بارے میں ریسرچ کر رہے تھے کہ جنگ

شروع ہو گئی اور ہم لوگ وہاں خود کو ایسی پوزیشن میں محسوس کرنے لگے، جو ایک ایسے چوہے کی ہو سکتی ہے جسے چوہے دان میں پھنس جانا پڑا ہو۔ وہاں بہت سے ہندوستانی تھے۔ سب کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ انہیں میں رنجیت نگر کا ولی عہد سنگرام سنگھ بھی تھا۔ ایک وقت آیا کہ وہ مفلسوں جیسی زندگی بسر کرنے لگا اور اسی مفلسی کے عالم میں ہماری اور اس کی ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ آرٹسٹ تھے، اس لئے ہمارے اخراجات کسی نہ کسی طرح چل ہی جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ اب مجھے سوچ کر شرم محسوس ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں نے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کے لباس میں ہٹلر کی ایک تصویر بنائی تھی اور اس کے نیچے "شہنشاہ ہند" لکھ دیا تھا۔ ہم سے اس کی بے شمار کاپیاں بنوائی گئیں اور ہمیں ان کا اچھا خاصا معاوضہ ملا۔ انہیں کے سہارے ہم اپنے اخراجات چلاتے رہے۔"

ساجد پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں تو آپ رنجیت نگر کے ولی عہد کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" ساجد نے پھر بولنا شروع کیا۔ "ان دنوں ہم لوگ ایک گاؤں میں مقیم تھے، سنگرام سنگھ ہمیں وہیں ملا تھا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ شائد اسی بناء پر ایک جرمن طوائف نے اسے اپنے یہاں پناہ دے دی تھی، لیکن وہاں وہ خوش نہیں تھا۔ اسے کئی قسم کی خطرناک جنسی بیماریاں لاحق ہو گئیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کا سارا جسم سڑ گیا اور آخر ایک دن اس نے ہمارے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ وہاں ہمارے اور اس جرمن طوائف کے علاوہ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ بھی ہندوستانی ہی تھا۔ لیکن اس کی شکل یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُف کتنی بھیانک شکل تھی، وہ اکثر سنگرام سنگھ کی زندگی میں بھی اس سے ملنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ معلوم نہیں وہ دونوں دوست کس طرح بن گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت دے کر بھی اس سے دوستی کرنے کے لئے کہتا تو میں تیار نہ ہوتا۔ اوہ...... میں شائد بہک رہا ہوں......ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"نہیں آپ قطعی نہیں بہک رہے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ہاں تو اس کی شکل کیسی تھی کہ آپ اس قدر نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔"

"اوہ...... فریدی صاحب...... میں آپ سے کیا بتاؤں۔" ساجد بولا۔ "اس کی ناک کی

جگہ ایک بہت ہی بھیانک قسم کا غار تھا جس سے اس کا حلق تک صاف دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار اس کا چہرہ دیکھ کر پھر دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔

"اور وہ بھیانک چہرے والا......!" فریدی نے کہا۔

"اس کے بعد سے میں نے پھر آج تک اسے نہیں دیکھا۔" ساجد بولا۔

"ہاں تو کیا آپ نے بمبئی کے بندرگاہ پر سنگرام کو دیکھا تھا۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں......اس کی شکل سنگرام سنگھ سے بہت ملتی جلتی تھی، البتہ اس کے ماتھے پر کچھ اس قسم کے نشانات تھے، جیسے وہ کبھی کسی حادثے میں شدید طور پر زخمی ہو گیا ہو۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر چونک ضرور پڑے تھے لیکن ہم نے اس لئے اس چیز کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی تھی کہ دنیا میں ایک ہی شکل کے دو آدمیوں کو ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں، لیکن ہماری یہ لاپرواہی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ ہم نے اتفاقاً اس کے سامان کے بنڈلوں پر اس کے نام کی چٹیں دیکھ لیں جن پر "کنور سنگرام سنگھ آف رنجیت نگر......!" لکھا ہوا تھا۔ اب ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، معاً ہمارے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی بدمعاش ہے۔ جو رنجیت نگر والوں کو دھوکہ دینے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے، جو اس کے مصاحب یا نوکر معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگوں نے تہیہ کر لیا کہ اس راز کو ضرور معلوم کریں گے، بندرگاہ سے وہ لوگ سیدھے ایک شاندار ہوٹل میں پہنچے۔ ہم لوگوں نے بھی اسی ہوٹل کا رخ کیا۔ وہاں ہمیں ایک کمرہ مل گیا۔ لیکن ہمیں وہاں سے بہت جلد ہی بھاگنا پڑا کیونکہ ایک بار کسی نے ہم لوگوں کی جان لینے کی کوشش کی۔ ہمیں ہوش آ گیا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے۔ شاید انہیں ہم لوگوں پر شبہ ہو گیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ خواہ مخواہ زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ پھر ہم لوگ یہاں آپ کے شہر میں چلے آئے۔ ہم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے مشکل سے تین روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن میٹرو میں میری ملاقات رقیہ سے ہو گئی۔ اس کے حسن کا جادو مجھ پر پہلی ہی ملاقات میں چل گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے روزانہ ملنے لگے۔ چند ہی دنوں میں اس نے مجھے اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اس کا تذکرہ اپنے انتہائی دوست سے بھی نہ کروں۔ میں نے حقیقتاً ایسا ہی کیا۔ شاہد اور سمیع کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ حالانکہ ہمیں یہاں سے سیدھے اپنے گھروں کو پہنچنا

چاہئے تھا۔ لیکن میں نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ فی الحال یہاں سے کہیں اور نہ جاؤں گا۔ جب میں نے اپنا ارادہ اپنے اور ساتھیوں پر ظاہر کیا تو انہوں نے بھی اس پر صاد کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ دونوں اپنے گھروں کو کیوں نہیں چلے جاتے۔ بہرحال ہم لوگوں نے اپنے اپنے لئے کرائے کے مکان حاصل کر لئے۔ ابھی تک ہم لوگ ساتھ ہی رہتے آ رہے تھے، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اب ہم میں سے ہر ایک الگ مکان لینے پر مصر نظر آ رہا تھا۔ مجھے تو اس پر خوشی ہوئی تھی کہ وہ میرے کسی دوست کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ خیر مجھے اس سے کیا مجھے تو صرف اس سے مطلب تھا۔ اس کے حسن سے مطلب تھا۔ اس کی جوانی سے مطلب تھا۔

لیکن ایک دن سارے سرور و کیف کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ میں نے ان بدمعاشوں میں سے ایک آدمی کو اپنے گھر کے گرد و نواح میں چکر لگاتے دیکھ لیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بالکل یہی واقعہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اب یہاں سے بھی بھاگنا چاہئے۔ لیکن رقیہ کی محبت مانع ہوئی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ شاہد اور سمیع نے بھی کسی قسم کا خوف ظاہر نہ کیا۔

"ایک رات میں اور سمیع شاہد کے گھر گئے گھر میں بالکل سناٹا تھا۔ ہم سمجھے کہ شاید وہ سو رہا ہے، لیکن اس کی حماقت پر بھی غصہ آیا کہ اس طرح گھر کھلا چھوڑ کر سونے کا کیا مطلب، لیکن اف میرے خدا جب ہم اس کے سونے کے کمرے میں پہنچے تو ہم نے وہاں اس کی لاش دیکھی۔

اسی شام کو ہم نے اُسے اچھا بھلا دیکھا تھا اور پھر ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ ہم نے اُسے شام کو جس سوٹ میں دیکھا تھا وہی اس وقت بھی اس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے جوتے تک بھی نہیں اتارے تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، ہم دونوں کا یہی خیال تھا کہ وہ قدرتی موت نہیں ہے، پھر دفعتاً ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ کہیں یہ انہیں لوگوں کی شرارت تو نہیں ہے جو ایک نقلی ولی عہد کو لئے پھرتے ہیں، ہم عرصے سے یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ یہ جان گئے ہیں کہ ہم اس راز سے واقف ہیں، لہٰذا وہ ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے لگے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں اپنے لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہم خود کو چھپانے کی کوشش کریں۔" ساجد خاموش ہو گیا۔

"آپ کو فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔" فریدی بولا۔

"مگر دشواری تو یہ تھی کہ ہم ان کے ٹھکانے سے ناواقف تھے۔"

"اوہ...... ٹھکانا دریافت کرنا ہمارا کام ہوتا...... خیر...... !"

"بہرحال ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اس لاش کو کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا کر روپوش ہو جائیں۔ ہاں میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ تو چاہتا تھا کہ کسی طرح مجرموں کو سزا ملے لیکن خود اس معاملے میں پڑ کر اپنے رنگین اوقات کا خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو رقیہ کے ساتھ بسر ہو رہے تھے۔ یہ تجویز میری ہی تھی کہ لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیا جائے۔ سمیع نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ شاید میری ہی طرح وہ بھی ان الجھنوں سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر کیوں یہ مجھے معلوم نہیں، دوسری وجہ سامنے نہ آنے کی یہ بھی تھی کہ ہم اس طرح خود کو چھپا کر ان لوگوں کی دستبرد سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔

بہرحال اس وقت یہی تدبیر سمجھ میں آئی۔ لیکن مجھے اس کا احساس ہو رہا ہے کہ ایسا کرنا انتہائی حماقت تھی۔ اس طرح نہ صرف ہم غیر محفوظ ہو گئے تھے بلکہ قانون کی نظروں میں بھی ایک بھاری جرم کیا تھا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اس حادثے کے بعد ہم نے پھر اپنے مکانات تبدیل کر دیئے۔ رقیہ سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن سمیع کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائی اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مجھے سمیع کی لاش بھی دیکھنی پڑی اور میں نے اُسے بھی کسی نہ کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا دیا۔ اب رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ میری جگہ اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو کبھی کا اس شہر کو چھوڑ چکا ہوتا۔ مگر رقیہ کی محبت نے ایک تیز و تند شراب کی طرح میرے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ اب مجھے اس کا بھی خوف نہ رہ گیا تھا کہ میری اور رقیہ کی محبت کا راز میرے کسی دوست کو معلوم ہو سکے گا۔ لہٰذا اب میں اسے انتہائی بے تکلفی کے ساتھ اپنے گھر بلانے لگا تھا۔ اکثر وہ رات رات بھر میرے ساتھ رہ جایا کرتی تھی اور اس کا جواز وہ اس طرح پیش کرتی کہ اس کا چچا نصیر ایک فلاسفر قسم کا آزاد خیال آدمی ہے...... وہ اس کی آزادانہ روش پر اسے کچھ نہ کہتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی دن مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

ایک شام اس نے مجھے میٹرو میں اسپینی رقاصہ کا ناچ دیکھنے کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ وہ

مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

"غالباً اس نے آپ کو اس کے لئے خط بھی لکھا تھا۔"

"جی ہاں...... !"

"اس خط میں کوئی اور خاص بات بھی تحریر تھی۔"

"میرے خیال سے کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔"

"اور وہ تصویر...... !"

ساجد سوچنے لگا۔

"ہاں اس نے مجھے اپنی ایک تصویر دی تھی۔ اس نے اس خط میں اسی تصویر کے متعلق بھی لکھا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ میں وہاں گیا۔ اس کا چچا مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا اور شراب پیش کی۔ میں اس کی دعوت کو رد نہ کر سکا اور...... اور پھر مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بقیہ حالات میں نے ڈاکٹر صاحب کی زبانی سنے ہیں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ رقیہ نے دیدہ و دانستہ مجھے اس عذاب میں مبتلا کرنا چاہا یا محض اتفاق تھا۔"

"جی نہیں...... یہ ایک بہت ہی سوچا سمجھا ہوا پلاٹ تھا۔ اس طرح مجرم آپ تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"تو کیا آپ نے انہیں گرفتار کر لیا۔" ساجد بول پڑا۔ "غالباً انہیں کے ساتھ رقیہ بھی ہو گی۔"

"اُسے آپ بھول جائیے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور خود کسی طرف فرار ہو گئے اور اب یہ معاملہ سمجھ میں آیا کہ وہ سب لوگ یہاں کیوں رکے ہوئے تھے، غالباً وہ اپنی تشفی کر لینا چاہتے تھے کہ آپ زندہ ہیں یا مر گئے۔"

"اوہ...... !"

"کیا آپ اس بات کا کوئی ثبوت عدالت میں پیش کر سکیں گے کہ اصلی سنگرام سنگھ مر چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں...... جرمنی سے اس کی موت کا سرٹیفکیٹ منگوایا جا سکتا ہے، جہاں سے وہ مل سکے

گا وہاں کا پتہ مجھے معلوم ہے۔"

"بہت خوب......!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب آپ آرام کیجئے۔"

پھر وہ ڈاکٹر شوکت کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہاں ان کی موجودگی کا حال کسی کو نہ معلوم ہونے پائے۔"

"تمہاری ہی ہدایت کے مطابق یہ بات میں نے نوکروں تک سے چھپائی ہے ان کا کام میں اور خود نجمہ کرتی ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔" ساجد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

اس کے بعد فریدی اور حمید شہر واپس آگئے۔

انجام

تین دن بعد فریدی حمید اور چیف انسپکٹر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"واقعی آپ کا یہ کیس بھی جرائم کی تفتیش کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"مگر افسوس اس کا ہے کہ وہ کم بخت جابر ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں نے اپنا جال چاروں طرف بچھادیا ہے۔ امید تو ہے کہ جلد ہی اس سے پھر دو دو ہاتھ کرنے پڑیں گے۔"

"بہر حال خود ان موتوں کا راز معلوم کرنا اپنی جگہ پر ایک ناممکن امر تھا۔ ہاں تم نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے فرار ہو جانے کے بعد تم نے ان کا صحیح پتہ کیسے معلوم کیا۔"

"ساجد سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ وہ لوگ رنجیت نگر ہی گئے ہیں۔ غالباً انہیں ساجد کی موت یا اس کے دماغ کی خرابی کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا اور شاید یہاں اسی لئے رکے بھی ہوئے تھے کہ ان تینوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد اپنا نقلی راج کمار

ریاست میں پہنچا کر مزے اڑائیں گے۔

"ایسی صورت میں انہیں گرفتار کرنے میں بڑی دشواری ہوئی ہوگی۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک راج کمار صاحب کو محل میں نہیں پہنچایا تھا۔ غالباً وہ اس کی تیاری میں مصروف تھے اور تو اور ریاست کے دو آفیسر بھی اس سازش میں شریک تھے۔ دراصل مجھ سے غلطی ہوئی میرا خیال تھا کہ جس جگہ یہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں جابر بھی ہوگا، ورنہ میں انہیں گرفتار کرنے میں جلدی نہ کرتا۔ بہر حال اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جابر ہاتھ سے نکل گیا اور ہاں ان لوگوں نے نقلی راج کمار کو فوراً ہی محل میں اس لئے نہیں پہنچایا تھا کہ وہ اسے انہیں دونوں مکار آفیسروں کے ذریعہ آداب شاہی کی تعلیم دلا رہے تھے کہ نقلی اور اصلی میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔"

"ہاں تو یہ بتاؤ کہ انہیں تمہاری اسکیم کا کیسے علم ہو گیا تھا۔" چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

"دراصل شنکر ان کی قید میں تھا اور میں اس سے لاعلم تھا۔ اس سے قبل میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ شنکر ہی اصل مجرم ہے۔ اس پر وہ لوگ مطمئن تھے، لیکن جب میں نے رقیہ کے سامنے ایک زخمی کا سوانگ رچایا تو سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ وہ خود بھی شنکر کی گرفتاری سے ناواقف تھی۔ اس نے نصیر سے میرے زخمی ہونے کا حال بتادیا اور پھر ان لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ہم انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہمارے پیچھے آدمی لگادیئے۔ میں اس وقت سے کہیں باہر نہیں نکلا تھا۔ غالباً کوئی شخص حمید کے پیچھے اس وقت سے لگا ہوا تھا جب وہ کوتوالی سے امداد لینے جا رہا تھا۔ بہر حال میں نے بلا سوچے سمجھے زخمی کا سوانگ رچا کر غلطی کی تھی، ورنہ جابر بھی یہیں گرفتار ہو گیا ہوتا...... خیر...... یار زندہ صحبت باقی...... نقلی راج کمار اور بقیہ لوگ تو گرفتار ہو ہی گئے ہیں۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 8

مصنوعی ناک

(دوسرا حصہ)

پیشرس

یہ ناول ایک چیلنج کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا مرکزی کردار جابر صرف ڈاکو نہیں ہے، بلیک میلر، خونی اور ساتھ ہی ساتھ ایک بڑا مفکر اور سائنس داں بھی۔

قدم قدم پر آپ کو ایسی باتیں ملیں گی، کہ آپ کانپ کانپ اٹھیں گے۔ ننگی لاشوں کا چھت سے ٹپکنا، پانچ ہزار کبوتروں کا خون۔

نواب رشید الزماں کی فریدی سے دشمنی اور پراسرار کنواں کا عجیب و غریب بوڑھا "طارق" یہ سب آپ کو اسی ناول میں ملے گا۔ ایک اور بڑے مزے دار آدمی کنور ظفر علی خاں جو ہمیشہ پراسرار بنا رہا ہے۔

اور جابر کا انجام...... وہ کون تھا...... کیا کرتا تھا...... کیوں کرتا تھا؟ ان سب کا جواب مصنوعی ناک دے گی۔

اور آخر میں...... آپ کا ہر دلعزیز انسپکٹر فریدی اس بار آپ کو بے انتہا مصائب میں گرفتار نظر آئے گا۔ غالباً یہ پہلی بار ہوگا کہ اتنے زبردست سراغ رساں کو جابر لڑکوں کی طرح کھلا رہا ہے۔

اس ناول کے بعد بھی آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا تاکہ آئندہ ناول بھی اسی چیلنج کے ساتھ لکھ سکوں۔

ابن صفی

سفر

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میدانوں کے رہنے والے ذی حیثیت لوگ گرمی سے تنگ آکر رام گڑھ کی شاداب پہاڑیوں میں پناہ ڈھونڈھنے جا رہے تھے۔ ان میں غیر ملکی سیاح بھی تھے، جنہیں رام گڈھ کے آثار قدیمہ دیکھنے کی خواہش کھینچ لائی تھی۔

اس وقت پہاڑیوں کے پیچ و خم کھائے ہوئے اونچے نیچے راستوں پر ٹٹوؤں اور خچروں کی قطاریں آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی نظر آرہی تھیں، حالانکہ یہاں بس سروس بھی ہے، لیکن بہتیرے مسافر محض مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے ٹٹوؤں یا خچروں پر سفر کرتے ہیں، لیکن فریدی کے متعلق یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے تفریحاً یہ راستہ اختیار کیا تھا یا پھر حمید کو تنگ کرنا مقصود تھا۔ وہ راستہ بھر اس کی جھلاہٹوں سے لطف اندوز ہوتا آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسے بات بات پر چھیڑ رہا تھا۔ ایک جگہ چلتے چلتے دفعتاً حمید کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ حمید گھبرا کر کود پڑا۔ فریدی کو بھی اپنا خچر روک دینا پڑا۔

"ارے ارے یہ کیا بھئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"جی کچھ نہیں بیچارہ تھک گیا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اب یہ مجھ پر سوار ہو کر بقیہ راستہ طے کرے گا۔ میں کہتا ہوں آخر...... آپ کو یہ سوجھی کیا تھی۔"

"بھئی میں نے محض تمہاری تفریح کی خاطر یہ دردسری مول لی تھی، ورنہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔"

"تفریح...... جہنم میں گئی تفریح۔" حمید نے خچر کی لگام پکڑ کر پیدل چلتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا۔" فریدی مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔ "تو کیا پیدل ہی چلو گے۔"

"جی ہاں......!" حمید جھٹکے دار لہجہ میں بولا۔

"چہ چہ...... لاحول ولا قوۃ...... عجیب احمق ہو...... دیکھو وہ اینگلو انڈین لڑکی تمہیں اس حالت میں دیکھ کر شائد اپنے ساتھیوں میں تمہارا مضحکہ اڑا رہی ہے۔"

حمید نے مڑ کر دیکھا تو واقعی چند اینگلو انڈین مسافر اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ اُن میں اتفاق سے ایک لڑکی تھی۔ حمید پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ اس نے رسی کی رکاب پر پیر رکھا اور اچھل کر خچر پر بیٹھ گیا اور بیٹھا بھی تو اس شان سے جیسے نپولین اپنے قد آور گھوڑے پر سوار آلپس کے دشوار گذار راستے طے کر رہا ہو۔

"شاباش میرے شیر......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں راہ پر لانے کے لئے ہمیشہ ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

"جی ہاں میری پیدائش کے سلسلے میں ایک عورت کی ضرورت پیش آئی تھی۔" حمید جل کر بولا۔

"ارے تم تو فلسفہ بولنے لگے...... بھئی میں دراصل اسی لئے تمہاری اتنی قدر کرتا ہوں۔"

"قدر دانی کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "اس وقت تو آپ بھی فلسفی ہی معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کیوں......؟"

"ایں سعادت بزور خچر نیست......!"

"شاباش...... میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا گدھا لاطینی بولتا تھا مگر تم خچر پر بیٹھ کر اچھی خاصی فارسی بول رہے ہو۔"

حمید کے خچر نے پھر ٹھوکر کھائی اور حمید گرتے گرتے بچا۔

پیچھے سے پھر قہقہے بلند ہوئے اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اُسے سچ مچ فریدی پر غصہ آرہا تھا۔ اگر بس ہی سے سفر کیا جاتا تو کون سی مصیبت آجاتی۔ کوئی تک ہے کہ سامان اور ملازمین تو بس پر جائیں اور خود خچروں پر۔ فریدی کی ایسی ہی عجیب و غریب حرکتوں پر حمید کبھی کبھی اتنی شدت سے بیزار ہو جاتا تھا کہ اس کی صورت تک سے نفرت معلوم ہونے لگتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ بغیر یہ سوچے سمجھے ہوئے کہ فریدی اس کا آفیسر ہے، جو کچھ منہ میں آتا اُسے کہہ ڈالتا اور فریدی...... وہ اس کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی حمید کی جھلائی

ہوئی حرکتوں سے لطف لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم اس خچر کو کاندھے پر اٹھالو۔" فریدی پھر بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے اس جملے پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا جملہ گونجا ہو جسے نہ کہنا ہی بہتر تھا۔

"اماں تو اس طرح بُرے بُرے منہ کیوں بنا رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تو میرا منہ اچھا ہی کب تھا۔" حمید جل کر بولا۔

"میرے خیال سے تو اچھا خاصا تھا۔"

حمید پھر چپ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔

"حمید......!"

"جی......!"

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو......!"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں پرلے سرے کا گدھا ہوں۔"

"اور خچر پر سوار ہو۔"

حمید نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

"حمید......!"

"فرمایئے......!"

"ادھر اس چٹان کے پاس دیکھ رہے ہو......وہ پہاڑی لڑکی۔" فریدی بولا۔

"مجھے فی الحال اس سے کوئی دلچسپی نہیں......کیونکہ یہ پہاڑی خچر......!"

"اماں ختم بھی کرو۔"

"ابھی یہ کم بخت مجھے ہی ختم کر دے گا" حمید نے جھلا کر خچر کو ایک قمچی رسید کرتے ہوئے کہا۔

خچر ایک ڈھلوان چٹان سے گذر رہا تھا۔ قمچی پڑتے ہی اچھل پڑا۔ اگر حمید فوراً ہی اُس کی

گردن سے نہ لپٹ جاتا تو گر جانا یقینی تھا۔

حمید نے نیچے اُتر کر اُسے دو چار قمچیاں رسید کر کے لگام چھوڑ دی...... خچر ڈھلوان میں دور تک چلا گیا۔

"اے صاب اے صاب۔" خچر والا پیچھے سے چلایا اور وہ اینگلو انڈین لڑکی اپنے ساتھیوں سمیت قہقہے لگانے لگی۔ حمید کو اس کی سریلی آواز زہر معلوم ہونے لگی۔ اس نے پلٹ کر قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اپنے خچر پر سے اُتر پڑا تھا۔

خچر والا حمید کے خچر کو پکڑنے کے لئے دوڑا جا رہا تھا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کیا تم نے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے کسی اونچی چٹان سے نیچے دھکیل دیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"نہیں میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں نے بہت بُرا کیا کہ آپ کے ساتھ چلا آیا۔" حمید بولا۔

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔"

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"غلط...... میں باندھ کر لاتا۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہارے بغیر خاک لطف آتا۔"

"آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"بہت پرانے بدلے چکا رہا ہوں۔"

"تو اس کے لئے اتنا لمبا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ایڈونچر......!"

اتنی دیر میں خچر والا خچر کو واپس لے کر وہیں آ گیا۔

"چلو بیٹھو......!" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔"

"کچھ بھی سہی۔"

"بیٹھو بیٹھو......!" فریدی نے دوبارہ اصرار کیا۔

"میں اس سے زیادہ ایڈونچر چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یعنی......!"

"پیدل چلوں گا......" حمید نے کہا۔ "اور آپ کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہوں پیدل چلنا صحت کے لئے مفید ہے۔"

"پاگل ہوئے ہو...... ابھی چھ میل چلنا ہے۔"

"تو کیا ہوا......!"

"ارے بھئی یہ پہاڑی راستہ ہے۔ ایک ہی میل چلنے میں کام تمام ہو جائے گا۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"عجیب احمق سے واسطہ پڑا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ احمق کے خچر سے واسطہ نہیں پڑا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی بیٹھو بھی۔"

"قطعی نہیں...... میں اپنے ایڈونچر کا خون نہیں کر سکتا۔" حمید بولا۔

"جہنم میں جاؤ......!" فریدی نے کہا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

خچر والا خچر کی لگام پکڑے ہوئے حمید کے ساتھ ہی ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر فریدی بھی لوٹ آیا۔

"لے بھائی سنبھال اسے۔" فریدی اپنے خچر کی لگام بھی خچر والے کو تھماتے ہوئے بولا اور حمید کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھئے...... کیا محسوس ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی تمہاری شامت آنے والی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آئے شوق سے آئے...... آخر شامت بھی مؤنث ہی تو ہے۔"

"یوں تو موت بھی مؤنث ہے میاں صاحبزادے۔"

"لیکن بہت بوڑھی ہو چکی ہے اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"خیر...... شکر ہے کہ تم مسکرائے تو۔"

"تو میں رو کب رہا تھا۔"

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

"آخر آپ کو یک بیک رام گڈھ کی کیوں سوجھی۔" حمید بولا۔

"جابر......!"

"اوہ...... تو آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"میں قسم کھا چکا ہوں۔"

"کیا آپ کو اس کی موجودگی کی کوئی باقاعدہ اطلاع ملی ہے۔"

"نہیں......!"

"یعنی......!"

"یہاں کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کی بناء پر میں سوچنے پر مجبور ہوا ہوں۔"

"میرے خیال سے یہ ضروری نہیں کہ ان کا تعلق جابر ہی سے ہو۔" حمید بولا۔

"یہ تم محض اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے آج تک کسی کبوتر کے پنجوں کے زہریلے ہونے کے متعلق بھی سنا ہے۔"

"نہیں......!"

"اگر کسی شخص کی موت کبوتر کے ناخن لگنے کی وجہ سے ہو جائے تو تم اُسے کیا کہو گے۔"

"ایک حیرت انگیز واقعہ اور ناقابل یقین بھی۔"

"اتنا ہی ناقابل یقین جتنا زہر خورانی کے کیس کا مرگی کے عارضے میں تبدیل ہو جانا۔"

"اوہ......!"

"رام گڈھ کے نوجوان کبوتر باز رئیس کی موت اس طرح واقع ہوئی۔ وہ ایک کبوتر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاقاً کبوتر کا پنجہ لگ گیا اور ایک گھنٹے کے اندر وہ مر گیا۔ بعد میں کبوتر کے پنجوں کا معائنہ کرنے پر پتہ چلا کہ اس کے ایک ناخن پر کسی دھات کا ایک ہلکا سا خول چڑھا ہوا تھا۔ بہر حال بادی النظر میں وہ ناخن ہی معلوم ہوتا تھا اور وہ خول زہریلا تھا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی معمولی آدمی کا کام ہے، جابر زہروں کا ماہر ہے۔"

"خیر یہ بھی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ اُسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کی آمد کی اطلاع سن کر کہیں اور چلا جائے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"ہم ٹھہریں گے کہاں۔"

"دلکشا میں......!"

"یہ کیا ہے۔"

"ایک عمارت کا نام...... بڑی پر فضا جگہ پر آباد ہے۔"

"اچھا اس کبوتر والے معاملے کو کتنا عرصہ ہوا۔"

"تقریباً ایک ہفتہ۔"

"ایسے عجیب و غریب حادثے کے متعلق تو اخبارات میں بھی آنا چاہئے تھا۔"

"ہاں اس بات کی تشہیر نہیں کی گئی۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ مرنے والے میں وہ ساری علامات موجود تھیں جو زہر کھا لینے پر ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے لوگوں نے یہی سمجھا کہ اُسے کسی نے زہر کھلایا ہے۔ رام گڈھ کے ایس۔ پی نے تحقیقات کے دوران میں پتہ لگایا کہ اُس نے مرنے سے ایک گھنٹہ قبل کوئی کبوتر پکڑا تھا۔ اُس نے یونہی بلا مقصد کبوتر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس وقت وہ اُسے ہاتھ میں اٹھائے دیکھ رہا تھا اس نے پنجے چلانے شروع کر دیئے۔ اتفاق سے اس کا ایک ناخن ایس پی کے کوٹ کے بٹن میں پھنس گیا۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ اُسے نکالنے کی کوشش کی...... ناخن تو نکل آیا لیکن اس پر چڑھا ہوا خول کوٹ ہی میں اٹکا رہ گیا۔ یہ ایک تعجب خیز چیز تھی۔ اس نے خول نکال کر احتیاط سے رکھ لیا اور کبوتر کو بھی اپنے ہمراہ لیتا آیا۔ اس نے تجربے کے لئے اس نوکیلے خول کو ایک بلی کے چبھو کر دیکھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ بلی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اس کا تذکرہ اپنی رپورٹ میں نہیں کیا۔ پہلے تو وہ خود ہی پوشیدہ طور پر کبوتر کے متعلق چھان بین کرتا رہا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو اس نے مجھے لکھا۔ وہ میرا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ اسی لئے میں اس کی درخواست کو رد نہ کر سکا۔"

"تو آپ نے اس کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہیں کیا۔" حمید بولا۔

"اگر میں پہلے سے اس کا تذکرہ کر دیتا تو تم یہاں آنے کے لئے کبھی چھٹی نہ لیتے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ آپ مجھے دھوکا دے کر یہاں لائے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو......!"

"اب میں بہت جلد یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن کیا تم مجھے چھوڑ سکو گے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔

"کیوں بھئی کیا واقعی پیدل ہی چلو گے۔" فریدی بولا۔

"ارادہ تو یہی تھا...... مگر خیر......!" حمید نے کہا اور خچر والے کے ہاتھ سے لگام لے کر خچر پر سوار ہو گیا۔

فریدی نے بھی اس کی تقلید کی۔

"فی الحال ہم لوگ ماتھر کے یہاں چلیں گے۔"

"ماتھر کون......!"

"یہاں کا ایس۔ پی جس نے ہمیں بلایا ہے۔"

دوسرا کبوتر

فریدی اور حمید رام گڈھ کے ایس۔ پی کے بنگلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایس۔ پی اُن سے کیس کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔

"بس یہ سمجھ لو کہ بلی کی موت کے بعد سے میری تحقیقات کی گاڑی ٹھپ ہو جاتی ہے۔" ایس پی بولا۔

"مرنے والے کی سوشل پوزیشن کیا تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب زادہ شاکر ایک انتہائی بااخلاق آدمی تھا اور سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ تھا تو نوجوان ہی لیکن بوڑھوں سے زیادہ عقل مند تھا۔ غیر شادی شدہ تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت کبوتروں یا کتابوں پر صرف کرتا تھا۔ عجیب بات تھی کہ وہ گوشہ نشین ہوتے ہوئے بھی

انتہائی سوشل آدمی تھا۔ اس سے ملنے والے اُسے تنہائی پسند نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ وہ سو فیصدی تنہائی پسند تھا۔ یہ اُس کے کردار کا ایک عجیب و غریب پہلو تھا۔ کسی نے آج تک اُسے کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن ہی نہیں تھا۔"

"تھوڑا بہت عیاش تو ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اس کے متعلق کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے اس کا عیاش ہونا ثابت ہوتا اور یہاں کوئی ایسا رئیس نہیں جس کے رگ و ریشے سے میں واقف نہ ہوں۔"

"یہاں اُس کے ساتھ کون کون رہتا تھا۔"

"صرف چند نوکر...... اس کا کوئی عزیز قریب اُس کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔"

"کوئی ایسا عزیز جو اُس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا مالک ہو سکے۔"

ایس پی کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں...... ایک صاحبہ ہیں...... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"مرنے والی سے اس کا رشتہ......!"

"چچازاد بہن۔"

"عمر......!"

"یہی کوئی چوبیس پچیس سال...... ایک سات آٹھ سال کی بچی بھی ہے۔"

"مرنے والے سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"اچھے ہی تھے...... ویسے کچھ زیادہ ربط و ضبط بھی نہ تھا۔"

"تم نے اُس سے اس کیس کے متعلق گفتگو ضرور کی ہوگی۔"

"ہاں وہ بہت مغموم تھی۔"

"میرا مطلب یہ نہیں...... تم نے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا۔"

"یہی کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"شبہ نہ کرنے کی وجہ۔"

"وہ ایک بہت ہی شریف عورت ہے۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔ آخر تم اُسے شریف کس بناء پر سمجھتے ہو۔"

"اس کا اندازہ تو تم اسے دیکھ کر ہی لگا سکو گے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب کہ وہ صورت سے شریف معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں بھئی یہ بات نہیں۔" ایس پی زچ ہو کر بولا۔

"خیر اسے ہٹاؤ۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کے خاص خاص دوستوں میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر شبہہ کیا جا سکے۔"

"میں نے ہر ایک کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔ اُن میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جس پر شبہ کیا جا سکے۔" ایس۔ پی نے جواب دیا۔

"اس کے دوستوں میں کوئی کبوتر باز ہے۔"

"ہاں...... ہیں تو سہی ایک صاحب۔" ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "صدیق احمد صاحب ریٹائرڈ جج۔"

"کیسے آدمی ہیں۔"

"اچھے آدمی ہیں۔"

"میں ذرا اُس کبوتر اور اس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایس۔ پی نے کبوتر منگوایا جو ایک پنجرے میں بند تھا۔

"کبوتر تو اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے...... شیرازی ہے۔"

"میں کبوتروں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ایس۔ پی بولا۔

حمید اُس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیر تک دیکھتا رہا۔

"واقعی مجرم بڑا ذہین معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس میں شک نہیں۔"

"اچھا تھوڑا سادہ کاغذ تو دو۔"

ایس پی نے میز پر سے پیڈ اٹھا دیا۔ فریدی لکھنے لگا۔

دس ہزار روپیہ انعام

"اُس شخص کو دیا جائے گا، جو ہندوستان کے مشہور ڈاکو راہل کو مردہ یا زندہ لائے گا۔ ہم

یہاں اُس کی تصویر چھاپ رہے ہیں تاکہ پبلک اُس سے ہوشیار رہے۔ راہل ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کر دیتا ہے۔ آج کل اُس نے رام گڈھ میں اڈہ بنا رکھا ہے۔ پبلک کو ہوشیار رہنا چاہئے۔"

فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس تحریر کے ساتھ ایس۔ پی کو دے دی۔

"یہ اشتہار جتنی جلد ممکن ہو سکے چھپوا کر بٹوا دو۔" فریدی نے کہا۔

ایس۔ پی نے اُسے پڑھا اور حیرت آمیز نظروں سے فریدی کو دیکھنے لگا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے کام کرنے کے طریقے دوسروں سے کچھ الگ واقع ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر میں حکام بالا کو اس کا کیا جواب دوں گا۔" ایس۔ پی بولا۔

"کہہ دینا کہ اس میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے۔"

"مگر یہ راہل ہے کیا بلا اور اس کیس سے اس کا کیا تعلق۔"

"ابھی میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں دیکھو! اس کے علاوہ زبانی افواہیں اڑانے کی کوشش کرو کہ نواب زادہ شاکر کی موت میں بھی اسی راہل کا ہاتھ ہے۔"

"بھئی میرے تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔" ایس۔ پی بے بسی سے بولا۔

"فی الحال کچھ زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ اس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں میرا پہلا قدم ہے۔"

ایس۔ پی خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو اب ہم چلیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اختر الزماں کی بیوی اور صدیق احمد کے پتے بھی دو۔"

ایس۔ پی نے ایک کاغذ پر دونوں کے پتے لکھ کر فریدی کو دے دیئے۔

دلکشا کی طرف واپس جاتے وقت حمید نے فریدی سے کہا۔

"آخر یہ راہل والی بات کیا تھی۔"

"اتنے دن سے میرے ساتھ ہو مگر ابھی تک عقل نہ آئی۔" فریدی نے کہا۔ "ارے میاں صاحبزادے اگر یہ نہ کرتا تو جابر سے ہاتھ دھو لینے پڑتے۔ تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ مجرموں کو

دھوکے میں مبتلا کر کے کام کرتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جابر اس مرتبہ بھی دھوکہ کھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلا کا ذہین ہے لیکن شاید قابو میں آ ہی جائے۔"

"آپ کے لہجے میں مایوسی ہے۔" حمید بولا۔

"ہاں...... جابر کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ یقین جانو میں خود کو اس کے سامنے طفل مکتب سمجھتا ہوں۔ بھیس بدلنے کے معاملے میں وہ تو اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"تب تو اللہ ہی مالک ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہمیں اپنی جان کا بھی خطرہ ہے۔ معلوم نہیں وہ کب وار کر بیٹھے اور ہمیں اطلاع تک نہ ہو۔"

"خیر اس کی تو کچھ پرواہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ایک سراغ رساں کو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خود کو سراغ رساں سمجھا ہی نہیں۔"

"نہیں تم بہت اچھے سراغ رساں ہو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"خیر...... ہاں...... کیوں نہ لگے ہاتھ صدیق احمد صاحب سے بھی ملتے چلیں۔" فریدی نے کہا۔

دلکشا جانے کے بجائے دونوں البرٹ روڈ کے چوراہے پر مشرق کی طرف مڑ گئے۔ صدیق احمد کا بنگلہ ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ بنگلے کے سامنے ایک خوبصورت سا پائیں باغ تھا جس میں جا بجا کبوتر خانے بنے ہوئے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا وجیہہ آدمی سفید قمیض پہنے کھڑا ایک کبوتر کے پنجے دیکھ رہا تھا۔

"کیا جج صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اوں......!" کہہ کر وہ اس طرح چونکا کہ کبوتر ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔

وہ فریدی اور حمید کو سوالیہ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"ہم لوگ جج صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بارعب آواز میں بولا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگا۔ "فرمایئے۔"

"اوہ...... تو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خوشی تو مجھے بھی ہوئی۔ مگر آپ ہیں کون۔" صدیق احمد بادل ناخواستہ ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔ "اور یہ ہیں میرے دوست حمید احمد...... ہم دونوں بغرض سیاحی آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا مجھ سے کوئی کام ہے۔"

"جی نہیں...... بات یہ ہے کہ مجھے بھی کبوتروں سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔"

"ضرور ہوگی۔" جج صاحب لاپروائی سے بولے۔

"میرے ایک دوست نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا ہوگا......!"

"آپ کے یہاں شیرازی پاموز بکثرت ہیں۔" فریدی نے جالی کے بنے ہوئے کبوتر خانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... ہیں تو......!"

"اور میرا خیال ہے کہ ایسے پاموز شاید ہی یہاں کسی کے پاس ہوں۔"

"چاپلوسی بند۔" جج صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس برباد کرنے کے لئے فالتو وقت نہیں۔ میں اپنے ملنے والوں کو باقاعدہ وقت دیا کرتا ہوں۔"

"بہت بہتر......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو پھر ہم لوگ کب حاضر ہوں۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کوئی ایسی جلدی نہیں...... ہم یہاں گرمیوں بھر قیام کریں گے۔"

"مجھے گرمیوں بھر فرصت نہیں رہے گی۔" جج صاحب جھنجھلا کر بولے۔

"تو پھر ہمیں مجبوراً جاڑوں میں بھی یہیں قیام کرنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"عجیب آدمی ہیں آپ۔"

"بہرحال...... میرے ایک دوست نے ایک صاحب کا پتہ اور دیا تھا غالباً اُن کے پاس آپ کے کبوتروں سے بہتر کبوتر ہیں۔" فریدی نے واپس ہونے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

"کون صاحب ہیں وہ۔"

"نواب زادہ شاکر صاحب۔"

"شاکر......!" جج صاحب مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگ یہاں کب آئے ہیں۔"

"کل......!"

"اسی لئے شاکر سے ملنے جا رہے ہیں۔" جج صاحب نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تم لوگوں کو اس کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تم کیوں سمجھنے لگے...... سمجھو گے اس وقت جب ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوں گی۔"

"یعنی......!"

"چور کہیں کے۔" جج صاحب گرجے۔

"ذرا تمیز سے بات کیجئے۔" حمید آپے سے باہر ہو کر بولا۔

"خاموش رہو بھائی...... جج صاحب غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی حمید کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

"تم لوگوں کی دیدہ دلیری اور سینہ زوری تمہیں ہرگز نہ بچا سکے گی۔"

"میرے کاسنی پاموز کی مادہ جس کے سر پر سفید چوٹی ہے تمہیں لے گئے ہو اور اب شاید جوڑا پورا کرنا چاہتے ہو۔ اتنا یاد رکھو کہ میں پولیس کے حوالے کئے بغیر نہ مانوں گا۔" جج صاحب نے بدستور پستول تانے ہوئے کہا۔ "یا تو پھر اُسے واپس کر دو۔"

فریدی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا جو کھڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"شاید آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں حمید...... جج صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے ابھی تھوڑی دیر قبل ایک سفید چوٹی دار کاسنی پاموز نہیں دیکھا تھا۔" فریدی نے حمید سے پھر کہا۔ پھر جج صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن جج صاحب مجھے افسوس ہے کہ اس وقت آپ کا وہ کبوتر سپرنٹنڈنٹ

پولیس مسٹر ماتھر کے پاس ہے۔"

"فضول بکواس کے لئے میری پاس وقت نہیں۔" جج صاحب گرج کر بولے۔ "میں کہتا ہوں سیدھی طرح بتادو...... ورنہ کیا فائدہ۔"

"اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ ان کے بنگلے تک چلئے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک چور مجھے ایس۔ پی کے بنگلے پر لے جارہا ہے۔"

"آپ چل کو تو دیکھئے۔"

"خیر میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانے کا عادی ہوں۔" جج صاحب نے کہہ کر نوکر کو آواز دی۔

"ذرا ڈرائیور سے کہنا کہ اسٹیشن ویگن تو نکالے۔"

جج صاحب نے فریدی اور حمید کو اسٹیشن ویگن میں بٹھایا۔ تین نوکر ساتھ لئے اور مسٹر ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئے۔

ماتھر صاحب شاید آفس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ برآمدے ہی میں تھے کہ یہ لوگ پہنچ گئے۔ فریدی اور حمید کو اس حالت میں دیکھ کر کہ جج صاحب ان کے پیچھے پیچھے ریوالور تانے چل رہے تھے ماتھر صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

"ارے اس کا کیا مطلب......!" ماتھر صاحب بولے۔

"یہ دونوں چور مجھے آپ کے پاس لائے ہیں۔" جج صاحب بولے۔

"چور......!" ماتھر صاحب کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"ہاں...... انہوں نے میرا ایک کبوتر چرایا ہے اور مجھے یہ کہہ کر یہاں لائے ہیں کہ وہ آپ کے پاس ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ماتھر صاحب بولے۔ "یہ دونوں میرے دوست ہیں۔"

"دوست......!" جج صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں... یہ ہیں ملک کے نامور جاسوس انسپکٹر فریدی اور یہ ان کے اسسٹنٹ مسٹر حمید۔"

"ارے......!" جج صاحب اچھل پڑے۔ "تب تو بڑی غلطی ہوئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر ماتھر صاحب سے بولا۔ "ذرا وہ کبوتر تو منگواؤ۔"

کبوتر کا پنجرہ دیکھتے ہی جج صاحب اچھل پڑے۔

"یہی ہے بالکل یہی ہے۔" وہ بیساختہ بولے۔

"لیکن ابھی آپکی خوشی خوف میں تبدیل ہو جائے گی۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"اس کبوتر کو ایک شخص کی جان لینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔"

"ہائیں......!" جج صاحب اچھل کر بولے۔

فریدی نے شروع سے آخیر تک سارے واقعات بتانے شروع کئے۔

جج صاحب کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے ان واقعات کا کوئی علم نہیں۔ رام گڈھ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ میں شروع سے ایماندارانہ زندگی بسر کررہا ہوں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر اسکی موت سے مجھے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اُس کے اعزہ میں کوئی ایسا ہے جس کو اس کی موت سے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"ہے تو......!" جج صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کرنا کم از کم میرے امکان میں تو نہیں۔"

"کون ہے۔"

"اس کی چچازاد بہن...... نواب اخترالزماں کی بیوہ۔"

"تو اس پر شبہ نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو آپ اُس سے مل کر ہی محسوس کر سکیں گے۔"

"خیر...... دیکھا جائے گا...... یہ بتایئے کہ یہ کبوتر آپ کو ملا کہاں سے تھا۔"

"میں نے ایک شخص سے پورا جوڑا خریدا تھا۔"

"تو کیا دوسرا ابھی آپ کے پاس موجود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

جج صاحب نے یہ سنتے ہی نوکروں کو دوسرا کبوتر لانے کے لئے بھیج دیا۔

"وہ شخص کہاں رہتا ہے جس سے آپ نے کبوتر خریدے تھے۔" فریدی نے جج صاحب سے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا...... وہ کبوتر لے کر میرے پاس آیا تھا...... کبوتر اتنے اچھے تھے کہ میں نے اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔"

"اس کا حلیہ یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں...... ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ لیکن کافی توانا تندرست اور قد آور تھا۔ مفلوک الحال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن انداز گفتگو سے پڑھا لکھا اور شریر معلوم ہوتا تھا گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ناک کے پاس ایک بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ بولنے میں کچھ ہکلاتا بھی تھا۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جج صاحب کے نوکر کبوتر لے کر آ گئے۔ فریدی نے جیب سے چمڑے کے دستانے نکالے اور انہیں پہن کر کبوتر کے پنجوں کا جائزہ لینے لگا۔

"اس کے پنجوں میں کچھ نہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی نے جج صاحب سے اور بھی بہتیرے سوالات کر ڈالے۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس نے جج صاحب کو بھی مشکوک لوگوں کی فہرست میں داخل کر لیا اور انہیں کبوتروں کے متعلق زبان بند رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

جان پہچان والے

اُسی دن شام کو فریدی اور حمید نواب اختر الزماں کی کوٹھی میں موجود تھے۔ خدمت گار نے ان کا استقبال کر کے انہیں ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھے بیگم صاحب کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک دروازے میں لٹکے ہوئے ریشمی پردے کو جنبش ہوئی اور ایک نازک اندام نوجوان عورت اُن کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی چمپئی رنگت پر ریشم کی سفید ساری

بہت زیادہ کھل رہی تھی۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں باریک اور گہرے سیاہ ابروؤں کے نیچے جادو سا جگاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اوپری ہونٹ میں اوپر کی طرف ہلکا سا گھماؤ تھا۔ کانوں کی لوؤں کے قریب رخساروں کا سلگا سلگا سا اُبھار بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ابھی وہاں سے لذتوں کے سوتے اُبل پڑیں گے۔ دونوں اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے مترنم آواز میں کہا۔

فریدی اور حمید بیٹھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ حد درجہ شرمیلی تھی۔ فریدی سے آنکھ ملتے ہی اُس کے چہرے پر گہری سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ گفتگو کرتے وقت اپنی نظریں زیادہ تر نیچی ہی رکھتی تھی۔

"میں ایک بہت ہی غمناک واقعے کی یاد دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

عورت نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں نواب زادہ صاحب کی افسوس ناک موت......!"

"تو کیا آپ اُن کے کوئی دوست ہیں۔" عورت بولی۔

"جی نہیں...... ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں کئی بار پولیس والوں کو بیان دے چکی ہوں۔" عورت کچھ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"آپ میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینے کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ میں تو آپ سے ان کے چند نجی معاملات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بشرطیکہ آپ خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔"

"بھلا میں اُن کے نجی معاملات کے بارے میں کیا بتا سکوں گی۔"

"مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اُن کی سگی چچازاد بہن ہیں۔"

"آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔" عورت بولی۔ "اور میں بار بار اُن کے غم کو تازہ نہیں کرنا چاہتی۔" عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں واقعی آپ کو تکلیف دے رہا ہوں...... مگر کیا کروں مجبوری ہے۔"

"جو کچھ پوچھنا ہو پوچھئے...... اگر مجھے علم ہو گا تو ضرور جواب دینے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا اس دوران میں مرحوم نے اپنی شادی کی کوشش کی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

عورت چونک پڑی۔

"شادی۔۔۔۔!" وہ فریدی کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"کیا آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔"

"اگر مجھے اس کا علم نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے اور ان کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔"

"اگر آپ کو اس سوال سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"مجھے یہ خیال دراصل اس لئے پیدا ہوا کہ یہاں آپ کے علاوہ اُن کا اور قریبی عزیز نہیں تھا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ انہوں نے آپ سے مشورہ لیا ہو۔"

"اگر اُن کا ایسا خیال تھا تو مجھے خود حیرت ہے۔ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔"

"مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی شادی کی فکر میں تھے۔"

"ممکن ہے رہے ہوں۔"

"اور میرا ذاتی خیال ہے کہ انہوں نے خودکشی کی۔"

"خودکشی۔۔۔۔۔!" عورت چونک کر بولی۔

"جی ہاں۔۔۔۔۔!"

"مگر خودکشی کی وجہ۔"

"محبت میں ناکامی۔۔۔۔۔!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"جس لڑکی سے وہ شادی کرنا چاہتے تھے شائد اس نے انکار کر دیا تھا۔"

"اوہ۔۔۔۔۔!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"مجھے سخت حیرت ہے کہ مجھے اس کی اطلاع نہ ہو سکی، ورنہ ان کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرتی۔"

"یہ دل کا معاملہ ہے بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔ وہ لڑکی ان کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی تو آپ بھی کیا کر سکتی تھیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" عورت بولی۔ "میں اس لڑکی کا نام اور پتہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے خود ابھی تک اس کا نام اور پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

''تب تو یہ مجھے افواہ ہی معلوم ہوتی ہے۔'' عورت بولی۔ ''شاکر صاحب خودکشی نہیں کر سکتے اور وہ بھی ایک عورت کے لئے۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کیونکہ میں نے اُن کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فلسفی قسم کے آدمی تھے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

"آپ کے علاوہ ان کا کوئی اور بھی قریبی عزیز ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو اُن کی جائیداد بھی۔۔۔۔۔!"

"جی ہاں مجھے ہی ملے گی۔" عورت اُس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "اور یہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید مجھ سے اتنی مرتبہ سوالات نہ کئے جاتے۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی ورنہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں۔"

"کچھ آپ ہی پر منحصر نہیں۔۔۔۔ بہتیرے یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے اُن کی جائیداد کے لالچ میں انہیں زہر دلوا دیا ہے۔"

''میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہ خودکشی کا کیس ہے۔'' فریدی جلدی سے بولا۔

"لیکن میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"پھر آخر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خیال قائم کروں۔"

"اُن کا کوئی دشمن۔"

"وہ ایسے آدمی ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کا دشمن ہو سکے۔"

"خیر بہر حال یہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں کسی بھاری بھرکم قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بیگم صاحبہ ہیں۔" کسی نے برآمدے میں پوچھا۔

اور پھر کمرے کے دروازے پر ایک قد آور صحت مند آدمی دکھائی دیا۔ چہرے کے خطوط کافی حد تک دلآویز تھے۔ باریک ترشی ہوئی گہری سیاہ مونچھیں اُس کے سرخ و سپید چہرے پر ایک دلکش اضافہ تھیں۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی، لیکن ظاہری صحت کے اعتبار سے وہ اصل عمر سے کچھ کم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کے ہلکے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے نہایت موزوں تھا۔ بہر حال وہ لباس کے معاملے میں کافی خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔

عورت اُسے دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔ فریدی اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"آیئے آیئے...... کنور صاحب۔" عورت بولی۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے۔" نووارد نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دیدہ دانستہ ان کی طرف سے لاپروائی برتنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کچھ اور پوچھنا ہے آپ لوگوں کو۔" عورت بولی۔

فریدی اس کا مطلب سمجھ گیا۔

"جی نہیں.... تکلیف دہی کی ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!" نووارد بولا۔

"پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اوہ......!" اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

حمید فریدی برآمدے میں نکل آئے۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک کار کمپاؤنڈ کے اندر داخل ہوئی۔ فریدی اور حمید ایک طرف ہو گئے۔

"ارے...... فریدی۔" کسی نے کار کے اندر سے کہا اور فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

"ارے آپ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کار سے نواب رشید الزماں اور غزالہ اتر رہے تھے۔

"آپ یہاں کہاں۔" غزالہ اپنی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"شاکر کی موت کی خبر سنی تھی، کیا بتاؤں بہت نیک لڑکا تھا۔ سعیدہ غزالہ کی سہیلی ہے۔ غزالہ نے مجبور کیا کہ ماتم پرسی کے لئے چلنا چاہئے۔ ویسے یوں بھی اس بار میرا ارادہ رام گڈھ آنے کا تھا، لیکن تم یہاں کیسے؟"

"شاکر کی موت کی بارے میں کچھ اطلاعات بہم پہنچانے آیا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو کیا تم اس کام کے لئے خاص طور پر بلائے گئے ہو۔"

"جی نہیں...... اپنے ایک دوست کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"کچھ پتہ چلا۔"

"جی نہیں...... معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آتا ہے۔"

"یہ بھی عجیب حادثہ ہوا ہے۔" غزالہ بولی۔

ابھی یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ برآمدے میں سعیدہ کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ پہلے تو وہ کچھ دیر تک انہیں گھورتی رہی پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اُن کے قریب آئی۔

"جناب والا...... غالباً میرے مہمانوں کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ فریدی کو مخاطب کر کے تیز لہجے میں بولی۔

"ارے...... ارے بھئی۔" نواب صاحب بولے۔ "یہ تو اپنا فریدی ہے۔"

"فریدی...... کیا مطلب......!" سعیدہ چونک کر بولی۔

"احمد کمال فریدی.... میرے ایک مرحوم دوست کی نشانی اور ایشیا کا مشہور ترین سراغ رساں۔"

سعیدہ تھوڑی دیر تک فریدی کو حیرت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

"مجھے اپنے رویہ پر ندامت ہے...... بھلا میں کیسے جان سکتی تھی کہ آپ کون ہیں جب کہ آپ لوگوں نے اپنا مکمل تعارف ہی نہیں کرایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں...... میں نے آپ سے شکایت تو کی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غزالہ سے میں نے آپ کی کافی تعریف سنی ہے......اور آپ واقعی میں بھی تعریف کے قابل ہیں۔" سعیدہ نے کہا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں سعیدہ کی طرف برابر لگی رہیں۔ سعیدہ کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی آثار نہ تھے۔ نواب رشید الزماں اس گہرے سکوت سے تنگ آکر بولے۔

"اچھا میاں اب تم جاؤ...... مگر شام کا کھانا ساتھ ہی رہے گا۔ کیوں بیٹی سعیدہ۔"

"جی ہاں...... مجھے معلوم نہ تھا کہ فریدی صاحب اور آپ لوگوں کے تعلقات ایسے ہیں......ورنہ میں خود ہی پیش قدمی کرتی۔" سعیدہ کے الفاظ میں خوشگواری اور مصنوعی اخلاق کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے۔ مگر فریدی نے اُن کا کوئی اثر نہ لیا۔

برآمدے میں کنور صاحب کو دیکھ کر سعیدہ نے غزالہ سے کہا۔

"آؤ بہن چلیں...... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"تو پھر...... فریدی صاحب آپ ضرور آرہے ہیں۔" غزالہ نے مڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... فریدی صاحب تو ضرور آئیں گے...... یہ ہیچمنداں نہ حاضر ہو سکے گا۔"

حمید نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا کہ سعیدہ بھی بے اختیار ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے اس کی نگاہ کنور صاحب پر پڑی۔ وہ ٹھٹکی اور پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھی، غزالہ کے ٹہوکے پر اُس نے منمناتے ہوئے کہا۔ "ابھی بتاتی ہوں، مری کیوں جارہی ہے۔"

نواب رشید الزماں بھی برآمدے کے قریب آچکے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا، فریدی اور حمید دروازے سے باہر جا چکے تھے۔

کنور ظفر علی خاں

ادھر اُدھر کی بات چیت کے بعد غزالہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ کنور صاحب کون ہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے اس سے پیشتر

میں نے کبھی ان کو تمہارے یہاں نہیں دیکھا اور نہ اختر بھائی کے دوستوں میں ایسے کوئی کنور صاحب تھے۔"

سعیدہ سنتی رہی اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔

"یہ تمہارے اُن کے بہت پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلد تم سے انہیں ملادوں۔ وہ کچھ جھکی آدمی ہیں۔ شائد تم ان سے مل کر خوش بھی نہ ہو سکو۔ شاکر بھائی مرحوم اور کنور صاحب سے ایک معمولی سی کتاب پر جھگڑا ہو گیا تھا۔"

آخری جملہ کہتے کہتے اُسے احساس ہوا جیسے وہ کوئی ایسی بات کہہ گئی ہو جو اُسے نہ کہنا چاہئے تھی۔

اپنے ساتھ غزالہ کو لئے ہوئے وہ بڑھی۔ نوکر سے معلوم ہوا کہ کنور صاحب اس کی آٹھ سالہ بچی ریحانہ کے ساتھ پائیں باغ میں کھیل رہے ہیں۔

غزالہ اور سعیدہ جب پائیں باغ میں پہنچیں...... کنور صاحب ریحانہ کو گود میں اٹھائے ہوئے ناچ رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار تتلیاں اور بھونرے پکڑ رکھے تھے اور اُن سب کو ڈورے سے باندھ رکھا تھا اور سب ڈوروں کا آخری سرا اُن کی گردن سے بندھا ہوا تھا۔ اُن کے ناچنے کے ساتھ ساتھ تتلیاں بھی ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ معصوم ریحانہ اس کھیل سے بہت خوش تھی۔

سعیدہ اب تک خاموش تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "غزالہ...... آؤ تمہیں کنور صاحب سے ملادوں۔"

"ہاں کنور صاحب...... آپ سے ملئے۔ آپ میری عزیز ترین سہیلی غزالہ خانم اور آپ ہیں کنور ظفر علی خاں۔ اُن کے قدیم جگری دوست اور میرے بہت بڑے ہمدرد اور سہارا۔" کہتے کہتے اُس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

کنور صاحب نے سعیدہ اور غزالہ کی طرف دیکھا اور قدرے خشک اور دکھے لہجے میں بولے۔ "چلئے گھر میں چل کر بیٹھیں۔ شام کو آپ کے کچھ مہمان بھی شاید آئیں گے۔"

شام کے کھانے پر حمید اور فریدی مدعو تھے۔ قاعدے کے مطابق انہیں رات سات بجے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مگر ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مجبوراً نواب رشید الزماں نے سعیدہ سے کہا۔ "اب انتظار فضول ہے...... کھانا لگوادو...... خود اپنے ہاتھ سے مرغ پکایا تھا۔ مگر اُن سبھوں کی قسمت ہی میں نہ تھا۔ پھنس گئے کہیں۔"

کھانا میز پر لگا دیا گیا تھا۔ نواب رشید الزماں...... مرغ کی ٹانگ کاٹ کر علیحدہ ہی کرنا چاہتے تھے کہ جھناک کی آواز کے ساتھ کمرے کے سب بلب ٹوٹ کر زمین پر آ رہے۔ ایک بلب نواب صاحب کی بے حد مرغوب ڈش شاہ پسند دال میں گرا اور گرم گرم دال ان کے چہرے پر پڑی۔

فائر کی پہلی چھ آوازوں کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بالکل سناٹا ہو گیا۔ نواب صاحب نے دیکھا کہ دو شخصوں نے سعیدہ اور غزالہ کے منہ بند کر رکھے تھے اور انہیں اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ وہ چیخے مگر چیخ نکلنے سے پہلے ہی اتنے زور کا وار اُن کے اوپر پڑا کہ وہ تیورا کر گر پڑے۔ ہلکی ہلکی دھندلی دھندلی شکلیں اُن کے سامنے سے گذریں۔ اُن میں سے ایک فریدی کی بھی تھی۔ اُن کا ہاتھ اٹھا اور پھر گر پڑا۔

کنور صاحب اس حادثہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ بڑبڑا کر اٹھے اور قبل اس کے وہ کچھ کر سکیں ان کے سینہ پر پستول لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں سامنے والے آدمی نے کہا۔ "خبردار اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا...... چپ چاپ کھڑے رہو۔"

آواز انہیں کچھ مانوس سی معلوم ہوئی۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ صبح والا انسپکٹر فریدی انہیں گھور رہا تھا۔

اتنے میں ان کے ساتھی نے آ کر کہا۔ "استاد کام ہو گیا۔ اب چلنا چاہئے۔"

"اچھا...... کنور صاحب ایسے ہی کھڑے رہئے۔ اگر ذرا بھی جنبش ہوئی تو نہ صرف آپ ختم ہو جائیں گے بلکہ یہ لڑکی بھی اس دنیا میں نہ رہے گی۔" فریدی نے ریحانہ کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ معصوم لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اُس کا بھولا چہرہ اس اندھیرے میں بھی روشن تھا۔ اُس آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "کنور صاحب اپنی اندر کی جیب میں رکھا ہوا کاغذ مجھے دے دیجئے۔ نوابزادہ شاکر کی موت کے سلسلے میں یہ کاغذ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کاغذ مجھے دے دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کیمیا بنانے والی کتاب نوابزادہ کی قبر سے نکال لاؤں گا۔ آپ غریب نوابزادہ کے قاتل ہیں۔ آپ نے اُن کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کاغذ مجھے دے دیں یہ سب راز میرے سینے میں دفن رہیں گے۔"

"وہ کاغذ میرے پاس نہیں ہے۔" کنور صاحب نے ہکلا کر جواب دیا۔

"اچھی بات ہے...... میں خود ہی نکالے لیتا ہوں۔" وہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے بڑھا۔ کنور صاحب کی جیب سے ایک سنہری دستہ کا چاقو ایک رومال اور ایک ربر کی بلی نکلی۔ کاغذ کا پتہ نہ تھا۔ مایوسی ظاہر کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اُس نے آخری بار کہا۔

"کنور صاحب...... نوابزادہ شاکر کے سوتیلے بھائی...... لیفٹیننٹ باقر آ گئے ہیں۔ آپ کی سعیدہ ایک حبہ نہ پا سکے گی۔ خیر فی الحال وہ میرے ساتھ جا رہی ہے۔ میرے اسسٹنٹ حمید نے اُسے پسند کر لیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ دار ہیں۔ مگر آگاہ کرنا فرض ہے۔ اگر میرا یا حمید کا نام کبھی آپ کی زبان پر آیا یا میرے آج کے واقعہ کا ذکر چھڑا...... تو کیمیا کی کتاب کی دفتی پر لکھی ہوئی عبارت عدالت میں پیش کر دی جائیں گی اور خودکشی کا یہ کیس قتل کا مقدمہ بن جائے گا...... خدا حافظ۔"

وہ جا چکا تھا۔ کمرے میں اب بالکل سناٹا تھا۔ کنور صاحب نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا اور بھیانک پستول سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ ریحانہ بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا بدستور تھا۔ انہوں نے نوکروں کو آوازیں دیں، مگر اُن میں سے کوئی نہ بولا۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور دھائیں.... ٹھٹھک کر کے انہوں نے دوسری طرف قدم بڑھایا اور پھر ویسی ہی آواز سنائی دی۔

"معلوم ہوتا ہے پٹاخے بچھے گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کسی طرح وہ دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا...... چٹخنی کھول کر وہ باہر آئے۔ روشنی میں آتے ہی انہوں نے چیخ کر نوکروں کو بلایا۔ مگر کوئی نہ بولا...... تنگ آ کر وہ اُن کے کمروں کی طرف گئے۔ ہر ایک میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لاکھ جگانے پر بھی وہ نہ جاگ سکے۔ مجبوراً انہیں نوکروں کا خیال ترک کرنا پڑا۔ اُن کا خیال تھا کہ غالباً کنکشن کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے برآمدے کا سوئچ دبایا برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔ اسی روشنی کے سہارے وہ کمرے میں پھر آئے۔ نواب صاحب اور ریحانہ کو وہاں سے اٹھانے کے بعد انہوں نے فون اٹھایا۔

پولیس دفتر میں سب انسپکٹر نے پوچھا۔ "ہیلو کون ہے۔"

کنور صاحب نے کہا۔ "میں کنور ظفر علی خاں ہوں، اختر لاج سے بول رہا ہوں۔ فوراً آئیے ماتھر صاحب ہیں۔" جواب ملا۔ "نہیں...... "اچھا سنئے اگر فریدی صاحب اور حمید صاحب ہوں

توانہیں بھی لیتے آئیے گا۔"

مگر وہ لوگ سات بجے سے غائب ہیں۔"ہوں" کہہ کر انہوں نے فون رکھ دیا۔

پولیس انسپکٹر بمل مکرجی کے آنے تک کنور صاحب اپنی ذہنی الجھنوں پر قابو پا چکے تھے۔وہ بار بار یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں انہوں نے دھوکا تو نہیں کھایا۔مگر وہ شکل بالکل انسپکٹر فریدی کی تھی۔اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ انسپکٹر فریدی نہیں تھا تو آخر مجھے وہ منع کیوں کر گیا......اگر فریدی نہ ہوتا تو......وہ مجھے منع نہ کرتا......وہ اگر فریدی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا......

انسپکٹر فریدی ایشیا کا مشہور اور ہر دلعزیز سراغ رساں اور......لٹیرا......؟ یہ نہیں ہو سکتا۔"

آخر کار انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ سب انسپکٹر کو یہ بتا دیں کہ اس شخص کی شکل بالکل فریدی سے ملتی تھی۔

مسٹر مکرجی کو پورا بیان لکھوانے کے بعد انہوں نے کہا۔"میں نے اُسے دیکھا تھا۔اُس کا حلیہ اور شباہت......"اُن کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور سامنے کی کارنس پر سے ایک کبوتر پھڑ پھڑا کر گرا اور مر گیا۔کنور صاحب رک گئے۔اُن کے لئے یہ خطرہ کا سگنل تھا۔

"ابھی تک وہ موجود ہے۔"دل ہی میں انہوں نے فریدی کو ایک موٹی سی گالی دی۔سامنے تڑپ کر مرنے والے کبوتر میں انہیں خطرہ کی جھلک نظر آئی۔انسپکٹر مکرجی گولی کی آواز ہی کے ساتھ سپاہی بھیج چکا تھا اور جب سپاہیوں نے آکر یہ رپورٹ دی کہ کوئی نہیں ہے تو انہوں نے سپاہی چاروں طرف پھیلا دیئے اور پھر کنور صاحب کی طرف مخاطب ہوئے۔"آپ بیان جاری رکھیں......مگر ٹھہرئیے......یہ کبوتر......؟ مگر یہ پالتو نہیں جنگلی ہیں۔"

"جی ہاں......ان کبوتروں کو "شگون" کے خیال سے رہنے دیا تھا۔"کنور صاحب بولے۔

انسپکٹر مکرجی نے پھر کہا۔"ہاں وہ بیان لکھا رہے تھے۔اُس آدمی کا حلیہ......!"انہوں نے قلم اٹھایا۔"جی وہ لمبا سا تندرست آدمی تھا۔بھیانک اور ناک کے پاس ایک تل تھا۔"غیر شعوری طور پر کنور صاحب کے منہ سے نکل گیا۔

انسپکٹر نے بیان نوٹ کیا۔حفاظت کے لئے سپاہی چھوڑ کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی واپسی کا یقین دلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

مصنوعی بیوی

سعیدہ کے گھر سے واپسی پر ہی حمید کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے تھے کہ آخر وہ کنور صاحب کون تھے؟ سعیدہ کی اکھڑی اکھڑی گفتگو نے اُسے یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ بہر حال شاکر کے قتل میں کہیں نہ کہیں سعیدہ کا ہاتھ ضرور ہے،اس کے باوجود بھی اس کے ذہن میں سعیدہ کی تصویر ناچنے لگتی تھی،مگر پھر بھی اس میں بے پناہ جنسی کشش تھی۔اس کے کان کی لویں......اس کے تمتماتے ہوئے رخسار......اور سب سے بڑھ کر سڈول کندنی کلائیاں......وہ گم ہو گیا۔خاموشی سے اکتا کر اس نے فریدی سے پوچھا۔"سعیدہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"غنیمت ہے تمہارے لئے......!"فریدی طنزیہ بولا۔

"نہیں......نہیں......کس خچر کے پٹھے کا خیال بھی اس طرف گیا ہو۔میں تو شاکر کے قتل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"حمید کچھ جھینپتے ہوئے بولا۔

"تم نے کچھ کچھ تو ٹھیک ہی سوچا ہے......بہر حال شاکر کے گھر چل رہے ہیں،شاید کوئی کام کی بات نکل آئے۔"

شاکر کی کوٹھی پر پولیس کا سخت پہرہ تھا۔پوچھ گچھ پر معلوم ہوا کہ کوئی صاحب لیفٹیننٹ باقر تشریف لائے تھے اور اپنے کو سوتیلا بھائی بتا گئے ہیں۔آج رات میں وہ بمبئی جا رہے ہیں اور پرسوں تک واپس آ جائیں گے۔عدالت سے وہ حکم امتناعی شاکر کی وراثت کے سلسلے میں نکلوا چکے ہیں۔اس کی اطلاع شاید سعیدہ خاتون کو مل چکی ہو گی۔

اتنی باتیں جاننے کے بعد فریدی گھر میں داخل ہوا۔لائبریری میں دو ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ان میں سے تھوڑی سی تعداد انگریزی اور اردو کے شعراء پر مشتمل تھی،بقیہ علم

الحیوانات، نباتات جمادات، کیمیا، سیمیا، فلسفہ قدیم و جدید پر کتابیں مشتمل تھیں۔ کبوتروں کی پہچان، کبوتروں کے فوائد پر ایک بڑا سا قلمی نسخہ تھا۔ کتابیں کچھ جرمن، کچھ فرنچ کچھ لاطینی زبان میں تھیں۔ سامنے ایک بڑا سا سیف تھا میز پر روح اور اس کی ماہیت کے عنوان سے ایک کتاب پڑی تھی۔ کتاب کی جلد پر "کنور ظفر علی خاں" کا نام درج تھا۔ اندر کا ایک صفحہ پھٹا ہوا تھا۔

فریدی چونکا اور چشم زدن میں وہ اس کی جیب کے اندر تھا۔ حمید خاموشی سے اپنے استاد کا طریق کار دیکھ رہا تھا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ آخر اس الٹ پلٹ کا مطلب کیا ہے اور اس سے کیا نتیجہ بر آمد ہو سکتا ہے۔

فریدی سے جھلا کر اس نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کتابیں خونی ہیں۔"

"اوں...... ہوں...... ہاں بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے اپنی الٹ پلٹ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... دیکھئے...... اُس موٹی سی کتاب نے اپنے پنجوں سے شاکر کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ مر گیا...... مگر...... مگر...... یہ کیا......!" جھلاہٹ میں ایک موٹی سی کتاب الٹتے ہوئے حمید نے یہ جملے کہے تھے۔ مگر وہ کتاب بالکل سادی تھی۔ البتہ بیچ بیچ میں قلمی خاکے اور تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ خونی پنجہ تھا اور اس کے نیچے کچھ لکھا ہوا تھا، جسے حمید نہ پڑھ سکا۔ اُس نے کتاب اٹھاتے ہوئے فریدی سے کہا۔ "یہ بھوت خانے کا نادر نسخہ دیکھئے......"

فریدی اُسے دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ چیخا۔ "حمید فوراً آؤ۔"

"میں نہیں آتا......!" بھاگتے ہوئے فریدی کے پیچھے اس نے دوڑتے ہوئے کہا۔

فریدی باہر نکلا۔ اُس نے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ کسی شخص کو اندر نہ گھسنے دیا جائے اور پھر تیزی سے پیدل اسٹیشن کی طرف بھاگنے لگا۔

اس تمام کھوج اور تفتیش میں رات کے دس بج چکے تھے۔ کافی رات ہو جانے کی وجہ سے رام گڈھ کا پہاڑی علاقہ سنسان پڑا تھا۔ سڑک پر سوائے حمید اور فریدی کے دوڑنے کی اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اچانک اُن کی رفتار سست ہو گئی۔ سامنے دونوں طرف کے درختوں سے ملا کر رسی باندھ دی گئی تھی۔ کنارے سے بچ کر فریدی نکلا اور ہانپتے ہوئے حمید سے بولا۔

"دشمن کو منہ کی کھانا پڑی...... خدا کے لئے تیز چلو...... اگر بمبئی ایکسپریس چھوٹ گئی تو مصیبت ہی آ جائے گی۔"

دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ اسٹیشن صرف آدھا میل رہ گیا۔ فریدی نے سڑک کے کنارے سے لگے ہوئے کھمبے کی روشنی میں دیکھا۔ گھڑی میں گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایکسپریس گیارہ بج کر پانچ منٹ پر چھوٹتی تھی۔ اُس نے رفتار تھوڑی دھیمی کر دی۔ حمید بیچارہ ہانپ گیا تھا۔ اس کے قدم جواب دے رہے تھے کہ یکایک اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ بیٹھ گیا اور چیخا۔

فریدی مڑا...... قدرتاً احتیاط پسند ہونے کی وجہ سے وہ بیچ سڑک پر تھا تاکہ درختوں کی اوٹ یا سہارا لے کر اُس پر حملہ نہ کیا جا سکے۔ حمید اس کا خیال نہ کر سکا۔ سڑک کے کنارے ایک درخت کی ڈال سے چارپائی باندھ دی گئی تھی اور چارپائی سے دو انسانی صورتیں بندھی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔

"اُفوہ......!" اس کے منہ سے نکلا اور اُس نے حمید سے کہا۔ "میں انہیں اتارتا ہوں...... تم ٹھہرو۔"

چارپائی ایک جھولے کی طرح لٹکا دی گئی تھی اور سعیدہ و غزالہ دونوں اس چارپائی پر رسیوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ اتارنے کے بعد اس نے کوشش کی کہ انہیں ہوش آ جائے، مگر انہیں بُری طرح بے ہوش کیا گیا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ فریدی نے غزالہ اور حمید نے سعیدہ کو لادا اور چلنا شروع کیا۔ وہ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ سعیدہ حمید کے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو پٹخ دیتا مگر فریدی...... دبے لہجے میں اس نے پھر پوچھا۔ "یہ کیا قصہ ہے۔"

"ٹرین میں بتاؤں گا...... یہ سمجھ لو...... ابھی تک ہم بازی نہیں ہارے۔"

اسٹیشن کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی کا ابھی پتہ نہیں تھا۔ مگر سگنل گر چکا تھا......

فریدی نے خوش ہو کر حمید سے کہا۔ "ہم جیت گئے۔ پانچ منٹ بعد دشمن ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔"

"ٹھہرو...... پہلے مجھ سے فیصلہ کر لو۔" ایک بارعب اور گرجدار آواز سنائی دی۔

فریدی نے دیکھا...... بغل سے کنور ظفر علی خاں پستول لئے...... چلے آ رہے تھے۔ اُن کا چہرہ غصہ سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ انہوں نے پھر کہا۔ "انہیں رکھ دو۔"

حمید نے چاہا کہ کم از کم فریدی کی طرف گردن گھما کر دیکھ سکے...... مگر کنور صاحب نے دیکھ لیا۔

"تم سب بدمعاش ہو...... میں آج تمہیں شوٹ کردوں گا...... فریدی صاحب..... اب وہ اکڑ کہاں گئی۔"

فریدی خاموشی سے کنور صاحب کی طرف دیکھتا رہا۔ "بدمعاش۔" کا لفظ سنتے ہی حمید نے جھلا کر چاہا کہ بڑھ کر کنور صاحب کا گلا گھونٹ دے مگر کنور صاحب نے ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔ "ذرا سی حرکت ہوئی تو فریدی اس دنیا میں نہ ہوں گے۔"

"پھر اُس نے فریدی کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ہاں فریدی صاحب...... تو کل آپ پولیس سے کہہ دیں گے کہ شاکر کا قاتل میں ہوں۔ آپ میری وہ تحریر بھی پیش کردیں گے، جس میں اُسے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ کتاب مجھے نہ دے گا تو میں اُسے مار ڈالوں گا...... ؟ لیکن قبل اس کے کہ آپ کچھ کہہ سکیں میں آپ کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کردوں گا۔"

اچانک گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ اپنی پوری گھڑ گھڑاہٹ اور شور کے ساتھ گاڑی آرہی تھی۔ ریل کی پٹریاں دور سے چمکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

فریدی کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی اور کنور صاحب بے ساختہ پیچھے ہٹ گئے۔ آنکھ جھپکتے ہی پستول فریدی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا...... ان لڑکیوں کو لے جائیے۔ آپ کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حمید جلدی کرو" کہتے ہوئے فریدی نے پھر دوڑنا شروع کردیا۔ اسٹیشن کے سیدھے دروازے کی بجائے اب اس کا رخ ریلوے لائن کی طرف تھا...... گاڑی نے پلیٹ فارم سے حرکت کی۔ ریلوے لائن اور فریدی میں صرف پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

گاڑی پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی...... فاصلہ دس گز...... گاڑی اپنی متوسط رفتار پر تھی...... فاصلہ پانچ گز...... گاڑی فریدی کی بغل سے گزر رہی تھی۔ یک بیک وہ اچھلا اور سامنے سے گذرنے والے اندھیرے ڈبے کے پائیدان پر کھڑا ہو گیا۔ حمید سے اس نے چیخ کر کہا۔ "فوراً کسی ڈبہ میں گھس جاؤ......" اور خود اسی ڈبہ میں کود پڑا۔

حمید جس ڈبہ پر کھڑا تھا اس کی چٹخنیاں اندر سے بند تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر

دیکھا...... ڈبہ کے اوپر بنی ہوئی دو لکیریں ظاہر کررہی تھیں کہ یہ دوسرا درجہ ہے۔ اُس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ سامنے پل آرہا تھا اور دریائے گھاگھرا کے کنارے کراروں کے ٹوٹنے کی پرشور آوازوں کا زور بڑھتا جارہا تھا۔ بھیانک سنسان رات.... اُسے ڈر محسوس ہونے لگا۔ فریدی کے اوپر اُسے غصہ آرہا تھا۔ خود تو مزے سے ہوں گے...... میری بھلا انہیں کیا پرواہ؟ عجیب سنکی آدمی ہے...... دوڑا ڈالا...... بیٹھے بٹھائے مصیبت...... بلاوجہ......" جھلاہٹ میں اس نے کھڑکی پر اتنے مکے برسائے کہ کھڑکی کا ایک خانہ ٹوٹ گیا۔ اندر سے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ڈبہ میں داخل ہو کر اس نے دیکھا...... صرف چار برتھ تھیں۔

ایک طرف ایک موٹی سی عورت جس کی عمر بیس سال سے زائد نہ رہی ہوگی لیٹی ہوئی تھی۔ سامنے ایک صاحب سو رہے تھے۔ ان کے اوپر والی برتھ پر سر سے پیر تک چادر تانے کوئی پڑا تھا۔

البتہ عورت کی اوپری برتھ خالی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں اندھیرا تھا۔ گر لیوٹری کے اندر کی مدھم روشنی غالباً اسی خیال سے گل نہیں کی گئی تھی کہ اندھیرا نہ رہے۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا اور اوپر والی برتھ پر چڑھ گیا۔ تمام راستہ کی تھکان دوڑ اور محنت نے سیکنڈ کلاس کے گدے پر نیند کو آواز دی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا...... گاڑی وندھیاچل کی خوبصورت پہاڑی سلسلے کے درمیان سے گذر رہی تھی۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ وہ عورت اٹھ چکی تھی۔ رات کی اتنی موٹی سی عورت نے نظر اٹھائی اور اُسے مسکراتے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی اور عجیب انداز میں بولی۔ "اب نیچے آؤنا...... ؟" حمید کو بھلا کہاں برداشت...... ؟ اتنی مدت کے بعد ایک شکار ملا تھا؟ کیا وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ وہ فوراً کود پڑا۔

جیسے ہی اُس نے چاہا کہ بیٹھے...... عورت نے کہا۔ "نا...... نا...... پہلے منہ دھو کر چائے پی لو تب پھر باتیں کرنا۔" حمید اس کی اس بے تکلفی پر کچھ کھٹکا۔ مگر سامنے بیٹھے ہوئے بنگالی کو مسکراتے دیکھ کر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی مسکراہٹ کہہ رہی ہو۔ "کیوں بے چغد ڈر گیا نا آخر...... بدھو...... ڈرپوک" اور وہ جھٹ سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ منہ دھو کر جب وہ

باہر نکلا...... عورت تھرماس میں سے چائے نکال رہی تھی۔ رس بھری کی جیلی اور توسٹ ایک طشتری میں رکھے ہوئے تھے۔ بھنے ہوئے آلوؤں کے قتلے دوسری طشتری میں ایک پلیٹ میں سیب کی کچھ قاشیں اور انگور کے دانے پڑے تھے۔ حمید کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شام کو لائبریری میں دو ابلے ہوئے انڈوں اور ایک پیالی چائے کے علاوہ اُسے کچھ نہ مل سکا تھا۔ بیٹھ کر اس نے کھاتے ہوئے کہا کہ۔

"آپ کہاں سے......!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ٹکٹ چیکر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ٹکٹ پلیز......!" وہ ٹکٹ نہ لے سکا تھا۔ سوائے چارج دینے کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ پھر جب چارج ہی دینا ہے تو جلدی کیا ہے۔ کھا کر دے دیں گے، اس نے سوچا اور ٹی ٹی سے کہا۔ "ابھی دیتا ہوں۔"

عورت کی طرف بڑھ کر جب چیکر نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے حمید کی طرف اشارہ کر دیا، جسے حمید نہ دیکھ سکا۔ خوب پیٹ بھر کھانے کے بعد اس نے ٹی ٹی سے کہا۔ "پچھلے جنکشن سے چارج کر لیجئے۔ جلدی میں ٹکٹ نہ خرید سکا۔" چارج شیٹ بنانے کے بعد ٹی ٹی نے کہا۔ "ایک سو سرسٹھ روپے بارہ آنے۔"

"کتنے......!" حمید نے اچھل کر کہا۔ "ذرا دیکھوں کہاں سے چارج کر رہے ہیں آپ...!"

"جی......جبلپور سے......دو آدمی......سیکنڈ کلاس......!" ٹی ٹی بولا۔

"دو کون......!" حمید غرایا۔

"آپ اور آپ کی......یعنی کون ہیں یہ آپ کی......!" ٹی ٹی نے کہا۔

"دھرم پتنی......" عورت کچھ جھینپتے ہوئے بولی۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"ارے ٹی ٹی صاحب کو پان پتہ کے لئے کچھ دے دو......اتنا نہ لیں گے۔"

حمید کو جیسے ہزاروں بچھوؤں نے ڈنک مار دیا۔ بٹوے میں صرف ایک سو پانچ روپے اور زبردستی کی بلا الگ سر پر۔

اُس نے بپھرتے ہوئے کہا۔ "یہ عورت جھوٹی ہے......میرا اس سے کوئی ناطہ نہیں۔"

بنگالی بابو جوش میں کھڑے ہو گئے۔ "شرم نہیں آتا......اپنی استری چھوڑتا ہے......

چھی تھو......!"

اوپر والا آدمی وہیں سے لیٹے لیٹے بولا۔ "اگر بیوی نہیں تو پھر کون ہے......ابھی تو ساتھ بیٹھ کر کھا رہا تھا......کہتا ہے کوئی ناطہ نہیں......چار سو بیس۔" گاڑی اب اسٹیشن پر پہنچ رہی تھی۔ ٹی ٹی نے ڈانٹ کر عورت سے پوچھا۔ "سچ سچ بتا تیرا یہ کون ہے۔"

"ہائے......ہائے......ٹی ٹی صاحب......میرے پتی ہیں۔ پرسوں ہمارا......!" وہ کچھ روتے ہوئے بولی۔ "لو میرے پیر دیکھ لو۔" اس کے رنگے ہوئے پیر اور چاندی کے چھلے گواہی دے رہے تھے کہ ابھی ابھی اس کی شادی ہوئی ہے۔

اس نے پھر حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "روپے کے ڈر سے کنگن بھی چھپا دیئے۔"

"ہاں......ہائے میری تقدیر پھوٹ گئے۔" کہتے ہوئے اس نے زور زور سے چلا کر رونا شروع کر دیا۔ گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اچھی خاصی ایک بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔ حمید کی جان عجیب مخمصے میں تھی......اس کی تلاشی پر جیب سے ایک بٹوہ جس میں ایک سو پانچ روپے ایک کنگنا اور چار پانچ وزیٹنگ کارڈ ملے جس پر لکھا تھا۔ "دھرم داس بی اے کمرشل آرٹسٹ" عورت سے جب نام پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ "میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔" بڑی مشکل سے اس نے ایک پرچہ پر وہی نام لکھ دیا جس نام کے وزیٹنگ کارڈز تھے۔ حمید چکرا گیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ رہی تھیں، اُس نے کئی بہانے کر کے سپاہیوں کے ساتھ ٹرین کے کئی چکر لگا ڈالے مگر فریدی نہ ملا۔ ادھر ٹرین نے سیٹی دی، حمید نے لاکھ چاہا کہ اُسے پھر گاڑی میں بیٹھنے دیا جائے، مگر ٹکٹ چیکر کسی حالت میں نہ مانا......وہ بار بار کہے جا رہا تھا......پورا چارج دیجئے......اور بیٹھئے۔"

گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ حمید نے آخری بار کوشش کی کہ وہ بیٹھ سکے مگر ناکام رہا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ مجمع چھٹ چکا تھا اور وہ عورت غائب تھی۔

اس نے مڑ کر ٹی ٹی سے کہا۔ "چارج لیجئے......مگر وہ میری بیوی ڈھونڈ لائیے۔"

ٹی ٹی حیرت زدہ رہ گیا۔ ابھی ایک سیکنڈ پہلے وہ اس کی نرم نرم ہتھیلیوں سے لطف اندوز ہوتا حمید سے بحث میں الجھا ہوا تھا......"وہ عورت کہاں گئی۔"

شرمندہ ہو کر اُس نے حمید سے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ جب نکالنا چاہا تو وہ غائب تھا۔

ایک کاغذ پر البتہ لکھا ہوا تھا۔ "پہلی اور ہلکی سی چوٹ اپنے حمید کے لئے...... استاد کی بھی خبر لینا۔"

حمید بوکھلا گیا تھا، جیسے خواب کی لہریں...... سینما کی تصویریں یا پوری ریل گاڑی اس کے سر سے گذر گئی ہو۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گیا...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کہ اتنے میں اسی ٹکٹ چیکر نے اُسے آکر کہا۔ "آپ کا ٹرنک کال آیا ہے حمید صاحب۔" اُس نے ریسیور سے سنا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "رام گڈھ لوٹ آؤ۔"

لیفٹیننٹ باقر

دوسرے روز صبح چائے پر باتیں کرتے ہوئے فریدی نے کہا۔

"حمید میاں! میں نے زندگی میں کبھی ہار نہیں مانی...... مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کے سامنے طفلِ مکتب ہوں...... غضب کا دماغ ہے ظالم کا۔"

کہتے کہتے فریدی ٹھہر گیا۔ حمید واقعات جاننے کے لئے بے تاب تھا، اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی نے اشارے سے روک دیا اور کہنا شروع کیا۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ شاکر کے کیس میں جابر کا ہاتھ ہے۔ اس روز صبح کی ڈاک سے مجھے اطلاع ملی تھی کہ سیٹھ گنومل چھیدی لال بمبئی کے مشہور تاجر کے یہاں ڈاکے کا نوٹس مل چکا تھا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی جائیداد کے ایک وارث اور کھڑے ہو چکے تھے۔ وہ بھی اُس گاڑی سے بمبئی جارہے تھے۔ جابر کی یہ ترکیب میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے بمبئی پولیس کو تار دے دیا تھا کہ وہ لوگ اسٹیشن پر موجود رہیں اور میرے ساتھ جسے دیکھیں گرفتار کرلیں۔ یا راستہ ہی میں کہیں اُسے دھر لینا۔ صرف اس لئے کہ میرے کام میں رکاوٹ ہو اور کنور صاحب میرے دشمن ہو جائیں۔

اس نے میرا بھیس بھرا...... دوسری طرف اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میں ضرور اس کا پیچھا کروں گا۔ موٹر کا راستہ روکنے کے لئے اس نے ٹائم سوئچ بم لگائے اور راستہ میں رسیاں باندھ کر دیر کرادی...... اور جب اس میں ناکام رہا تو اتفاقات نے ہمیں کنور صاحب کی نظر میں گرادیا۔ اس طرح راستہ میں روڑے اٹکاتا...... وہ لیفٹیننٹ باقر کے ڈبے میں بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آج کا اخبار دیکھو "سیٹھ گنومل چھیدی لال بُری طرح لٹ گئے...... اور لیفٹیننٹ باقر اور ان کے لڑکے ذاکر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا...... وہ بچ تو گئے مگر ان کی تمام قیمتی دستاویزیں اور نقد روپیہ لوٹ لیا گیا۔"

"تو پھر آپ واپس کیوں لوٹ آئے۔" حمید نے بے تابانہ پوچھا۔

"یہ میری شکست اور جابر کی فتح کی کہانی ہے۔ میں جس ڈبہ میں داخل ہوا تھا اس میں بالکل اندھیرا تھا...... میں نے ٹارچ جلا کر پورے ڈبہ میں دیکھا۔ ڈبہ خالی تھا...... میں اُسی ڈبہ میں لیٹا رہا۔ پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی...... اور جب میری آنکھ کھلی تو میں برانچ لائن کے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر تھا...... وہ ڈبہ جس میں میں تھا اگلے جنکشن پر کاٹ دیا گیا تھا۔

میں نے دیکھا حریف کام کر چکا ہے۔ سوائے لوٹ آنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ رام گڈھ اسٹیشن ماسٹر کو میں نے تمہارے متعلق اطلاع دے دی تھی...... تمہارے لئے یہاں سے اُسے ٹرنک کال کیا گیا...... میں آیا اور آگے تو تم جانتے ہی ہو...... مگر تمہاری بیوی کیا ہوئی۔" فریدی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا...... اور حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "وہ شاکر کی لائبریری والی کتاب میں کیا تھا...... اس کے متعلق آپ نے کچھ نہیں بتایا۔"

فریدی کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا...... اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "وہ میرے ترکش کا آخری تیر ہوگا۔"

اتنے میں نوکر نے میز پر ملاقاتی کارڈ لا کر رکھا۔

"لیفٹیننٹ باقر...... او...... بی۔ ای۔"

"بلا لو......!" حمید نے کہا۔

ایک متوسط عمر کا آدمی...... بائیں گال پر چھوٹا سا تل۔ چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں...... لمبوترہ چہرا...... اور ستواں سرخ ناک۔ یہ تھے لیفٹیننٹ باقر...... ان کے ساتھ پچیس چھبیس سال کا ایک نوجوان اور تھا جس کا تعارف لیفٹیننٹ صاحب نے "میرا لڑکا...... گریجویٹ

ہے...... مقابلہ کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔" ان الفاظ سے کرایا۔ ذاکر دبلا...... پتلا زرد رنگ...... بڑی بڑی آنکھیں...... چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کم سخن سنجیدہ اور متین ہے۔

رسمی تعارف کے بعد لیفٹیننٹ صاحب نے کہا۔ "فریدی صاحب مجھے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ میرا جوان بھائی مر گیا......!" کہتے کہتے وہ زار و قطار رونے لگا۔ جذبات پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "میری بہن سعیدہ لالچی ہے۔ کنور ظفر علی خاں اُسے بہکا رہے ہیں۔ مجھے جائیداد نہ چاہئے۔ مگر باپ دادا کی ڈیوڑھی میں یوں نہیں چھوڑ سکتا۔" اور پھر ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ذاکر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ابا جان...... صبر سے کام لیجئے۔" باقر صاحب ٹھہر گئے اور رک رک کر بولے۔ "مشہور ڈاکو راہل میرے پیچھے الگ پڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میرے کاغذات دلوا دیجئے اس سے...... فریدی صاحب میں تا زندگی آپ کا احسان مانوں گا۔"

فریدی باقر صاحب کی گفتگو سنتا رہا۔ درمیان میں حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اُن سے سوالات کرے، مگر فریدی کا اشارہ پا کر وہ بھی خاموش رہا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ اس نے باقر صاحب کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں جیسے ان کے چہرے میں کچھ تلاش کر رہا ہو اور ایک طویل عرصہ کی خاموشی کے بعد بولا۔

"میں آپ کو کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہاں کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اپنے دوست کی خاطر یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ آپ سے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سچائی پر مبنی نہیں۔ راہل سے میں بخوبی واقف ہوں اور اسی لئے فی الحال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ راہل ہی آپ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ بہر حال آپ مجھے معاف فرما دیں۔"

ایک جہاندیدہ آدمی کی طرح لیفٹیننٹ باقر فریدی کی باتیں سنتے رہے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی زردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے پھر کہا۔

"فریدی صاحب...... میں آپ سے انسانی حقوق اور رشتے کی بناء پر کہہ رہا ہوں...... آپ میرا ساتھ دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ میں اپنے حالات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میری بدقسمت حالت پر اگر آپ کو ترس آجائے تو اس کام میں ہاتھ ڈالئے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔"

"میرے والد نواب زائر علی خاں تھے، ان کی پہلی شادی راجہ سید پور کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شادی کے تین سال بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بارہ سال تک والد نے شادی نہ کی۔ لیکن آخر کار انہیں شادی کرنا ہی پڑی۔ اپنی دوسری ماں کے سلوک سے تنگ آکر میں بھاگ نکلا...... بمبئی کے ایک کارخانے میں نوکری کر کے تعلیم حاصل کی اور پھر اس عہدے تک پہنچا۔ اب باقاعدہ پنشن مل رہی ہے۔ مجھے ہمیشہ شرم آتی تھی کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد اگر گھر جاؤں گا تو شاکر سوچے گا کہ جائیداد میں حصہ بٹانے آپہنچے۔ لیکن مرحوم کو خود میرا خیال تھا۔ مرنے سے ایک ہفتہ قبل اُن کا خط مجھے ملا تھا جس میں انہوں نے مجھے بلایا تھا اور اب جب میں آیا ہوں تو وہ مرحوم......!" باقر صاحب جتنی دیر تک باتیں کرتے رہے روتے رہے اور آخری جملے پر پہنچ کر اُن کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

حمید بُری طرح اُن سے متاثر ہوا تھا۔ اُن کی ضعیفی اور اُن کی حالت پر اُسے رحم آرہا تھا۔ فریدی یہ پوری بات غیر متعلق انداز میں سنتا رہا۔ نوابزدہ شاکر کا خط دیکھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اُسے باقر کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"مگر سعیدہ کا بیان ہے کہ نوابزدہ شاکر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ مجھے نہ پہچانے مگر اُسے یہ علم ہے کہ شاکر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ خاندان میں یہ بات مشہور کر دی گئی تھی کہ باقر مر گیا۔ اس میں شاکر کے ننھیال والوں کا ہاتھ تھا...... مگر وہ سب مر گئے۔"

"سب......!" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"جی ہاں...... چند سال قبل طاعون کی بیماری میں۔"

"بہر حال...... میں وکیل نہیں لیکن بظاہر آپ کا مقدمہ کافی مضبوط ہے۔ عدالت میں آپ درخواست دے چکے ہیں۔ وہاں کا فیصلہ جج کے اختیار میں ہے۔ رہ گیا آپ کی حفاظت کا سوال...... تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ پولیس کا معقول انتظام کرا دوں۔ اب اگر اجازت دیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے قدرے رکھائی سے یہ جملے ادا کئے۔ مگر لیفٹیننٹ صاحب کا چہرہ ویسے ہی متین اور سنجیدہ رہا...... وہ خاموشی سے اٹھے اور ایک بار پھر فریدی کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے لڑکے سے بولے۔ "آؤ بیٹا...... چلیں۔"

دروازے پر پہنچ کر انہوں نے مڑ کر فریدی کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے۔

"زحمت کا شکریہ۔" اور چلے گئے۔

آگ خون اور گولے

فریدی اور حمید شہر کے نزدیک پہنچ رہے تھے۔ شہر کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے حمید نے کہا۔

"کیا مصیبت تھی۔"

"ہوں......!" فریدی نے کہا اور چپ رہا۔

"میں سمجھتا ہوں ہمیں اب رام گڑھ چھوڑ ہی دینا پڑے گا۔" حمید کے لہجے میں مایوسی تھی۔

فریدی خاموش رہا۔ "تمہیں ابھی شہر میں بھی آگ ملے گی۔" فریدی کچھ دیر رک کر بولا۔

"آؤ جلدی کریں۔"

سامنے ریستوران کھلا ہوا تھا۔ حمید سے نہ رہا گیا۔

"صرف ایک پیالی چائے۔" حمید نے گھگھیا کر کہا۔

اور دونوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

ایک خوبصورت سا نوجوان سامنے بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔

ایک نظر میں فریدی نے اسے پہچان لیا...... اس نے غالباً ابھی ابھی سگریٹ جلائی تھی۔

سگریٹ کا ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ فریدی کو دیکھ کر اٹھا اور سگریٹ کا کش کھینچتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

فریدی کے پاس پہنچتے ہی وہ زمین پر بیٹھ گیا اور زور زور سے گلا دبانے لگا۔ "ارے...... ارہے...... یہ تو رخصت ہوئے۔" کہتا ہوا فریدی اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے ابلنے لگے

"بیچارہ ذاکر" فریدی کے منہ سے نکلا۔

حمید نے پانی کا گلاس اٹھا کر جلدی جلدی چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔ ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ لوگ جگہیں چھوڑ کر وہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ ختم ہو گئے...... انہیں سگریٹ میں زہر دیا گیا ہے۔" کہتے ہوئے وہ پیچھے مڑا۔ "طارق صاحب...... ارے آپ؟"

"فریدی صاحب...... فوراً چلئے...... غزالہ کی حالت نازک ہے۔"

فون کرنے کے بعد لاش کو پولیس کے حوالے کر کے اور حمید کو ہدایات دے کر فریدی طارق کے ساتھ چلا۔

"وہ لوگ کہاں ہیں۔"

"سعیدہ کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ اس کے یہاں کے سارے کبوتر غائب ہیں اور صرف غزالہ زخمی ہے۔ وہ لوگ ابھی ابھی یہاں آئے ہیں۔"

"مگر باقر اور ظفر کے تعلقات......!"

فریدی نے پوچھا۔

"آپ کو شاید حالات کا علم نہیں۔ باقر صاحب اور سعیدہ میں سمجھوتہ ہو گیا۔ عدالت نے باقر کو شاکر کا بھائی تسلیم کر لیا۔ لیکن انہوں نے اپنی طرف سے جائیداد سعیدہ کے نام ہبہ کر دی ہے۔ صرف گھر اُن کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جس وقت آگ لگی ہے باقر صاحب وہیں موجود تھے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے سب کو نکالا۔"

فریدی سنتا رہا...... اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"میں نواب اور کنور صاحب سے مل بھی نہ سکا۔ بہت سی باتیں معلوم کرنا تھیں۔ میرا مقابلہ ایسے آدمی سے ہے، جس کے کام کرنے کا طریقہ سب سے الگ ہے۔ وہ پے در پے تابڑ توڑ ایسے حملے کرتا جاتا ہے کہ مخالف کو سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ ہاں...... غزالہ کو کیا ہوا۔"

"میں بتا رہا تھا...... وہ لوگ کچھ آپ سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ خصوصاً کنور صاحب...... جس وقت آگ لگی ہے ہمیں ایسا معلوم ہوا جیسے جلتی ہوئی شہتیروں کے درمیان آپ بچ نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ہم سب بڑھے اور غزالہ بھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی ہمت کر سکے وہ آگ میں داخل ہو چکی تھی۔ جلتی ہوئی آگ میں سے بہزار دقت اُسے

نکالا گیا..... وہاں سے آنے کے بعد باقر صاحب نے مجھے اس ہوٹل میں ذاکر کو بلانے کے لئے بھیجا اور یہاں آپ مل گئے...... بیچارے باقر صاحب... ان کا یہی ایک لڑکا تھا۔"

فریدی اور طارق نوابزادہ شاکر کے مکان پر جب پہنچے ہیں وہاں بھی آگ لگ چکی تھی۔ آگ مکان کے پچھلے حصہ کی طرف سے لگائی گئی تھی اور بیرونی حصہ تک پہنچنے سے پہلے اُسے بجھانے کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ مکان کے سامنے باقر صاحب چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ غالباً ذاکر کے مرنے کی اطلاع انہیں مل چکی تھی۔ غزالہ باہر ہی ایک پلنگ پر لٹائی گئی تھی۔ صرف ذرا سی خراش اور پیر کا نچلا حصہ جلا تھا۔

"بلاوجہ طارق نے پریشان کر دیا۔" فریدی منمنایا اور پھر پلٹ کر نواب صاحب کی طرف مڑا۔ نواب رشیدالزماں بالکل گم سم تھے اور سعیدہ غزالہ کے پاس بیٹھی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کنور ظفر علی خاں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"جج صدیق احمد کے یہاں چوری ہو گئی...... مگر ان کے کبوتروں کے علاوہ اُن کی سب چیزیں محفوظ ہیں۔" ایک سپاہی نے اطلاع دی...... اور باقر صاحب کے گھر پر تعینات انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔ "آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔ نواب زادہ شاکر کے تمام پرانے کبوتروں کے علاوہ گھر کی ہر چیز محفوظ ہے۔"

"مگر آگ لگانے والوں میں سے کسی کو آپ دیکھ سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک شخص گرفتار ہوا ہے...... اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر گولی چلائی گئی تھی۔ اُس کے بائیں شانے پر گولی لگی ہے۔ وہ لیجئے اُسے یہ لوگ لے بھی آئے۔"

وہ آدمی بے ہوش تھا...... فریدی نے روشنی اٹھا کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کنور ظفر علی خاں۔"

اُس کے منہ سے نکلا۔ باقر صاحب کنور کو دیکھتے ہی چیخنے لگے۔

"بہن سعیدہ دیکھا تم نے...... اسی نے میرے بھائی کی جان لی۔ اسی نے گھر میں آگ لگائی۔ اسی نے میرے بیٹے کو مارا..... اور اب یہ مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔ اگر یہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں اسے یوں ہی کبوتر دے دیتا۔" ان کی آواز میں عورتوں کا درد جھلک رہا تھا۔ وہ بے تحاشہ چیخ

رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

"انہیں ہسپتال بھجوا دیجئے...... دشمن ہم سب کو غلط فہمی میں مبتلا کرتا رہا ہے...... میں جا رہا ہوں۔" فریدی کہتا ہوا نواب صاحب کے پاس رکا......!" آپ ماتھر صاحب کے یہاں سعیدہ غزالہ اور طارق کے ہمراہ چلے جائیے...... مگر دیکھئے کل رات تک وہاں سے کہیں اور نہ جائیے گا......!" کہتا ہوا فریدی غائب ہو گیا۔

نواب صاحب فریدی کی ہدایت کے مطابق چلے تو گئے۔ مگر دوسرے روز شام کو غزالہ کی طبیعت سنبھلنے پر باقر صاحب کے اصرار پر اُن کے گھر چلے آئے۔ سعیدہ اپنے مکان پر لوٹ آئی تھی اور کنور ظفر علی خاں پر نواب زادہ شاکر کے قتل اور اُن کے بھائی لیفٹیننٹ باقر کے گھر میں آگ لگانے اور چوری کے الزام میں لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے مقدمہ چلا دیا گیا تھا۔ وہ ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے تھے...... اور ہسپتال میں تھے۔

فریدی گرفتار

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا فریدی دو کتابوں میں منہمک تھا۔ قلمی خاکے والی کتاب پر کچھ نشانات نوابزادہ شاکر نے لگا رکھے تھے۔ دوسری کتاب پڑھتے ہوئے اس نے کچھ نوٹ لکھے...... دفتی والا کاغذ پھٹا ہوا تھا...... اس نے کچھ سوچا اور پھر دونوں کتابیں اٹھائیں اور انہیں اپنی الماری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے الماری کھولی کتابیں الماری میں نہیں تھیں۔

"ٹھیک ہے......!" وہ بڑبڑایا۔ "میں جانتا تھا جابر کہ تم یہاں آؤ گے...... ان کتابوں کے لئے...... تمہیں میری سخت ضرورت ہے اور یہ کتابیں اب نہ مل سکیں گی...... یہ بہت دور چلی گئی ہیں۔"

جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس نے غور سے دیکھا اور پھر اُسے جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

شام ہو چکی تھی۔ حمید کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی نے اُسے لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کے خیال سے اُسے اب واپس آ جانا چاہئے تھا...... وہ ہوٹل کے برآمدے میں انتظار کرتا رہا اور آخر تنگ آ کر لیفٹیننٹ باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر بالکل سناٹا تھا۔ پولیس کے دو سپاہی بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ لائبریری میں روشنی شیشے کے خانوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ فریدی نے جھانک کر دیکھا لیفٹیننٹ صاحب کمرے میں کتابوں میں محو تھے...... تھوڑی دیر تک وہ کتابیں دیکھتے رہے پھر انہوں نے دراز سے پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی نے فوراً اپنے کو چھپا لیا...... لیفٹیننٹ صاحب جیسے ہی باہر نکلے وہ کچھ عجیب طریقے سے کھانسے...... انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنے منہ کو ایک بار پھر پونچھا...... کمرے کا دروازہ بند کیا۔ تالا لگایا اور سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے۔

فریدی اُن کے جاتے ہی لپکا۔ جس جگہ رُکے تھے وہاں پر پڑے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کو اس نے اٹھایا اور لائبریری کے دروازے کے نچلے پٹ پر اس نے اپنے ڈبے سے سفوف نکالا اور چھڑک دیا...... دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی کا وہ ٹکڑا گلنے لگا۔ جلدی سے فریدی نے اپنی انگلیاں رومال سے باندھ کر انہیں اندر کی طرف دبانا شروع کیا۔ لکڑی کا تختہ ایک ہلکی آواز کے ساتھ نیچے آ رہا اور فریدی اسی راستہ سے اندر داخل ہو گیا۔ ہلکی ہلکی مدھم سی آوازیں بات چیت کرنے کی آ رہی تھیں۔ فریدی نے کان لگا کر سنا "طارق اپنی سیاحی کے قصے سنا رہا تھا...... کبھی کبھی نواب رشید الزماں کے بولنے کی آواز بھی آ جاتی۔ غزالہ کے قہقہے کی آواز اس نے صاف پہچان لی۔

اس نے سوچا کہ اُن لوگوں کو یہاں سے ہٹا دے مگر ایک جانی پہچانی آواز پھر اُسے سنائی دی۔ ماتھر صاحب بول رہے تھے۔ "یہ بھی یہیں ہیں تب ٹھیک ہے۔"

کاغذ جیب سے نکال کر فریدی نے ایک بار پڑھا اور پھر اُسے جیب میں رکھ لیا۔ الماری کے بغل میں رکھے ہوئے اسٹول پر ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ فریدی کی انگلیاں اُس مجسمے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ اچانک اس کا ہاتھ مجسمے کے پچھلے حصہ پر پڑا اور خفیف سی آواز کے ساتھ مجسمہ کا سر بیچ سے کھل گیا۔ اندر ایک چھوٹے سے صندوقچہ میں بہت سے خطوط رکھے تھے۔ فریدی نے انہیں نکالا اور دیکھتا رہا۔ ایک تصویر دیکھتے ہی اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "میں اتنا نہیں سمجھا تھا...... اتنی

شاندار اداکاری اور ایسا بھیس۔" فریدی دل ہی دل میں بولا۔

خطوط جمع کرنے کے بعد اس نے انہیں الماری کے بالکل اوپر رکھ دیا...... سامنے ایک کتاب کھلی ہوئی تھی...... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی اس پر کوئی شخص کچھ لکھ رہا تھا اور پھر ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا ہے۔

کتاب کے بہت سے اوراق سادہ تھے۔ سرسری طور پر فریدی نے ورق الٹے...... جسم کی بناوٹ...... مختلف اعضاء جسمانی حرکات و افعال روح کی ماہیئت کے متعلق ایک بالتفصیل مضمون تھا۔ آخر اُسے وہ چیز دکھائی دے ہی گئی۔ میز کے نیچے کبوتروں کے پنجے میں ڈالے جانے والے تین چھلے احتیاط اور حفاظت سے ایک چھوٹے سے بکس میں رکھے تھے۔ بکس پر گرد جمی ہوئی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بکس کو غیر اہم بنانے کے لئے گرد ڈالی گئی ہے۔ بکس کے اوپر دو جوتے اور سامنے بہت سی چپلیں رکھی ہوئی تھیں۔ بغل میں ایک ڈبہ اسی حالت میں تھا۔ سگریٹ کی تمباکو اس میں بھری ہوئی تھی...... فریدی نے چٹکی سے تمباکو سونگھا...... "ارے" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

تمباکو اور چھلے والے خطوط لے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

اچانک اُسے محسوس ہوا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس نے جھک کر دیکھا...... پیروں سے تار سے زیادہ باریک شے جکڑی ہوئی تھی...... اس نے چاہا چیخے...... مگر گردن میں بھی ایسی ہی ایک مصیبت تھی...... سامنے جابر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"پھنس گئے نا آخر...... تم نے مجھے پھنسانا چاہا اور خود دام میں آ گئے...... شاید اگر مجھے پانچ منٹ کی بھی دیر ہوتی تو تم نے تو مجھے ختم کر دیا تھا......" وہ کچھ دھیمے لہجے میں بولا۔ فریدی نے ہاتھ سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر پستول نکالنے سے پہلے ہاتھوں کی طاقت ختم ہو گئی...... جابر ہنسا۔

"یہ اناڑی پن چھوڑو...... میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ تمہیں پستول نکالنے کا بھی موقع دوں...... یہ تار دیکھو...... بڑی محنت سے تیار کئے ہیں میں نے...... ان کے ذریعہ انسانی جسم کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو سوچ سکتے ہو...... مگر نہ بول سکتے ہو اور نہ

حرکت کر سکتے ہو......اس تار کا نسخہ جرمنی میں ڈاکٹر وان ریچ سے حاصل کیا گیا تھا۔"

وہ بولتا رہا...... غصہ سے اس کی بھویں تن گئی تھیں......اس نے اپنی ناک اٹھائی اور اپنا منہ فریدی کے بالکل سامنے لے آیا۔ فریدی کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں...... منہ کے اندر اس نے ایک تھیلی لٹکا رکھی تھی۔

"فریدی بیٹے۔" وہ چمکارتے ہوئے بولا۔ "دو چار سے بھڑ گئے اور اپنے کو تمیں مار خاں تصور کر لیا...... یہ تھیلی دیکھتے ہو میں اسے نکال لوں تو میری آواز سنتے ہی تم بیہوش ہو جاؤ......اس میں ایک گولی چھوڑو...... آواز کرخت ہو گی...... دو ...... اوسط...... تین...... نرم...... چار...... کرخت زنانی...... پانچ...... سریلی زنانی آواز...... سمجھے۔"

"مگر دیکھو...... تم بیہوش ہونے کا ارادہ کر رہے ہو...... یہ بڑی بُری بات ہے...... خیر...... یہ بتاؤ...... کتابیں مجھے دو گے یا کتے کی موت مرنا چاہتے ہو؟ بولو...... اچھا لو...... میں تمہیں تمہارے ایک ہاتھ کی طاقت واپس دیتا ہوں۔"

جابر نے ایک ہاتھ کا تار نکال لینے سے پہلے پستول اور خطوط اپنے پاس رکھ لئے......اور پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔

"اشارہ سے بتا دو...... کتابیں دو گے یا نہیں۔"

فریدی نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔

"بالکل گھامڑ سمجھتے ہو...... میں تمہارے پاس آؤں...... تم مار ہی دو...... کون جانے؟ ضدی تو ہو، کتاب دو گے۔"

فریدی نے انکار کیا...... تین بار اُس نے پوچھا اور فریدی انکار ہی کرتا رہا۔

"خیر...... تم ذہین آدمی ہو......اور ہندوستان میں ایسے آدمیوں کی کمی ہے اس لئے تمہیں مارنا نہیں چاہتا...... کیا فائدہ...... بتادو...... اچھا چلو میں تمہیں جابر کے ایک ہم شکل کی لاش دوں گا...... شاید چیف کمشنر بنا دیئے جاؤ......اس لئے کہ تمہاری حکومت کی کچھ تجارتی دستاویز بھی میرے پاس ہیں۔"

"بڑا نام ہو گا تمہارا...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر ہندوستان نہیں آؤں گا......اب دیتے ہو۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"دیکھو ضد نہ کرو...... تم مجھ سے بہت پیچھے ہو...... میں ہزاروں سال زندہ رہنے کا تجربہ کر رہا ہوں۔"

"اس کتاب سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ انسانی خون کی جتنی مجھے ضرورت تھی وہ مجھے مل چکا ہے۔ مجھے بتادو...... میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا...... میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ابھی اسی کمرے میں پہلے طارق آئے گا...... پھر تمہارے دوست ماتھر آئیں گے...... پھر جج صدیق احمد آئیں گے۔ پھر نواب رشید الزماں آئیں گے اور وہ حسین چھوکری غزالہ آئے گی اور تمہارے حمید آئیں گے۔ اس چھوکرے کو اچھی تربیت دے رہے ہو۔ خیر......اگر کتاب نہ دو گے تو یہ سب مر جائیں گے۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"تب تم ایک بیوقوف آدمی ہو اور بیوقوف کے لئے یہی جگہ ہو سکتی ہے۔" جابر نے ایک ٹھوکر ماری اور لائبریری کے بیچ کا حصہ پھٹا......اور فریدی اندر دھنستا چلا گیا۔ اس نے تختہ رکھا اور قالین بچھا دیا۔ کمرے میں بے ہوشی کی گیس بھر رہی تھی۔

ننگی لاشیں

فریدی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو ایک الماری نما خانے میں بند پایا......اس کے ہاتھ اور پیروں میں قوت لوٹ آئی تھی۔ وہ بول بھی سکتا تھا...... لیکن اس کے منہ پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور سارا بدن رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کمرے کا عجیب ہیولیٰ تھا...... چاروں طرف انسانی پنجر رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے مرتبانوں میں عجیب و غریب طرح کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں سیلن اور بو تھی۔ سامنے لگے ہوئے چارٹ پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر جرمن زبان میں لکھا ہوا تھا۔

"جابر کبھی بھی بلاوجہ کسی کو دعوت نہیں دیتا۔ اب تک اس چارٹ پر
جتنوں کے نام لکھے گئے ہیں، وہ سب اس کے مہمان رہ چکے ہیں اور ان سے
وہ بہت کچھ حاصل بھی کر چکا ہے۔"

الماری کے بالکل سامنے ہی وہ چارٹ تھا...... چارٹ کے نیچے عجیب و غریب شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ دیواریں بہت بوسیدہ معلوم ہوتی تھیں۔ پورا ماحول بھیانک تھا۔

جابر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ اپنی میز کے سامنے پڑی تین ننگی لاشوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مگر اس کی خوفناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور لاشوں پر جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ میز پر سے ایک آلہ اٹھانے کے بعد اس نے لاش کے سینے کا معائنہ شروع کیا۔

ابھی اس کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ ایک چوتھی لاش اس کے کمرے میں گری۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" وہ بڑبڑایا اور اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے بھی بالکل ننگا کر دیا اور ان تینوں کے بغل میں اس کو لٹا دیا۔ پھر کمرے میں لگے ہوئے ایک بڑے سے چارٹ پر اس نے لکھا نمبر ۴ اور کرسی پر بیٹھ کر دراز میں سے کچھ کاغذات نکال کر اسے دیکھنے لگا کہ ایک دوسرا دھماکہ ہوا اور اب پانچویں لاش اس کمرے میں پڑی تھی۔

یہ لاش ایک خوبصورت سی نوجوان عورت کی تھی۔ وہ کچھ چونک سا پڑا۔ "آخر تم بھی آگئیں، اچھا ہوا......" وہ پھر کچھ بڑبڑایا اور ایک بڑی سی الماری کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی تھی اور پھر...... وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "لاش کے قریب آکر اس نے عورت کی لاش کو بھی ان لاشوں کے برابر ڈال دیا اور چارٹ پر نمبر ۵ لکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ابھی ایک خانہ خالی تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چھت بالکل سپاٹ معلوم ہوتی تھی، جسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس میں کوئی جوڑ ہے اور یہ ذرا سا بٹن دبانے سے کھل سکتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "پرانی

چھت اس کے لئے کتنی کار آمد ثابت ہوئی ہے۔" گرمی سے پریشان ہو کر وہ ٹہلنے لگا۔ اسی طرح کا ایک دھماکہ ہوا...... چھت کھلی اور لاش اندر گر پڑی۔

"تم نے کافی انتظار دکھایا، خیر اب مجھے کسی کا انتظار نہ کرنا پڑے گا۔"

وہ پھر بڑبڑایا اور اس کو بھی بالکل ننگا کر کے ان لاشوں کے بغل میں لٹا دیا۔ چارٹ کا وہ خانہ جو خالی تھا ۶ نمبر سے بھر چکا تھا۔

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیوار سے لگی ہوئی بڑی سی الماری کا پردہ ہٹایا۔ ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ "دیکھو تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ بندھے ہوئے شخص کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے رسیوں سے آزاد ہو جانے کے لئے بھرپور طاقت سے اپنے بازوؤں کو ہلایا لیکن رسی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"کیوں......" وہ شخص زور سے ہنسا۔ "میرا نام جانتے ہو...... میرے کاموں میں رخنہ ڈالنے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ...... لیکن تم جانتے نہیں خیر یہ دیکھو...... انہیں پہچانو...... "غزالہ" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا "اور یہ ہیں مسٹر حمید۔ ان سے مل کر تم کو ضرور خوشی ہوئی ہوگی اور یہ بیچارے جج صاحب ہیں۔ نواب رشید الزماں سے تو مل لو...... اس نے بندھے ہوئے شخص کا شانہ ہلایا اور وہ دیکھو ماتھر صاحب بیچارے کے چہرے پر روشنی ذرا کم پڑ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے ملزموں پر بہت ظلم کئے ہیں، کیوں کیا خیال ہے تمہارا......!" اس نے پھر چھیڑا۔

"شاید تمہیں ان مہمانوں سے مل کر خوشی نہ ہوئی ہو۔" وہ بولا۔ اور پھر سب سے آخری لاش پر جا کر کھڑا ہو گیا، "ادھر دیکھئے سرکار! یہ آپ کے خاص قدر دانوں میں سے ہیں مسٹر طارق...... لیکن ان کا نیولا اس وقت ان کے کاندھوں پر نہیں ہے۔" یہ کہہ کر پھر اس نے الماری پر پردہ ڈال دیا اور حمید کی لاش اٹھا کر کمرے کے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ہاتھ میں ایک سفید سی شیشی لئے ہوئے واپس آیا...... اور شیشی میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر اس نے طارق کی ناک میں ڈال دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے کمرے کی روشنی کم کر دی اور طارق کی لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد لاش کو ایک چھینک آئی وہ

جلدی سے ہٹ گیا اور جیب سے ایک دوسری شیشی نکال کر اس کو سنگھایا۔ طارق کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"میں...... میں کہاں ہوں......!" طارق کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا اور جب اس کی نظر اپنے برہنہ جسم پر پڑی تو وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرو نہیں۔"

اس نے طارق کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"لیکن...... تم...... تم...... ہو کون...... اور مے...... میرے...... ک...... ک......، کپڑے۔" طارق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لو اپنے کپڑے، گھبراؤ نہیں...... ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔"

طارق جلدی جلدی اپنے کپڑے پہننے لگا۔ جب وہ پہ ے پہن چکا تو اس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹایا۔ "فریدی" طارق زور سے چیخا۔ "کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں ہوں انسپکٹر احمد کمال فریدی۔"

"لیکن یہ سب کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔" طارق بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں" وہ بولا اور بقیہ لاشوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ نواب رشید الزماں اور غزالہ کے علاوہ سب کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ ان سب کے کپڑے دیتے ہوئے بولا۔

"گھبرائیے نہیں...... ابھی آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" اور وہ نواب صاحب اور غزالہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

سب لوگ حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فریدی یہاں کس طرح پہنچا اور ہم لوگوں کو کس نے گرفتار کیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ نواب صاحب اٹھ بیٹھے اور اس نے انہیں بھی کپڑے پہننے کو دے دیئے۔ نواب صاحب کی نظر جیسے ہی غزالہ پر پڑی وہ بڑے زور سے چیخے "فریدی۔"

"نواب صاحب پریشان نہ ہوں...... اس نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا...... ورنہ آپ لوگوں کا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔"

"میری بچی۔" نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

"گھبرائیے نہیں...... ابھی ان کو بھی ہوش آ جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔

"مسٹر فریدی کچھ بتائیے کہ واقعہ کیا ہے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔" وہ جیب سے پستول نکال کر اچھالتا ہوا بولا۔

"انہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نواب رشید الزماں ایک بزرگ ہستی جن سے کبھی اس بات کی امید نہیں رکھی جا سکتی کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" اس نے پستول سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" نواب صاحب غصہ میں کھڑے ہو گئے۔

"میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا...... میں نے تمہیں آج تک اپنے بیٹے کی طرح سمجھا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری رگوں میں رزالت کا خون دوڑ رہا ہے...... کمینے ذلیل۔"

"بس...... بس...... نواب صاحب۔ آپ کے منہ سے گالیاں کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔" وہ مسکرایا۔

"لیکن تم کو اپنے ہاتھوں میں قانون نہیں لینا چاہیئے تھا۔" ماتھر افسرانہ انداز میں بولا "اور اگر تمہارے پاس اس کا ثبوت تھا کہ نواب رشید الزماں نواب زادہ شاکر علی کے قاتل ہیں یا ان کا اس قتل میں ہاتھ ہے تو تمہیں قانونی طور پر انہیں گرفتار کرنا چاہئے اور ہم لوگوں کا ہاتھ کس قتل میں ہے، جو اس طرح سے یہاں لائے گئے؟"

"ماتھر صاحب چونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں نواب صاحب کا ہاتھ ہے اور میرے پاس کوئی قانونی ثبوت نہیں ہے اس لئے مجھے ایسا کرنا پڑا اور چونکہ آپ پولیس کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اس لئے آپ کے سامنے ان کا بیان ہوگا۔"

"فریدی خدا کے لئے ہوش میں آؤ...... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا تماشہ ہے۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی تھا تو کپڑے اتار کر ہم لوگوں کو ذلیل کرنے سے تم کو کیا فائدہ پہنچا۔"

"فائدہ...... جج صاحب آپ ہمیشہ فائدے ہی کی سوچتے ہیں۔" اس نے جج صاحب کو جواب دیا۔ "آپ لوگوں کا اصلی روپ یہی ہے۔ آپ سب ذلیل ہیں، جو شرافت کا مصنوعی لباس پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خود جرم کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ آپکے ان ناپاک جسموں کو ننگا ہی رہنا چاہئے۔ بالکل ننگا۔ ایک کتے کی طرح تاکہ آپ کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں۔"

وہ غصے میں بکے جارہا تھا اور جج صاحب بیچارے سہم کر چپ ہو گئے تھے۔ غزالہ کو ہوش آرہا تھا۔ نواب صاحب آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ غزالہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے باپ کو اپنے پاس دیکھ کر اُسے کچھ اطمینان ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور فریدی کی گفتگو غور سے سننے لگی۔

"بہر حال نواب صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔" اُس نے کنکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"یہ جھوٹ ہے...... یہ سب جھوٹ ہے......!" غزالہ چلائی۔

"کیا آپ کو بھی اس سے انکار ہے۔" اس نے نواب صاحب سے دریافت کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو......" نواب صاحب عاجز ہو کر بولے۔

"یہی کہ آپ یہ لکھ کر دیجئے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں آپ کا ہاتھ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب غصے میں بولے۔

"ہو سکتا ہے......!" اس نے پستول دکھایا۔

"ٹھہرو......!" ماتھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تم بہت آگے بڑھ رہے ہو۔"

"اوہ...... سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو غصہ آگیا۔ کرسی پر بیٹھ جائیے۔"

"لیکن تم یہ سب کیا کر رہے ہو۔"

"میں کچھ نہیں کر رہا ہوں...... یہ کاغذ حاضر ہے...... اس پر لکھ دیجئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی کیجئے۔"

"لیکن......!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں جلدی کیجئے...... اور سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو گواہی دینا ہو گی۔" اس نے پستول قریب کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب مجبوراً قلم اٹھاتے ہوئے بولے۔ "کیا لکھوں؟"

"ہاں لکھئے......!

میں آج انسپکٹر فریدی اور ماتھر صاحب سپرنٹنڈنٹ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں میری بھی سازش تھی۔

نواب رشید الزماں بقلم خود۔"

"لیجئے ماتھر صاحب اب آپ بھی گواہی کر دیجئے......!" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہوں......!" ماتھر نے اس کو گھورا اور پھر اس کاغذ پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اس نے کاغذ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگوں کو بے حد تکلیف ہوئی جس کی میں معافی چاہتا ہوں......" غزالہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے تالی بجائی اور فوراً آٹھ نقاب پوش کمرے میں داخل ہوئے۔

"آپ لوگوں کو آرام سے چھوڑ آؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔

اور نقاب پوش ان لوگوں کو لے کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

کبوتروں کا خون

"انتہائی بدمذاقی کا ثبوت ہے۔ اگر قیدی کرنا ہی تھا تو یہ ایک سرے سے ننگا کرنے کی کون سی ضرورت تھی۔" حمید نقاب پوش کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"میں کیا جانوں یہ تو فریدی صاحب بتا سکتے ہیں۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔

"فریدی صاحب...... کیا مطلب......!"

"جی ہاں...... آپ انہیں کے قیدی ہیں۔" نقاب پوش بولا۔

"کیا بکتے ہو...... اماں اتنے بڑے ہو گئے اور تمہیں جھوٹ بولنا بھی نہیں آیا اور یہ پستول تانے کیوں کھڑے ہو۔ ہٹاؤ اس کو میں بھاگا تھوڑی جا رہا ہوں۔"

"لیجئے آپ کو یقین نہیں آرہا تھا تو خود دیکھ لیجئے۔ فریدی صاحب خود آرہے ہیں۔" نقاب پوش نے اشارہ کیا۔ اتنے میں وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ......؟" حمید کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"اس کے دونوں ہاتھ پیچھے سے اچھی طرح باندھ دو۔" اس نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

"حمید نے غور سے اس کو دیکھا...... اوہ...... تم......!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو۔"

"تو تم گولی چلادو گے۔" حمید نے جملہ پورا کیا۔

"لو باندھ لو......!" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

اور جب وہ آدمی حمید کے دونوں ہاتھ باندھ چکا تو اس نے نقاب پوش سے کہا۔ "ان کو کبوتر خانے میں لے جاؤ۔ میں روشنی لے کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ روشنی لے کر کبوتر خانے میں آگیا. جہاں حمید اس آدمی کے ساتھ پہلے ہی سے کھڑا تھا۔ کمرے میں ہزاروں کبوتر پڑے ہوئے تھے جن کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔

"دیکھا......!" اس نے حمید سے پوچھا۔

"ہاں دیکھ لیا......!" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

"نہیں ادھر دیکھو......!"

اس نے اپنی ناک کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ حمید نے دیکھا کہ اس کی مصنوعی ناک غائب ہے اور اسکی جگہ پر ایک بڑا سا گہرا غار ہے۔ حمید نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ "جابر" اس کے منہ سے نکلا۔

جابر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اپنی ناک لگاتے ہوئے بولا۔ "دیکھا یہ میرا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ تمہارا استاد بھلا میرا مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔"

"جابر میں یہ مانتا ہوں کہ بھیس بدلنے میں تم استاد ہو۔ فریدی کا بھیس اس صفائی سے بدلا ہے کہ کوئی تمہیں پہچان نہیں سکتا۔ میں خود تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا، لیکن یہ یاد رکھو کہ صورت سے فریدی بن سکتے ہو لیکن اس کی ذہانت نہیں پا سکتے۔" حمید نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو...... آؤ میں تمہیں اپنے کبوتر دکھاؤں۔"

"یہ دیکھو جج صدیق احمد صاحب کا عزیز ترین کبوتر قمری۔ یہ بالکل اصل نسل کا ہے۔" جابر حمید کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"اور یہ نواب زادہ شاکر علی کا وہ افریقی "شیرازی" ہے جس کی مجھے عرصہ سے تلاش تھی۔ ان کی نسل بہت کم ہے۔ یہ صرف افریقہ کے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ ہے کہ ان کے خون میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے، جو انسان کے قلب کی ماہیت بدل دینے میں کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ اتفاقاً مجھے یہ کبوتر شاکر علی کے یہاں نظر آئے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک خون کرنا پڑا۔" جابر لال دھاگے سے بندھے ہوئے ایک کبوتر کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ حمید کا...... بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے عاجز ہو کر کہا۔

"ہاں...... ہاں میں نے سب دیکھ لیا۔"

"واہ...... لم پٹ کبھی تو تم نے دیکھا ہی نہیں۔" جابر نے ایک کبوتر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کبوتر ظفر علی صاحب کے ایک دوست ان کے لئے عرب سے لائے تھے۔"

"اس کی ہڈیاں بڑی کار آمد ہوتی ہیں۔ اس کے سفوف سے چہرے کا رنگ بدل دینے کا ایسا پاؤڈر تیار ہوتا ہے جو بغیر دواؤں کی مدد سے نہیں چھوٹتا۔ سوئٹزرلینڈ میں تین سال تک اس پاؤڈر کی مدد سے اپنا رنگ بدلے ہوئے تھا اور یہ چاندنا ہے، یہ جوگی بیر، یہ غنوری، یہ لٹھما یہ گرہ باز......"

جابر نے مختلف کبوتروں کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم چلو آرام کرو...... مجھے تمہارے استاد سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

جابر نے حمید کو ایک نقاب پوش کے حوالہ کیا اور خود اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے الماری کا پردہ ہٹایا۔ "کہئے فریدی صاحب جابر کی طاقت کا آپ کو اندازہ ہو گیا۔ اب بھی بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ......" جابر نے فریدی کا منہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی نے تھک کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"اچھا اب تم الماری میں سے نکل آؤ۔"

جابر نے فریدی کے اردگرد لپٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیا لیکن اسکے ہاتھ بندھے رہنے دیئے۔

رسی کھلتے ہی فریدی فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جابر اس کو ہوش میں لانے کے لئے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کو ہوش آ گیا۔

"فریدی تمہاری ذہانت کا مجھے اقرار ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں، بہتر ہے تم مجھے وہ دونوں کتابیں "روح اور اس کی ماہیئت" اور "قلمی خاکے" واپس کر کے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ ان کتابوں کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔"

"جابر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس وقت تمہارے بس میں ہوں اور ڈر کے مارے میں اپنے

فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ میں تم جیسے لوگوں کو جو ایک خطرناک زہر کی طرح سے انسانوں کی زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں، ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر موت سے ڈرتا تو یہ پیشہ اختیار ہی نہ کرتا۔ تمہارے ہاتھ میں پستول ہے تم مجھے ختم کر سکتے ہو...... لیکن وہ کتابیں...... جن سے تم اور تمہاری برادری غلط فائدہ اٹھاتی رہے گی میں کبھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔"

"فریدی......!" جابر نے غصہ سے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم اپنے فیصلہ پر پھر ایک بار غور کرو۔ تم نے اب تک مجھے کافی نقصان پہنچایا ہے اور میں ٹالتا رہا۔ لیکن اس بار میں اتنے بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"نقصان...... اور تمہارا، جیسے وہ کتابیں تمہارے باپ دادا کی ملکیت ہیں۔"

"حد سے مت بڑھو فریدی، تم بھول رہے ہو کہ اس وقت تم جابر سے باتیں کر رہے ہو۔"

"اور جابر تم بھی یہ نہ بھولو کہ آج تم نے نواب رشید الزماں وغیرہ کے ساتھ جو ذلیل برتاؤ کیا ہے، اس سے میرا خون کھول رہا ہے۔"

"ابھی کیا کیا ہے۔" اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو اس سے بھی برا نتیجہ ہوگا...... خیر...... اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں، میں کل بارہ بجے رات تک تم کو موقع دیتا ہوں، کیونکہ کل رات مجھے سیٹھ چنی لال کی لڑکی کے گلے سے ہیرے کا ہار اور ہرن ترائن اینڈ سنس کی تجوری سے صرف پچاس ہزار لینے ہیں اور لگے ہاتھوں رشید الزماں سے بھی ملاقات کروں گا...... دوبارہ مل کر وہ ضرور خوش ہوں گے اور اس تحریر کے ذریعہ کچھ روپے بھی مل جائیں گے۔" جابر ہنسا۔ "جانتے ہو، فریدی مجھے تمہارا بھیس اور آواز بدلنے کے لئے کافی عرصہ تک محنت کرنی پڑی ہے اور اب میں اتنا کامیاب ہو گیا ہوں کہ نواب رشید الزماں، غزالہ اور ماتھر کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ حمید بھی تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا۔"

"حمید کیا میں خود تمہیں ایک نظر میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن جابر یاد رکھو کہ تم زیادہ عرصہ تک لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ایک فریدی مر سکتا ہے، لیکن یہ نہ بھولو کہ ہزاروں فریدی پیدا ہو سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے پرواہ نہیں...... میں اپنے راستے میں آئے ہوئے لوگوں کو ایک معمولی پتھر کے

ٹکڑے کی طرح اپنی ٹھوکر سے ہٹا دیتا ہوں۔"

"اچھا اب میں چلا...... ٹھیک بارہ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا...... تم اپنا فیصلہ سوچ رکھنا۔"

جابر یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور فریدی کو کمرے میں بند کر دیا۔

بچ گیا

رات بھر جاگنے کی وجہ سے نواب رشید الزماں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب غزالہ کنور ظفر علی خاں سے رات کے گذرے ہوئے واقعات بیان کر رہی تھی۔

"پھر آپ لوگ یہاں تک کس طرح پہنچیں۔" کنور ظفر علی نے سوال کیا۔

"ہم لوگوں کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک موٹر پر بٹھا دیا گیا اور تین چار گھنٹہ تک چلنے کے بعد ہم ایک سنسان جگہ پر اتار دیئے گئے۔ ہمارے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں اور ہم لوگ کافی عرصہ تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے پھر ماتھر صاحب کو راستہ یاد آ گیا اور ہم لوگ یہاں پہنچ گئے۔"

"لیکن اس فعل سے فریدی کا کیا مقصد تھا......" کنور ظفر علی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"کنور صاحب اب اس کا نام نہ لیجئے۔ اس دنیا میں اب کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" غزالہ غمگین آواز میں بولی۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے دھوکہ کھایا ہو اور فریدی کے بجائے وہ کوئی دوسرا شخص رہا ہو۔"

"نہیں کنور صاحب وہ فریدی ہی تھے۔ وہی صورت وہی لب ولہجہ۔" غزالہ نے تردید کی۔

"اور سارجنٹ حمید کہاں ہیں۔" کنور نے سوال کیا۔

"ان کا کچھ پتہ نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اچھا اب تم آرام کرو، بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ میں ذرا ماتھر صاحب کے یہاں جا رہا ہوں...... فریدی پر مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا۔"

"بہر حال اب معاملہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔"

کنور ظفر علی غزالہ سے رخصت ہو کر سیدھے ماتھر صاحب کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کنور صاحب ابھی تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ ایک موٹر تیزی سے ان کے قریب ہی ایک کاغذ کا ٹکڑا گراتی ہوئی گذر گئی۔ انہوں نے اُسے اٹھا کر پڑھا، لکھا تھا۔

"سنتا ہوں کہ میں فریدی صاحب کا قیدی ہوں، لیکن یقین نہیں آتا، آج رات کو یہ لوگ رائے بہادر بشمبھر سنگھ کی کوٹھی پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔

حمید۔"

کنور ظفر علی خاں نے وہ پرزہ اپنی جیب میں رکھا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ماتھر صاحب کے بنگلہ پر پہنچ گیا۔

ماتھر صاحب ابھی ابھی سو کر اٹھے تھے۔ کنور صاحب کی آمد کی اطلاع سن کر وہ فوراً باہر آ گئے۔

"کیا بتاؤں کنور صاحب رات......!"

"مجھے غزالہ سے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ واقعی یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔"

"آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"بھئی ابھی تک تو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔" ماتھر صاحب نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ابھی جب میں آپ کے یہاں آرہا تھا تو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔" کنور ظفر علی نے وہ پرزہ دکھایا جو موٹر سے گرایا گیا تھا۔

ماتھر نے وہ پرزہ پڑھتے ہی جلدی سے سوال کیا۔ "آپ نے موٹر کا نمبر دیکھا تھا۔"

"جب تک میں پرزہ اٹھاؤں، موٹر بہت دور نکل چکی تھی اور پہلے سے اس بات کا علم تو تھا نہیں کہ فوراً نمبر نوٹ کر لیتا۔" کنور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنے میں نوکر چائے لے کر آ گیا۔

"اچھا آیئے کنور صاحب...... اب چائے پی لی جائے۔" ماتھر پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے بولے۔

"حمید کی اس تحریر پر کیا کاروائی کیجئے گا۔" کنور نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ تحریر فرضی معلوم ہوتی ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"بہر حال آپ جیسا مناسب سمجھئے...... لیکن نواب صاحب کی اس تحریر کے متعلق کیا ہو گا، جسے فریدی نے زبردستی لکھوایا ہے اور اس پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔"

"ہاں یہ معاملہ قانونی طور پر ذرا اہم ہے، بہر حال آج میں انسپکٹر جنرل کو فون کر کے تمام واقعات ان سے بیان کرتا ہوں۔ آپ ذرا تکلیف کر کے نواب صاحب اور مسٹر طارق سے کہہ دیجئے کہ وہ مجھ سے دفتر میں ضرور مل لیں۔"

"اچھی بات ہے...... تو اب مجھے اجازت دیجئے۔ ذرا نواب صاحب کا خیال رکھئے...... غزالہ بے حد پریشان ہے۔"

"ہاں...... میں اپنی پوری کوشش کروں گا، زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماتھر نے تسلی دی۔

کنور ظفر وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا گھر پہنچا۔ نواب رشید الزماں اور طارق کو ماتھر صاحب کے یہاں بھیج کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی باتیں سننے لگا۔

"مجھے سخت تعجب ہے کہ فریدی نے کنور ظفر کو کیسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ظفر صاحب ان کے خلاف رہتے ہیں اور ایک مرتبہ وہ ان کو پستول کا نشانہ بھی بنانے جا رہے تھے۔"

"مجھے خود اس بات سے حیرت ہے۔" کنور ظفر بولے۔

"خیر...... ہو گا تم لوگ باتیں کرو، میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" کنور کھانا کھا کر کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہے اور کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئے۔

ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ریحانہ انہیں جگا رہی تھی۔ شام ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھے اور منہ ہاتھ دھو کر برآمدے میں نکل آئے جہاں نواب رشید الزماں اور طارق بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"کہئے ماتھر صاحب نے کیا کہا۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں...... وہ اس وقت مشغول تھے۔ حمید کے اس خط پر جو تم کو ملا تھا انہوں نے احتیاطاً وہاں پولیس تعینات کر دی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے ضروری احکامات صادر کر دیئے۔ آج رات کو وہ خود یہاں آئیں گے۔ اس وقت مفصل باتیں ہوں گی۔"

نواب رشید الزماں طارق اور کنور صاحب میں کافی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی کہ کھانے کا وقت آ گیا۔ نواب صاحب اور طارق کھانا کھانے چلے گئے۔ کنور کو بھوک نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور وہ سعیدہ سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد وہ لوگ پھر آکر دالان میں بیٹھ گئے۔

"ابھی تک ماتھر صاحب نہیں آئے۔" نواب رشید الزماں صاحب بولے۔

"ہاں ان سے یہ ضرور کہہ دیجئے گا کہ وہ پولیس یہاں تعینات کر دیں کیونکہ غزالہ بے حد خوف زدہ ہے۔" سعیدہ نے نواب صاحب سے کہا۔

اتنے میں کچھ آہٹ سنائی دی۔ طارق نے کہا۔ "لو شاید ماتھر صاحب آ گئے۔"

سب کی نظریں اٹھ گئیں۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا کہ یکایک ٹارچ کی چار پانچ تیز روشنیاں ان کے چہروں پر پڑنے لگیں جس سے سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ دوسرے لمحہ روشنی بجھ چکی تھی اور ایک آدمی سیاہ نقاب ڈالے پستول لئے ہوئے کھڑا تھا۔ پیچھے تین نقاب پوش اور کھڑے تھے۔

سعیدہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کنور ظفر علی اور نواب صاحب چلانا ہی چاہتے تھے کہ اس نے پستول سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے راہول ڈاکو کہتے ہیں۔" نقاب پوش بولا۔ "لیکن نواب صاحب مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور ہمدردی صرف اس لئے ہے کہ اس میں میرا فائدہ ہے۔ میں نے آپ کی وہ تحریر حاصل کر لی ہے جسے آپ فریدی کو لکھ کر دے آئے تھے۔" اس نے نواب کی تحریر جیب سے نکالتے ہوئے دکھایا۔

نواب صاحب نے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے۔" وہ بولا۔ "اس تحریر کے لئے آپ کو صرف پندرہ ہزار روپے دینے پڑیں گے۔ جلدی کیجئے۔"

"لیکن......!"

"کچھ نہیں اگر آپ کے پاس روپے نہ ہوں تو اپنی یہ ہیرے کی انگوٹھی اتار دیجئے۔ بہت جلد...... میرے پاس وقت نہیں۔ میں زبان کا پکا ہوں...... انگوٹھی ملتے ہی یہ تحریر آپ کو

مل جائے گی۔"

نواب صاحب نے مجبوراً اپنی انگوٹھی اتار کر اس کے حوالے کر دی۔

"یہ لیجئے اپنی تحریر۔" اس نے کاغذ نواب صاحب کی طرف پھینکا اور پستول دکھاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ کچھ فاصلہ پر پہنچ کر اس نے کوئی چیز ان لوگوں کی طرف فرش پر پھینکی جس کے گرنے سے سب لوگوں کی آنکھوں میں دھواں بھر گیا اور پانی بہنا شروع ہوا۔

تھوڑی دیر بعد جب گیس کا اثر زائل ہو گیا تو کنور صاحب بولے "معاملہ سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہاں یہ سب پولیس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔" طارق نے تائید میں کہا۔

"بھئی میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اس ضعیفی کے عالم میں سب مجھے ہی نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر میں نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔" نواب رشید الزماں نے روندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کے سوچنے کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ وہ فریدی جس کے لئے اس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی تھی اس نے کیسا بُرا سلوک کیا ہے۔ پھر دوسروں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

"بیٹی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب میں نواب صاحب کو یہی رائے دوں گا کہ وہ جلد سے جلد واپس لوٹ چلیں۔" طارق نے غزالہ کو تسلی دی۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فریدی ہانپتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اس کے کپڑے مٹی سے بھرے ہوئے تھے اور منہ پر جا بجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

کنور ظفر علی فریدی کو دیکھتے ہی اس کی طرف غصہ سے بڑھے۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی کھڑے ہو گئے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی بولا۔ "آپ لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔"

"دھوکا...... بے ایمان کہیں کا۔" کنور ظفر علی نے بڑھ کر فریدی کا گریبان پکڑا۔ "میں کہتا ہوں خدا کے لئے میری بات سن لیجئے۔ صرف دو منٹ کے لئے ورنہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر مجھے آپ لوگوں کو دھوکا دینا ہوتا تو میں خالی ہاتھ یہاں کبھی نہ آتا۔ وہ جابر تھا جس نے

میرے بھیس میں آپ لوگوں کو گرفتار کیا۔ وہ یہاں بھی آنے والا ہے، آپ کی تحریر دکھا کر آپ کو بلیک میل کرے گا۔ میں خود اس کی قید میں تھا۔ بڑی مشکلوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ دیکھئے میرے ہاتھ جل گئے ہیں۔" فریدی ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ دکھائے جو بُرے طرح جل گئے تھے۔

کنور کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ فریدی کو چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی غور سے اس کو دیکھنے لگے۔

"نہیں بیٹا واقعی ہم لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔ مجھے تو خود حیرت تھی کہ تم کیا کر رہے ہو۔ بس پہچان نہیں سکے۔"

"ہاں...... اور اس نے چالاکی یہ کی تھی کہ آپ لوگوں کو ہوش میں لانے سے پہلے لیمپ کی روشنی بھی کم کر دی گئی تھی کہ چہرے کے خدوخال صاف طور سے نظر نہ آئیں۔ اچھا یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"وہ یہاں آتا ہی ہوگا...... اس لئے ہم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہئے۔ میں نے حمید کو ماتھر صاحب کے بنگلہ پر روانہ کر دیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔" فریدی بولا۔

"لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ چار نقاب پوش آئے تھے، جس میں سے ایک اپنے کو راہول بتاتا تھا، اور وہ نواب صاحب کو یہ تحریر دے کر ان کی ہیرے کی انگوٹھی لے گیا۔"

"لے گیا......!" فریدی نے اس طرح کہا جیسے اسے اس کا پہلے سے یقین رہا ہو۔

اتنے میں ماتھر صاحب بھی آ گئے اور نواب رشید الزماں نے "راہول" کی تازہ واردات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی۔

"اوہ...... فریدی...... اگر حمید مجھ سے تمام واقعات نہ بیان کرتا تو میں دھوکے میں تمہیں ضرور گرفتار کر لیتا......!" ماتھر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھا ماتھر صاحب وقت بہت کم ہے۔ جلدی کیجئے ورنہ دشمن پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غالباً آپ نے چنی لال اور ہری نرائن اینڈ سنز کے یہاں پولیس کا مکمل انتظام کر دیا ہوگا۔" فریدی بولا۔

"ہاں...... میں نے وہاں کے لئے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اور کل رات کے حادثہ کی اطلاع میں نے فون کے ذریعہ انسپکٹر جنرل کو کر دی تھی۔ وہاں سے بہت سخت احکامات ملے ہیں۔ وہ

پرسوں خود یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اچھا...... خیر...... اب جلدی کرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

لیکن ابھی تک حمید نہیں آئے۔" ماتھر بولے۔

"وہ آ جائیں گے، میں نے انہیں پتہ بتا دیا ہے، اب چلئے...... احتیاطاً آٹھ دس کانسٹیبلوں کو یہاں چھوڑ دیجئے اور آپ لوگ اطمینان سے سوئیے۔ پولیس آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے ہے۔ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔" فریدی نواب رشید الزماں سے مخاطب ہو کر بولا۔

فریدی اور ماتھر سپاہیوں کو لے کر نواب زادہ شاکر کے کتب خانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر فریدی کی ہدایت کے مطابق پولیس نے لائبریری کا اچھی طرح محاصرہ کر لیا اور خود فریدی، ماتھر اور دو انسپکٹر پولیس لائبریری کے دروازے کے سامنے کچھ فاصلہ پر چھپ کر بیٹھ گئے۔

"آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟" فریدی نے ماتھر سے دریافت کیا۔

"گیارہ بج کر پندرہ منٹ......!"

"بس وہ آیا ہی چاہتا ہے، کیونکہ بارہ بجے تک اس کو یہاں ضرور پہنچ جانا چاہئے۔"

اتنے میں کوئی شخص تیزی سے لائبریری کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

"وہ دیکھئے کوئی آ رہا ہے۔" ایک انسپکٹر نے اشارہ کیا۔

ماتھر نے پستول سنبھالا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ حمید ہے۔"

حمید فریدی کے قریب آ کر بولا۔ "ابھی تک دونوں جگہوں پر کوئی واردات نہیں ہوئی۔"

"ہائیں......!" فریدی نے تعجب سے کہا۔

"جی ہاں...... بہرحال پولیس وہاں موجود ہے۔"

"اچھا...... خیر تم بیٹھ جاؤ۔" اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔

بیٹھے بیٹھے جب کافی عرصہ ہو گیا تو فریدی نے پھر وقت پوچھا۔ "اب ٹھیک بارہ بجے ہیں......!" ماتھر نے جواب دیا۔

فریدی تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ "اب قید خانے کے اندر چلنا چاہئے۔"

"لیکن وہاں پھر کوئی نئی مصیبت نہ پیش آجائے۔" حمید بولا۔

"جو کچھ بھی ہو لیکن اب ہم لوگوں کو اندر چلنا ہی پڑے گا کیونکہ مجھے یقین ہو رہا ہے کہ وہ کچھ بھانپ گیا ہے۔"

"چلئے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو "کبوتر خانہ" بہت پسند آگیا۔" حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی، حمید، ماتھر اور وہ دونوں سب انسپکٹر لائبریری کی طرف روانہ ہوئے۔ لائبریری میں پہنچ کر فریدی نے قالین ہٹایا اور ایک چھوٹا بٹن جو فرش میں لگا ہوا تھا۔ اس کو دبایا۔ تختہ ہٹ گیا جس سے اندر کا کمرہ صاف نظر آنے لگا۔ فریدی پستول لئے ہوئے آہستہ سے اس میں کودا، پھر حمید، ماتھر اور انسپکٹر بھی کمرے میں کود پڑے۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ فریدی نے ٹارچ جلائی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ تمام چیزیں بکھری ہوئی پڑی تھیں اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"کمرے کا دروازہ کیسے کھلا، یہ تو باہر سے بند تھا۔" فریدی بولا۔

"اچھا حمید تم پچھلے دروازے سے جدھر سے میں تمہارے پاس آیا تھا کچھ سپاہیوں کو لے کر داخل ہو جاؤ۔ ذرا ہوشیار رہنا۔"

حمید چھت پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور فریدی اس کمرے سے باہر نکلا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ چار آدمی زمین پر مردہ پڑے ہوئے ہیں۔

"دیکھا آپ نے...... مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ وہ بھاگ گیا۔" فریدی ماتھر سے مخاطب ہوا۔

"لیکن اس میں بھی اس کی کوئی چال نہ ہو۔" ماتھر بولا۔

اتنے میں حمید بھی سپاہیوں کو لے کر دوسرے دروازے سے داخل ہوا۔ تہہ خانے کا کونہ کونہ دیکھا گیا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا سوائے اس کے کہ "کبوتر خانے" پر ان لوگوں کو دو لاشیں اور ملیں۔

فریدی یک بیک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ماتھر صاحب جلدی سے ایک موٹر کا انتظام کیجئے۔ وہ یہاں سے بچ کر نکل گیا۔ لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ان ساتھیوں کو مار گیا ہے۔"

سب لوگ جلدی سے تہہ خانے سے نکل آئے اور فوراً ایک سپاہی کو موٹر لانے کے لئے

بھیجا۔ فریدی بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"حمید ذرا میرے ساتھ آؤ۔" فریدی حمید کو لئے ہوئے پھر تہہ خانے میں داخل ہوا اور باہر کے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے لگا۔ وہ میز کی دراز کو کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا جس میں چند غیر ضروری کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے ادھر اُدھر کچھ تلاش کیا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے لئے کارآمد ثابت ہوتی...... البتہ اس نے الماری میں سے چند خطوط اور کچھ کاغذات نکال کر اپنی جیب میں رکھے اور حمید سے بولا۔ "جلدی چلو۔"

دونوں جیسے ہی باہر نکلے ویسے ہی موٹر آگئی۔ ماتھر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سب لاشوں کو اٹھا کر کوتوالی لے جائیں اور کچھ سپاہی یہاں رہ جائیں۔

موٹر پر ماتھر اور دونوں انسپکٹر پولیس اور چند سپاہی بیٹھ گئے۔

"حمید تم بھی بیٹھ جاؤ۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائیور کی بغل میں بیٹھ گیا۔ "اختر لاج" جلدی چلو۔ فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر اختر لاج کے سامنے کھڑی تھی۔ فریدی کود کر اترا اور سیدھا سعیدہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سعیدہ کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون......!" سعیدہ نے پوچھا۔

"میں ہوں فریدی۔"

سعیدہ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کہئے خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے، پہلے یہ بتاؤ کہ لیفٹیننٹ باقر کی تم سے کب ملاقات ہوئی تھی؟"

"تین روز پیشتر...... مگر آپ اس قدر گھبرا کر بھیا کو کیوں پوچھ رہے ہیں۔" سعیدہ نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں تم پریشان نہ ہو...... یہ میں بعد میں بتادوں گا۔"

"انہوں نے تم سے کچھ بتایا تھا......؟" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں...... وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک کام سے کلکتہ جانے والا ہوں۔" سعیدہ نے جواب دیا۔

"ہوں...... اور کچھ کہہ رہے تھے۔"

"نہیں۔"

"اچھا اب میں جا رہا ہوں، وقت بالکل نہیں، پھر تمام واقعات بتاؤں گا۔ نواب صاحب وغیرہ سے کہہ دینا کہ جابر بچ کر نکل گیا۔ ہم لوگ اس کا پیچھا کرنے جا رہے ہیں۔" فریدی یہ کہتا ہوا تیزی سے نکلا اور موٹر میں آکر بیٹھ گیا۔

سمندری لڑائی

رات کے دو بجے تھے، موٹر تیزی سے سڑک کو پیچھے چھوڑتی ہوئی بھاگی جا رہی تھی۔ فریدی ڈرائیور سے اور تیز چلنے کو کہہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں.....!" فریدی نے دریافت کیا۔

"اس لئے کہ ابھی ملک الموت اس آدمی کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لائیں گے اور کہیں وہ بھولے سے ہم لوگوں کی طرف گھوم پڑے تب.....؟" حمید نے اس طرح معصومانہ انداز میں کہا کہ سب کو ہنسی آگئی۔

"تم اپنی حرکت سے باز نہیں آؤ گے حمید.....!" فریدی بولا۔

"اور یہی شکایت مجھے آپ سے ہے، بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت مول لی ہے۔ نہ معلوم بیچاری "شہناز" کا کیا حال ہے۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اچھا آپ اپنی بکواس ختم کیجئے۔"

"لیکن میں پھر آپ سے کہتا ہوں جیسا کہ میں نے اس کی گفتگو سنی ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہنڈیاں جو اس نے حاصل کی ہیں وہ ۲۰ تاریخ کے بعد بیکار ہو جائیں گی۔ آج پندرہ تاریخ ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ وہ کلکتہ میں بالکل قیام نہیں کرے گا بلکہ سیدھا جنیوا جائے گا

اس لئے ہم لوگوں کو کلکتہ پہنچنے کے بعد فوراً ہوائی اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو...... ہم لوگوں کو سیدھا ہوائی اور بحری اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

راستے بھر فریدی ڈرائیور سے موٹر کی رفتار تیز کرنے کی تاکید کرتا رہا۔ سنسان سڑک پر موٹر اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن فریدی چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر جلدی سے کلکتہ پہنچ جائے۔

"ڈرائیور......اور تیز......!" فریدی نے کہا۔

"حضور موٹر اپنی پوری رفتار میں ہے......" اس نے جواب دیا۔

فریدی "اچھا" کہہ کر چپ ہو گیا اور وہ کلکتہ پہنچنے کے بعد کے پروگرام سوچنے لگا۔

دن کافی چڑھ چکا تھا۔ حمید کا مارے بھوک کے بُرا حال تھا۔ کیونکہ آج کئی روز سے اُسے قاعدے سے کھانا نہیں ملا تھا۔ لیکن فریدی کے ڈر سے بالکل خاموش تھا۔

کلکتہ قریب آگیا تھا کیونکہ آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موٹر شہر میں داخل ہوئی۔

ہوائی اڈے پر پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ کل رات سے اس وقت تک کوئی جہاز جنیوا نہیں گیا۔ اب فریدی نے ڈرائیور سے بحری اڈے پر چلنے کو کہا۔

وہاں جا کر وہ بحری آفیسر سے ملا اور اپنا "آئی ڈنٹی کارڈ" دکھاتے ہوئے بولا۔ "ہم لوگ رام گڈھ سے ایک بہت بڑے مجرم کا پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں، جس نے اب تک مختلف مقامات پر ہزاروں خون ڈاکے اور بلیک میل کی وارداتیں کی ہیں۔ وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے۔ اس کا پکڑا جانا بیحد ضروری ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جنیوا اترنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے۔"

"یہاں سے وائرلیس کیا جا سکتا ہے، لیکن جب وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے تو وہ کیسے پہچانا جا سکتا ہے۔" بحری آفیسر نے جواب دیا۔

"نہیں وائرلیس سے کام نہیں چل سکتا کیا "یو بوٹ" کے ذریعہ ہم لوگ جہاز کا پیچھا نہیں کر سکتے؟"

"لیکن یو بوٹ کے لئے آپ کو انسپکٹر جنرل پولیس اور کمانڈنٹ چیف آفیسر آف ایسٹرن کمانڈ سے اجازت لانا ہو گی۔" بحری آفیسر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی یہ کہتا ہوا سب لوگوں کو لے کر انسپکٹر جنرل کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی ماتھر نے اپنا کارڈ بھیجا آئی جی نے فوراً ان لوگوں کو بلوالیا، وہ ماتھر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو خود کل آپ کے یہاں آرہا تھا..... وہ انٹر نیشنل ڈاکو ہے اور اس نے گورنمنٹ کے کچھ تجارتی کاغذات بھی حاصل کر لئے ہیں۔ اس کا گرفتار ہونا بے حد ضروری ہے۔"

فریدی اور ماتھر نے مختصراً تمام حالات بیان کئے، جسے سن کر آئی جی نے فریدی سے کہا۔

"مسٹر فریدی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ لیکن کیا آپ کو اس کا یقین ہے کہ وہ اسی جہاز سے جنیوا گیا ہو گا اور اس نے اپنا حلیہ بھی بدل دیا ہو گا۔ آپ اسے کیسے پہچان سکتے ہیں؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"یہ سب آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ لیکن اگر ذرا بھی دیر کی گئی اور جہاز جنیوا پہنچ گیا تو پھر وہ ہاتھ نہیں لگ سکتا۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو میں ابھی کمانڈنٹ ان چیف صاحب سے مل کر آتا ہوں، آپ لوگ میرا یہیں انتظار کیجئے۔" وہ بولے۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے بازار جاؤں گا کیونکہ اگر جہاز پر اس نے ہم لوگوں کو اصلی حالت میں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

آئی۔ جی صاحب تو کمانڈنٹ چیف کے یہاں روانہ ہو گئے، اور فریدی حمید کو لے کر بازار چلا گیا۔ ماتھر اور انسپکٹر وہیں ان لوگوں کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

فریدی بازار سے کچھ سامان خرید کر جب لوٹا تو معلوم ہوا کہ ابھی آئی جی صاحب نہیں تشریف لائے اور یہ سب لوگ چپڑاسی کے ساتھ باتھ روم میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی مارواڑی، ماتھر صاحب، پروفیسر اور انسپکٹر سیٹھ اور حمید جہاز کے خلاصی بنے ہوئے باتھ روم سے باہر نکلے۔

آئی جی نے موٹر سے اترتے ہوئے جب ان لوگوں کو دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگوں نے خوب بھیس بدلا ہے۔"

"اچھا یہ آرڈر لیجئے اور آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" آئی جی نے سوال کیا۔

"جی نہیں...... اب بقیہ کام ہم لوگ انجام دے لیں گے۔" فریدی نے کہا اور سب لوگوں کو لے کر موٹر کے ذریعہ بحری اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

آئی جی نے بحری آفیسر کو فون کر دیا تھا "یو بوٹ" بالکل تیار کھڑی تھی۔

فریدی نے بحری افسر کو "حکم نامہ" دیتے ہوئے کہا۔ "غالباً آپ نے جہاز کے کپتان کو وائرلیس کر دیا ہو گا۔"

"ہاں میں نے اس کو ضروری ہدایات دے دی ہیں اور جہاز کی رفتار کم کر دینے کو بھی کہہ دیا ہے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"بس ٹھیک ہے...... حمید جلدی سے بیٹھو۔" فریدی "یو بوٹ" کے پاس آکر بولا اور سب لوگ جلدی جلدی اس میں سوار ہو گئے اور یو بوٹ تیزی سے پانی کے اندر روانہ ہو گئی۔

"باپ رے باپ...... کتنا خطرناک سفر ہے۔" حمید ڈر کر بولا۔

فریدی نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ ہم لوگ اس سے صرف پانچ گھنٹہ پیچھے ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ جسے صرف حمید ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس وقت فریدی کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ یو بوٹ تیزی سے سمندر کی گہرائیوں میں بھاگ رہی تھی۔

شام ہو چکی تھی، فریدی کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کپتان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک گھنٹہ کا فاصلہ اور رہ گیا ہے۔ فریدی حمید وغیرہ کو ضروری ہدایات دینے لگا۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز کا سگنل دکھائی دیا اور تھوڑی دیر بعد یو بوٹ جہاز کے بالکل قریب تھی۔

جہاز دو منٹ کے لئے رکا اور یہ لوگ جلدی جلدی جہاز کے بالکل نچلے حصے میں داخل ہو گئے، جہاز پھر روانہ ہو گیا۔

کپتان نے ان لوگوں کو پوشیدہ طور پر دوسرے درجے کے ایک کیبن میں پہنچادیا اور یہ لوگ ایک مسافر کی حیثیت سے سفر کرنے لگے۔

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ یہ لوگ کھانے کے میز پر آکر بیٹھ گئے۔ جہاں دوسرے مسافر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حمید نے خلاصی کے بھیس میں آکر میز صاف کی، جس پر کھانا چن دیا گیا۔ لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ فریدی کھانا کھاتا جاتا تھا اور مسافروں کو غور سے دیکھتا بھی جاتا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لوگ اپنے کیبن میں لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد حمید داخل ہوا۔

"کچھ پتہ چلا......!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں...... میں قریب قریب پورا جہاز گھوم آیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا اب تم جاکر سو رہو...... اب صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت ممکن ہے کسی کو ہم لوگوں پر شبہ ہو جائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید چلا گیا۔ فریدی ماتھر اور دونوں انسپکٹر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ رہے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے یہ لوگ فوراً سو گئے۔

صبح سویرے ہی فریدی کی آنکھ کھلی وہ اپنا لباس وغیرہ درست کر کے کیبن سے باہر نکلا۔ قریب قریب تمام مسافر جاگ چکے تھے، اوپر ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے صبح کے سہانے منظر اور سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ فریدی بھی ڈیک پر چڑھ گیا اور سمندر کی طرف دیکھنے لگا کہ یک بیک اس کی نگاہ ایک انگریز پر پڑی جو چمڑے کے ایک بٹوے سے تمباکو نکال کر سگریٹ بنا رہا تھا۔ فریدی نے غور سے بٹوے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اور وہ آہستہ آہستہ ڈیک سے اترنے لگا۔

ڈیک سے اترتے ہی وہ فوراً اپنے کیبن میں آ گیا۔ ماتھر اور دونوں انسپکٹر بھی جاگ چکے تھے۔

"آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیے۔ دشمن مل گیا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"کہاں.!" ماتھر نے تعجب سے پوچھا۔

"انگریز کا بھیس بدلے ہوئے ڈیک پر کھڑا ہے۔ آپ لوگ ابھی اپنے اپنے پستول جیب میں

رکھ کر ڈیک پر فوراً پہنچ جائیے۔ لیکن اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے۔ میں کپتان کے پاس جا رہا ہوں تا کہ حمید کو آگاہ کر دوں۔"

فریدی یہ کہتا ہوا جلدی سے کپتان کے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا اور حمید کو ہدایات دے کر وہ فوراً ڈیک پر پہنچ گیا۔

انگریز اطمینان سے سگریٹ کے لمبے لمبے کش کھینچ رہا تھا۔

"جابر اگر تم اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے تو گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک مارواڑی سامنے پستول تانے کھڑا تھا۔

انگریز کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی...... لیکن فوراً ہی مسکراہٹ پیدا کرتا ہوا بولا۔

"مسٹر آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے...... میں وہ......!"

اتنے میں ایک فائر کی آواز سنائی دی...... اور انگریز تیورا کر زمین پر گر پڑا...... ماتھر اور وہ دونوں انسپکٹر اس پر جھپٹے۔

فریدی چلایا...... لیکن وہ لوگ بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور اب ماتھر کا پستول اس انگریز کے ہاتھ میں تھا۔

فضا میں دو فائروں کی آوازیں گونجیں...... انگریز کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور پستول زمین پر پڑا تھا...... اب انگریز ماتھر اور انسپکٹر کی گرفت میں تھا۔

"آپ لوگوں نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"لیکن بھئی ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلا فائر کیسا تھا۔" ماتھر بولا۔

"وہ دیکھئے......!" فریدی نے ڈیک کے کنارے اشارہ کیا...... جہاں ایک آدمی خون میں لت پت پڑا تھا...... "یہ جابر کا ساتھی ہے، جو پیچھے سے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا تھا...... اور حمید نے اس پر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا جسے آپ لوگ نہ سمجھ سکے اور یہ دوسرا فائر آپ پر کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے گولی چلا دی۔"

جابر کو گرفتار کر کے فریدی نے اس کے منہ پر کپڑا بندھوا دیا تھا اور اب یہ لوگ اسی "یو بوٹ" کے ذریعہ جابر کو لے کر واپس ہو رہے تھے۔

راستے میں حمید اور ماتھر نے فریدی سے بہت سوالات کئے لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ
"اب عدالت ہی میں میرا بیان سننا۔"

ماجرا سنئے

نواب زادہ شاکر کے قتل...... شہر میں آتش زدگی...... خون...... سرکاری تجارتی تمسکات کی چوری اور دوسرے دیگر الزامات کے سلسلے میں جابر کا مقدمہ آج عدالت میں پیش ہونے والا تھا۔ نوابزادہ شاکر کے قتل کے سلسلے میں کنور ظفر علی خاں پر دو مقدمے تھے۔ کمرہ عدالت میں ملزمان کے کٹہرے میں انہیں بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ کنور ظفر کی آنکھیں آج پہلی بار چھلک رہی تھیں انہوں نے فریدی کی جانب کئی بار دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں رحم کی درخواست کی۔

جابر تنہا کھڑا تھا۔ تماشائیوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ ایسے بھیانک آدمی کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایک آدمی ایسی باتیں کس طرح کہہ سکتا ہے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ بذات خود حمید بھی جابر کے حالات سے زیادہ واقف نہ تھا۔ صرف یہی ایک معاملہ ایسا روکھا پھیکا ہوا تھا جس میں اسے کوئی عورت نہ مل سکی تھی اور اگر ملی بھی تو زبردستی بیوی بن کر چرکہ دے گئی۔

آخر وہ عورت کون تھی؟

غزالہ اور نواب رشید الزماں بہت خوش تھے...... ان کا محبوب فریدی جابر کو پکڑ لایا تھا۔ کیسی کیسی بدگمانیوں کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔

بیچارہ طارق "شکاکی" کے افسوس میں تھا۔ مگر پھر بھی افسردہ نہ تھا۔

اداس صرف سعیدہ تھی۔ اس کا دل دعائیں مانگ رہا تھا کہ کنور صاحب بے گناہ ثابت ہوں۔

اس عدالت میں لیفٹیننٹ باقر کی عدم موجودگی بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ لوگوں کا خیال

تھا کہ شاید وہ عین وقت پر آئیں۔

غرضیکہ ہر شخص انسپکٹر فریدی کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھا...... واقعات کچھ اس طرح ظہور میں آئے تھے کہ گرہیں جب تک نہ کھلیں جابر کا گرفتار ہونا ہی کافی نہ تھا۔

ٹھیک دس بجے مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ پولیس کے مقامی افسران کے رسمی بیان کے بعد انسپکٹر فریدی کا بیان شروع ہوا۔

"میرے بیان کے تمام کاغذی ثبوت مسل میں شامل ہیں" فریدی نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا۔

"میں سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور کردینا چاہتا ہوں کہ لیفٹیننٹ باقر اور جابر دو علیحدہ شخصیتیں نہیں...... دراصل...... باقر اور جابر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں...... جابر کون ہے؟ اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ تعلیم کا غلط استعمال اور انسانی خواہشات کا حد اعتدال سے آگے بڑھنا کسی حد تک انسان کو گمراہ کر سکتا ہے۔ اس کی زندہ مثال جابر کی گذشتہ زندگی کے واقعات ہیں۔ مجرموں کے کٹہرہ میں کھڑا ہوا یہ ہیبت ناک اور بھیانک شخص آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کا فلسفہ میں ڈگری یافتہ ہے اور جرمنی کے زیورچ کالج سے شعبہ سائنس کا ایم۔اے ہے۔ اچھے خاصے عرصہ تک یہ پروفیسر بھی رہا ہے۔ اس کی ماں جرمن خاتون تھی اور باپ ہندوستانی۔ اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ حالات کی بدقسمتی کہ اس نے بچپن میں اپنے ہندوستانی ساتھیوں کے ہاتھوں کافی ذلت اٹھائی اور اس وقت سے اس کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ زمانہ شباب میں یہ لندن پہنچا۔ وہاں سے فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ جرمنی گیا۔ وہیں سائنس کے تجربات اور نازیت کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اس کا دماغ دوسرے راستوں پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر گوٹبلو کے محکمہ جاسوسی میں رہ کر اپنا بھیس بدلنے، آواز تبدیل کرنے کا طریقہ سیکھا اور اس سلسلے میں خود بھی اس نے کچھ ایجادات کیں۔"

لڑائی کے زمانے میں ایک تباہ کن گیس بناتے وقت اس کی ناک پر کچھ بھاپ آگئی اور وہ گل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔

جرمنی کی ہار کے بعد اس کی مالی حالت گرنے لگی۔ اُسے کیمیا بنانے کا شوق ہوا، اور اسی شوق کی بناء پر اس کی ملاقات رنجیت نگر کے والی سنگرام سنگھ سے ہوئی اور اسی شوق نے موصوف کی جان

لی۔ موصوف کی جنسی بیماریاں محض ایک افسانہ ہیں۔ جابر کے زہر نے انہیں مارا۔ ان سے وہ نسخہ تو اسے نہ مل سکا لیکن رنجیت نگر کے راج کمار بننے کا شوق اسے ہندوستان کھینچ لایا۔ اس کے پہچاننے والوں میں سے دو اس کا شکار ہو گئے اور ایک اس وقت ساجد کے روپ میں گواہ ہے۔

بمبئی ہی میں اسے پتہ لگا کہ نواب زادہ شاکر رام گڑھ کا مشہور نواب سونا بنانے کا نسخہ رکھتا ہے۔ اس کے پاس کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے انسان ہزارہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ جابر نے نواب زادہ شاکر سے خط و کتابت کی۔ مگر اس میں اسے ناکامیابی ہوئی۔ وہ رام گڑھ آیا۔

نواب زادہ شاکر کے شریک کار کنور ظفر علی خان بھی تھے۔ سونا تیار ہو جانے کے بعد نواب زادہ شاکر نے کنور صاحب کو حصہ دینے سے انکار کیا۔ اپنی ایک کتاب پر کنور صاحب نے نواب زادہ کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کا حصہ نہ دیا تو وہ اسے جان سے مار ڈالیں گے اور اس کے بعد رات میں وہ پھر نواب زادہ سے ملے۔ انہوں نے اپنے حصے کا مطالبہ بھی کیا اور اپنی تحریر بھی واپس مانگی۔ جابر کے علم میں یہ باتیں تھیں۔ اس نے جج صدیق احمد کے بہترین خوب صورت شیرازی پاموز کبوتر کے جوڑے میں سے ایک کبوتر چرا کر اور اسے زہریلا چھلا پہنا کر نواب زادہ کے برآمدے میں چھوڑ دیا۔ نواب زادہ کبوتروں کے رسیا تھے۔ مگر وہ کبوتر اٹھاتے ہی چھلا منہ سے لگا اور زہر سرائیت کرنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کنور ظفر علی خاں ان کے پاس آئے۔ نواب زادہ کو مردہ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی تحریر پھاڑی اور بھاگ گئے۔ جابر کا آدمی ان کی اس حالت کی تصویر حاصل کر چکا تھا۔ غالباً لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ میں ان کے خلاف یہی ثبوت پیش کیا جاتا۔

کنور ظفر علی بے گناہ ہیں۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی اس تحریر پر انہیں پشیمانی بھی تھی اور انہوں نے نواب زادہ کے نام ایک معذرت نامہ بھی لکھا تھا، جو مسل میں شامل ہے۔"

اتنا بیان پڑھ کر فریدی رکا...... سامعین پر بالکل خاموشی طاری تھی۔ سعیدہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد فریدی نے اپنا بیان پھر شروع کیا۔

"جابر نے ظفر...... نواب رشید الزماں وغیرہ کو میرے خلاف کرنے اور میرے راستے

میں روڑا اٹکانے کے لئے میرا بھیس بدل کر ان کے گھر پر ڈاکہ ڈالا اور ان کے گھر سے ان کی کتاب (جو دراصل نواب زادہ شاکر کی ملکیت تھی) لے اڑا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی لائبریری میں اتفاقاً میرے ہاتھ وہ کتابیں لگیں جن کی جابر کو تلاش تھی۔ لیفٹیننٹ باقر کا قصہ سننے کے بعد ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ بمبئی کے مشہور سیٹھوں کے یہاں جواہرات کی چوری کے اطلاع نامے بھی میرے پاس تھے۔ لائبریری ہی میں مجھے وہ پرچہ ملا جس میں نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے کچھ حالات تھے، لیفٹیننٹ باقر اور جابر کا ایک ہی دن بمبئی جانا مجھے اور کھٹکا۔ جابر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔ اس نے میرے روکنے کے تمام انتظامات کئے۔ مگر وہ ناکام رہا۔ لیکن حالات نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ میں اتفاق کے ہاتھوں ریلوے کی انتظامی کارروائی یعنی ڈبہ کٹ جانے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کر سکا اور حمید کو اس کی ایک پٹھو نے چرکا دیا۔

بمبئی سے واپسی پر وہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے مفصل حالات معلوم کر چکا تھا۔ ان کی ایک تصویر اور قدیم خاندانی حالات حاصل کر کے وہ یہاں آیا۔ فرضی ثبوت اور دلائل...... خاندان میں سعیدہ کے علاوہ اور کسی رشتہ دار کا عدم وجود اس کو کامیاب بنا گیا۔

اس نے اپنے آپ کو سچ مچ باقر ثابت کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے۔ افسران کی دعوتیں کر کے اس نے انہیں یہ بھی موقع نہ دیا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔ سعیدہ کے نام جائیداد ہبہ کر کے اس نے اس کا بھی منہ بند کر دیا۔

اپنے ساتھ لائے ہوئے ایک بیکار نوجوان کو اپنا لڑکا مشہور کر کے اور پھر خود ہی اسے سگریٹ میں زہر دے کر اور اس کی موت پر فرضی آنسو بہا کر اس نے سب کا دماغ ماؤف کر دیا۔ کسی شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جا سکا لیکن کنور ظفر علی خاں مجھ سے بھی اور اس سے بھی دونوں سے مشکوک تھے۔ آگ لگنے سے پہلے وہ نواب زادہ شاکر کے مکان کے پچھلے حصے کی طرف گئے۔ کئی روز پیشتر انہوں نے کچھ لوگوں کو مشکوک حالتوں میں ادھر گھومتے دیکھا تھا۔ یہی کرید انہیں اس طرف لے گئی۔ اس وقت آگ لگی...... وہ بھاگے جابر کے آدمی نے گولی چلائی اور وہ زخمی ہو گئے۔ یہ غلط ہے کہ وہ پولیس کی گولی سے زخمی ہوئے۔ ہسپتال میں آپریشن کے بعد نکالی گئی گولی اس کا ثبوت ہے۔

مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا اور اسی لئے میں نے نواب رشید الزماں وغیرہ کو ماتھر صاحب کے گھر جانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ لوگ گئے مگر لوٹ آئے۔

مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں گذشتہ روز کی آگ اور قتل کے واقعات سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے اوپر بھی حملہ ہو گا۔ اس درمیان میں طارق کے ذریعہ مجھے اطلاع ملی کہ لیفٹیننٹ باقر مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے احتیاطاً وہ دونوں کتابیں جن کی جابر کو تلاش تھی محفوظ کر دیں اور خود باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد ہی مجھے لائبریری میں جابر اور نواب زادہ شاکر کے خطوط ملے۔ مجھے ایسے کاغذات بھی ملے جن کی بناء پر جابر باقر بنا پھرتا تھا۔ میں نے اس کی وہ کتاب بھی دیکھی تھی جو وہ انسانی اعضاء کی ساخت پر لکھ رہا تھا۔ اس کی تحریر کی تازگی یہ بتا رہی تھی کہ یہ ابھی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف میرے ذہن میں جابر کی تحریر بھی تھی۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ جابر اور باقر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ جابر کی اسی وقت آمد اور مجھے تہہ خانے میں قید کرنا اور میرے لئے یقین کا باعث بن گیا۔

مجھے قید کرنے کے بعد اس نے میرا بھیس بدل کر ایک طرف مجھے مرعوب کر کے کتابیں حاصل کرنا چاہیں دوسری طرف حمید کو قید کر کے ایک کانٹا راہ سے ہٹایا۔ تیسری طرف نواب صاحب وغیرہ سے زبردستی تحریر لکھوا کر ان سے روپیہ بھی اینٹھا اور انہیں میرا دشمن بھی بنا دیا۔"

بیان کی طوالت کے باوجود ہر شخص ہمہ تن گوش تھا۔ فریدی پھر رکا اور حمید کی طرف مسکراتے ہوئے اس نے اپنا بیان شروع کیا۔

میں کس طرح چھوٹا...... یہ محض اتفاق تھا۔ جابر نے مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ ۱۸ گھنٹے گذرنے کے بعد شام کو جابر کا نوکر جب تہہ خانے میں لیمپ رکھنے آیا تو بجلی کی طرح میرے ذہن میں ایک خیال گونجا۔ میں نے ملازم کے جاتے ہی اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے لیمپ توڑ ڈالا اور لیمپ کی بتی کی آگ سے اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی رسی کو جلاتا رہا۔ ہاتھ کھلنے کے بعد میں آزاد تھا۔ دوسرے ہی کمرے میں حمید بند تھا اور اسے چھڑانے کے بعد میں نکلا۔ حمید نے جابر کی گفتگو سنی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ کلکتہ جائے گا۔ اس لئے کہ کچھ سرکاری تجارتی تمسکات

کی ہنڈیاں اس کے ہاتھ لگ گئی تھیں جنہیں وہ جنیوا میں بھنانا چاہتا تھا۔ سعیدہ کے بیان نے اس کی تصدیق کر دی اور ہمیں کلکتہ اور پھر کلکتہ سے بحری سفر کے ذریعہ جابر کو گرفتار کرنا پڑا۔ میرا بیان ختم ہو رہا ہے لیکن اب چیز تشنہ تکمیل رہ جاتی ہے اور وہ ہے کیمیا کا نسخہ...... جابر اس کی تلاش میں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اسے حاصل کر سکا یا نہیں۔ بہر حال مجھے وہ نہ مل سکا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ کمرہ عدالت میں سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفان اپنی ہیبت ناک آواز کے بعد ٹھہر گیا ہو کہ اچانک زنجیریں کھڑکھڑائیں اور جابر نے اشارہ کیا۔ جج صاحب کے حکم پر اس کا منہ کھول دیا گیا۔ اس نے کہا۔

"میرے بارے میں فریدی صاحب نے جو بیان دیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ میری سوانح عمری جس مشکل سے جرمن زبان میں لکھے ہوئے خطوط سے انہوں نے مرتب کی ہے وہ لائق تعریف ہے۔ مجھے اپنے جرائم کا اقبال ہے لیکن میری داستان ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ میری ایک آرزو ہے کہ میرے ہاتھ کھول دیئے جائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا...... بلکہ ایک چھپے ہوئے راز کا انکشاف بھی ہو جائے گا۔ فریدی صاحب جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

لوگوں میں کھسر پھسر اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ اتنے میں جج صاحب کے حکم سے چار سپاہیوں کے علاوہ مزید دو سپاہی سنگینیں لے کر اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ حمید کا ہاتھ اپنے پستول پر جا لگا اور جابر کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔

اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"فریدی صاحب! کیمیا کا نسخہ اور آپ کی دانست میں محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی کتابیں میں نے حاصل کر لی تھیں۔ کتابیں سمندر میں ڈوب گئیں لیکن نسخہ میرے پاس ہے۔ میں جو چاہتا ہوں اُسے حاصل کر لیتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے مصنوعی ناک اٹھائی۔

دہشت اور خوف سے غزالہ اور سعیدہ کی چیخیں نکل گئیں۔ بھیانک چہرہ اور بھیانک ہو گیا تھا۔

جابر نے قہقہہ لگایا۔ اپنی ناک کے اندر سے اس نے کاغذ کی پڑیا نکالی۔ "یہ ہے وہ نسخہ فریدی صاحب...... میں اعضاء جسمانی کی ساخت کا ماہر ہوں۔ یہ ناک بڑی کار آمد ہے۔" فریدی نسخہ

لینے کے لئے آگے بڑھا۔

"مگر ٹھہریئے......اس میں زہر ہے...... سونا حاصل کرنے کی کوشش کا نتیجہ زہر ہی ہوتا ہے۔ کہتے ہوئے اس نے وہ پڑیا منہ کے اندر رکھ لی...... آدھا سیکنڈ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ تیورا کر گرا اور ناک اس کے ہاتھ سے فوراً چھوٹ گئی۔"

تھوڑی دیر کا ہنگامہ سکوت میں بدل گیا۔ جابر کی لاش سے شدت کی بو پھیل رہی تھی اور عجیب طرح کا نیلا پانی اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

کمرے میں گہرا سناٹا ہلکورے لے رہا تھا۔

ختم شد